سرگذشت خط نستعلیق

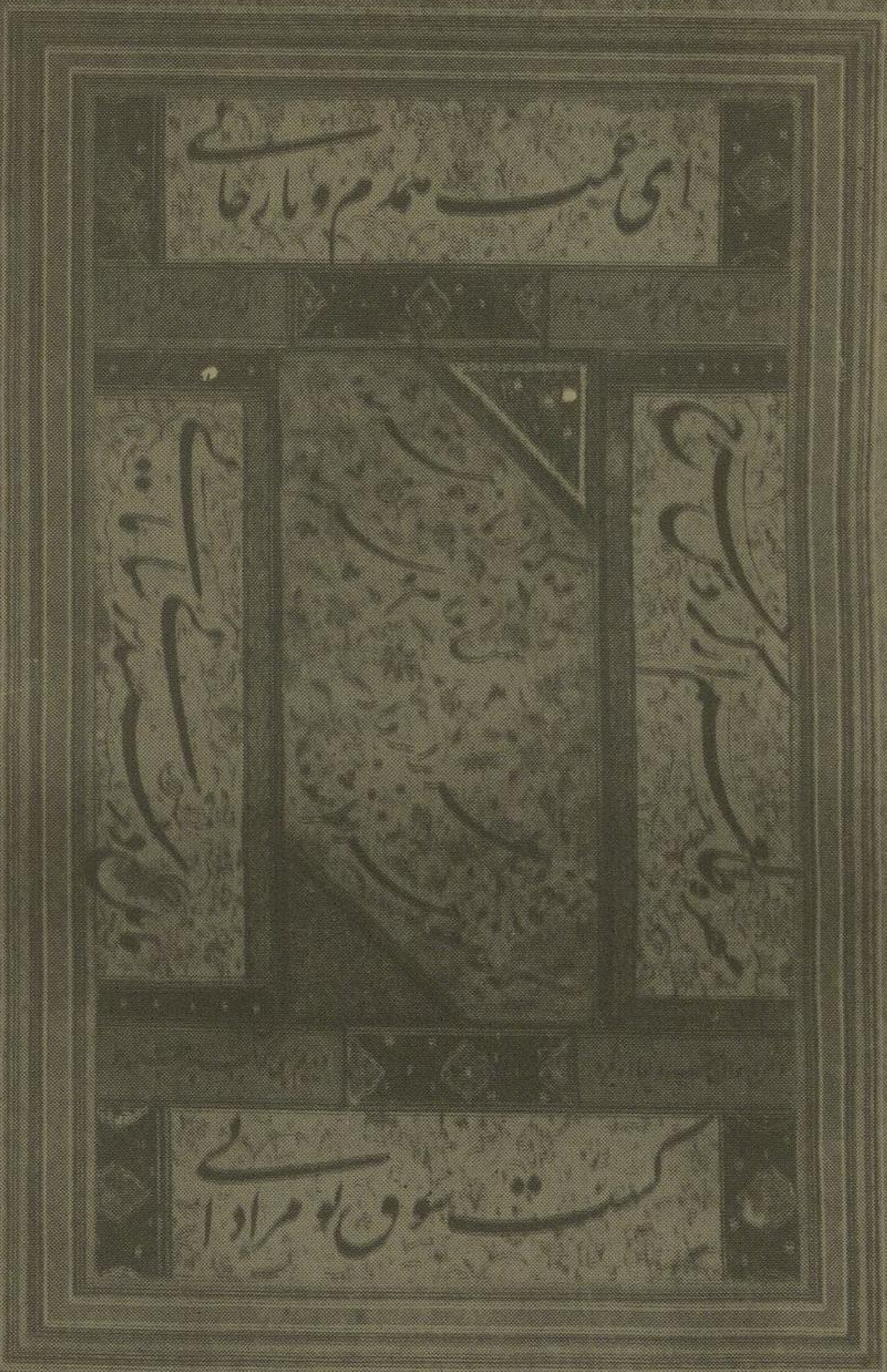


مصنفہ — ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی عفی عنہ

عبدالرحمٰن چغتائی

12 July 1927

سرگذشت خط نستعلیق



مصنفہ:- ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی مرحوم

فہرست نمونہ جات

نمبر	نمونہ	صفحہ
١	سرورق سہ گذشت نستعلیق	١
٢	انجاری رسالہ سراط السطور	١١
٣	کلیات خواجہ کرمانی	١٥
٤	نمونہ خط سلطان علی مشہدی	٢٥
٥	میر علی بخارا	٦٧
٦	پیر محمد	١٥٨
٧	عبدالرشید الدیلمی	١٨٨
٤٨	عماد الحسینی	
٧٢	محمد حسین واماندی	
٢	یاقوت المستعصمی	
٣	خط تعلیق	
٥	خط مولانا جعفر تبریزی	
٦-٧	خط مولانا اظہر	
٨	خط مولانا اظہر	
٩	خط مولانا سلطان علی مشہدی	
١٠	نمونہ خط مولانا سلطان علی مشہدی	
١٢	نمونہ فن سلطان علی مشہدی میر علی و بہزاد	
١١	خمسہ نظامی سلطان علی مشہدی	
١٣	سلطان علی مورخہ ٩٢١ھ	
١٤	تیمور نامہ: ابتدائی صفحہ مغل عہد اکبر	
١٥	تیمور نامہ: آخر صفحہ شیر علی	
١٧	نمونہ مالک دیلمی ٩٧٠ھ	
١٩	محمود نیشاپوری	
٢٠	محمود نیشاپوری	
٢١	تصویر: میر علی نیشاپوری	
٢٢	نمونہ خط: درویش محمد بن امیر سرخ ٨٩٦ھ	
٦٨	نمونہ خط عبداللطیف رباعیات عمر خیام ١٠٣٣ھ	
٢٧-٢٨	امین الدین محمود ٩٠٤ھ یاری مذہب	
٢٤-٢٦	سلطان محمد خنداں (دیوان)	
٢٩	سلطان محمد نور	
٣٠	محمد ابریشمی المشہدی ٩٢٩ھ	
٣١	خط میر علی	
٣٢	سلطان حسین	
٣٣	میر علی: حبیب اللہ	
٣٤	میر علی	

نمبر	نمونہ
٣٥-٣٧	میر علی قطعات
٣٨	میر علی برائے فرزند خود سید محمد باقر
٣٩	محمد باقر بن میر علی
٤٠	جواہر رقم
٤١	محمد امین المشہدی
٤٢	زریں قلم
٤٣	احمد الحسینی
٤٤	محمد حسین تبریزی
٤٥	جمال المشہدی
٤٦	کتبہ قوسی
٤٧	محمد رضا التبریزی
٤٩	سلطان بایزید دوری
٥٠	کاتب الملک
٥١	امیر الکاتب ٩٧٧ھ
٥٢	سلطان محمد بن دوست محمد ٩٧٧ھ
٥٣	عماد الحسینی
٥٤	تعلیقہ رزم نامہ: عنایت اللہ
٥٥	تعلیقہ کا حصہ
٥٦	محمد حسین زریں قلم
٥٧	عبدالرحیم ندیم
٥٨	عبدالرحیم الہروی عنبریں قلم
٥٩	عبداللہ مشکیں قلم
٦٠	درویش علی (سندھ)
٦١	عبدالغفور ١٠٥٦ھ (سندھ)
٦٢	مسجد: دل کشا
٦٣	معصوم بھکری
٦٤	نمونہ خط ١٠٠٩ھ
٦٥	خط سید رحمت اللہ بلہری
٦٦	درویش محمد رمزی
٦٧	محمد حسین کاتب - ایوان اکملی
٦٨	کتبات مسجد وزیر خاں
٦٩	کتبات مسجد وزیر خاں
٧١	مہر عبدالرشید دیلمی
٧٢	عرضداشت: رشید دیلمی

فہرست مطالب کتاب

عنوان	
فہرست عنوانات	۲
فہرست نمونہ جات	۳
مقدمہ کتاب	۵
اسلامی خط	۷
طرز نسخ و تعلیق	۹
طرزِ نستعلیق کا آغاز	۱۰
خطِ نستعلیق کا جمالیاتی پہلو	۱۷
طرزِ نستعلیق کے اساتذہ جعفر اظہر	۱۸
مولانا سلطان علی مشہدی	۲۴
سلطان علی کے معاصر خطاط	۴۰
شیخ بایزید پورانی، جمال الدین بخو، شبر علی کاتب سلطان علی مالک دیلمی مولانا اکبر، جمال الدین شیرازی، شہزادہ ابراہیم، مرزا مخدوم شریعتی، میر صدر الدین محمد، مرزا اشرف جہاں، احمد قمی، عبد الرحمٰن خوارزمی، مرزا جیب ابراہیم عبد الرحمٰن امینی، عبد الکریم، عبد الرحیم امینی، محمد قاسم شادی شاہ، محمد حسین باخرزی، میر عضد بخاری، ملا سلطان اسد علی کرمانی، محمد کرمانی، عبد الرحیم رستمی، عبد الکریم خوارزمی، شیر علی مشہدی، شیخ امامی، شیخ محمد امامی، شیخ محمود نیشاپوری، عہدی نیشاپوری علی الحسینی، محمود بن حسین نیشاپوری، ملا نظام بدر نیشاپوری، محمود ہروی، ملا حاجی، خواجہ ابو القاسم ولد شہاب احمد خوافی درویش علی مراد، شیر نوابی درویش محمد بن امیر سرخ امین، شیخ محمد اسحٰق	۵۴
طرزِ نستعلیق کی مقبولیت	۵۴
سلطان علی مشہدی کا سلسلۂ تلمذ	۶۳
علاؤ الدین۔ سلطان محمد۔ سلطان محمد خنداں۔ زین الدین محمود، سلطان محمد نور، محمد ابریشمی، پیر علی جامی، قاسم شادی شاہ، عبدی نیشاپوری شاہ محمود نیشاپوری۔ میر عبد اللہ کاشانی۔ رستم علی خراسانی۔ غیاث الدین محمد مذہب، محمد سرقستانی مقصود علی۔ جلال الدین محمود۔ شیخ نور الدین پورانی عبد الواحد مشہدی شمس الدین محمد کرمانی، جمشید یغمائی، عبد الصمد، علاؤ الدین محمد، یاری شیرازی۔	
میر علی ہروی کاتب	۶۴
میر علی ہروی بخارا میں	۶۸
میر علی کے فنی کارنامے	۷۳
میر علی کی وفات	۷۴
میر علی کے تلامذہ	۷۵
خواجہ اسحاق شہابی	۷۶
سید احمد الحسینی	۷۷
میر حسین چشتی	۷۸
علی رضا تبریزی	۷۹
بابا شاہ اصفہانی	۸۱
سیاسی انقلاب و طرز نستعلیق	۸۲
میر علی کی روایات	۸۴
محمد حسین تبریزی	۸۷
میر عماد الحسینی سیفی	۸۸
پاک و ہند میں خطِ اسلامی	۹۳
دکن میں سلطنتِ بہمنیہ	۹۴
عادل شاہی دربار	۹۵
بابر و ہمایوں۔ قیام سلطنت مغلیہ	۱۰۱
شہاب المعمائی الهروی	۱۰۳
عروجِ عہدِ مغلیہ	۱۰۶
مرقع اکبر	۱۰۹
آگرہ فتح پور سیکری	۱۱۳
اشرف خاں کاتب	۱۱۴
سندھ میں خطِ نستعلیق	۱۱۷
شیخ میر محمد پورانی۔ عبد الوہاب	۱۱۹
محمد معصوم بھکری	۱۲۳
ملتان میں خطِ نستعلیق	۱۲۶
خطِ نستعلیق لاہور میں	۱۲۷
سلطان بایزید دوری	۱۳۰
عنایت اللہ شیرازی	۱۳۴
عہد اکبری کتاب کی تصاویر	۱۳۹
محمد حسین زریں قلم کشمیری	۱۴۰
عبد الرحیم قدیم	۱۴۴
عبد الرحیم الهروی	۱۴۶
عبد الرحیم نام کے دیگر کاتب	۱۵۰
ایران ان کے ماہرین	۱۵۴
میر محمد میر علی	۱۵۷
کاتب پیر محمد	۱۵۹
ملا موزون	۱۶۰
کتابہ نویس سلطان محمد	۱۶۰
درویش محمد الحاجی	۱۶۱
عبد الرحیم ناگوری و جان محمد	۱۶۲
عہدِ اکبر کے چند گمنام کاتب	۱۶۳
کشمیر میں اسلامی خط	۱۶۵
شاہی کتاب خانہ میں مخطوطات	۱۶۸
شاہانہ سرپرستی بعہدِ جہانگیر	۱۷۱
ایرانی اساتذہ کی قدردانی	۱۷۵
عبد اللہ الحسینی	۱۷۶
کاتب عبد اللہ	۱۷۹
کاتب شریف	۱۸۱
نستعلیق خط بعہدِ شاہجہاں	۱۸۴
حکیم کاشی	۱۸۴
رشید دیلمی	۱۸۷
میر محمد صالح و میر مومن	۱۹۱
محمد مراد کشمیری شیریں قلم	۱۹۲
میر محمد شریف	۱۹۳
خاندان مولانا منیر لاہوری	۱۹۵
نستعلیق خط بعہد اورنگ زیب	۱۹۶
نتیجہ	۱۹۹

ناشر، مصنّف کتاب ہٰذا
ڈاکٹر محمّد عبداللہ چغتائی

ایورگرین پریس لاہور میں طبع ہوئی
ٹائیٹل : حافظ محمد یوسف سدیدی

شائع کردہ
کتاب خانہ نورس
کبیر سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

قیمت : 33.00

مقدمہ

اسلامی خط کی سرگزشت ابتدا ہی سے نہایت دلچسپ ہے جس کی انفرادیت آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے مسلّم ہے ، مسلمان جہاں بھی آباد ہوئے یہ اسلامی خط بھی ان کے ہمراہ رہا۔ مسلمانوں نے دوسری اقوام کے کسی قسم کے خط کا اثر قبول نہیں کیا۔ اس امر کو اس طرح سمجھنا بہتر ہوگا کہ اسلامی خط بھی مذہب اسلام کی طرح امتیاز رکھتا ہے چونکہ مسلمانوں کا قرآن عربی زبان میں ہے جسے ہر مسلمان پڑھنا اپنا فرض وایمانی سمجھتا ہے۔ کیونکہ قرآنی خط بھی مسلمانوں کی ہمہ گیر اخوت کا خاص سبب بن گیا ہے۔

خط کے ماہر مورخین نے لکھا ہے کہ "لاطینی حروف ہجا کے بعد عربی رسم الخط نہایت وسیع پیمانے پر اپنے حروف ہجا میں استعمال ہوا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی فتوحات نے مذہب اسلام اور قرآن کریم کی عربی زبان اور عربی رسم الخط کو عربستان سے لے کر بحرا ٹلانٹک تک عظیم الشان وسعت دی بلکہ عربی رسم الخط عربی زبان کے حدود سے بھی آگے تک پھیل گیا اور بڑی آسانی سے ایران ، وسط ایشیا اور افریقہ میں رائج ہوگیا۔ عربی رسم الخط یا عربی حروف ہجا نے عام طور پر قبطی اور سریانی حروف ہجا کو تمام مشرق وسطیٰ سے باہر نکال دیا۔ اگرچہ عربی رسم الخط بذات خود بھی ان السنہ سے کسی نہ کسی حد تک مشتق ہے۔ کیونکہ اسے لغوی طور پر بہت وسعت حاصل ہے اور اس کی صرف ونحو میں بھی بہت وسعت اور تنوع ہے۔ بعض محققین کے نزدیک یہ رسم الخط چوتھی صدی عیسوی میں صورت پذیر ہوا۔ کیونکہ قدیم ترین عربی رسم الخط کا نمونہ سہ لسانی کتبہ ۵۱۲ء آج برائے مطالعہ میسر ہے ، اگرچہ اس کا صحیح تجزیہ ابھی تک نہیں ہوسکا۔ عربی رسم الخط میں بعض مقاماتی خصوصیات بھی ضرور پیدا ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ ابن ندیم بغدادی (متوفیٰ ۳۷۸ھ) نے مکی ومدنی دو طرزیں بتائی ہیں۔ جس طرح عربوں نے خط میں کوفی اور بصری دو طرزیں شمار کی ہیں (۱)

اگرچہ ہر قوم ومذہب کے ہاں اپنا اپنا ذریعہ گفتگو اور اپنا اپنا رسم الخط بھی تھا۔ لیکن یہ رسم الخط، اسلامی خط کی طرح نہ تھا۔ یعنی ان کے حروف تہجی بالکل مختلف تھے۔ اسلامی خط کو ابتدا ہی سے ایک خاص موزونیت اور خوبصورتی کی وجہ سے انفرادیت حاصل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی خط کے لکھنے والے ماہرین ابتدا ہی سے کافی مشہور اور نامور ہوئے ہیں۔ جن کو ہم آج اعلیٰ خطاط یا فن کار کی حیثیت سے اپنی تاریخ وثقافت میں جگہ دیتے ہیں ان فن کاروں نے مختلف ادوار میں خط میں اختراعات کیں اور ان کی وجہ سے خط اسلامی کے مختلف نام یا

---

(۱) ڈرنگر : رائٹنگ ص ۱۴۰ تا ۱۴۴

طرزیں یا قلمیں بھی قرار پاگئیں۔ خط اسلامی کا ابتدائی مقام کوفہ یا اس کا گرد و نواح تھا[1] اس وجہ سے وہاں لکھے جانے والے خط کو مقام کی نسبت سے خط کوفی کہا گیا۔ پھر اسی خط کوفی کا نمایاں حسین ثقافتی، روپ اس طرح بھی جلد رونما ہوا کہ آیات قرآنی اور احادیث یا دیگر تحریروں کو بطور زیب و زینت عمارتی کتبات میں بغیر کسی خاص مقام یا طرز کی قید کے محض جمالیاتی پہلو کو مدنظر رکھ کر لکھا جانے لگا۔ فن کاروں نے خط کے اس جمالیاتی اظہار میں وہ جدتیں فن کتابت میں دکھائی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ان تحریروں کے ہمراہ تاریخ بنا، بنانے والے کا نام کاتب کا اپنا نام بھی اسی طرح درج کیا ہے، جس طرح قلمی نسخوں کے ترقیموں کو لکھا جاتا ہے۔ اس سے ان کی تاریخی حیثیت میں مزید اضافہ ہوا ہے

اس تالیف میں اسلامی خطاطی کی طرز نستعلیق کی مختصر سرگزشت ہے جس کی ابتدا آٹھویں صدی ہجری کے آخیر سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے عہد ۱۱۱۸ھ تک پیش کی گئی ہے۔ اس میں توران، ایران، عراق عجم اور پاک و ہند میں خط نستعلیق کا ارتقا اور رواج بیان کیا ہے اور ساتھ ساتھ مشہور ماہرین خطاط اور ان کے کارناموں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

جس سے واضح ہوگا کہ اس طرز خط اسلامی کی وجہ سے یہ تمام ممالک جغرافیائی

حدود کے باوجود ایک ہی سلسلۂ اخوت میں بھی منسلک ہیں

اس تحقیقی مقالہ بعنوان سرگزشت خط نستعلیق، کو پہلی مرتبہ پاکستان کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے اس طرز کو آج عام مقبولیت حاصل ہے، ویسے یہ نستعلیق طرز لکھنے والوں کا مکمل تذکرہ بھی نہیں ہے البتہ تاریخی ترتیب کو قائم رکھا گیا ہے، موضوع اور افادیت کے لحاظ سے بعض نمونوں کو مختلف مجموعوں سے شکریہ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے، ڈاکٹر مہدی بیانی ایرانی مرحوم کی تصنیف کتاب احوال و آثار خوش نویسان نستعلیق نویسان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، اس علمی خدمت کی کتابت میں حافظ محمد یوسف سدیدی اور ان کے رفیق محمد الیاس شکریہ کے مستحق ہیں، رنگین سرورق کے لئے مکتبہ میونک جرمنی اور اس کی طباعت کے لئے قبلہ سید بابر علی اور ادارہ پیکجز لمیٹڈ لاہور کا تہ دل سے میں ممنون ہوں۔

۱۵ الف گلبرگ (۱۱) لاہور — احقر العباد محمد عبداللہ چغتائی

۲۷، رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ / ۲۷ دسمبر ۱۹۷۰ء

۱۔ فتوح البلدان مصنفہ احمد بن یحییٰ بلاذری۔ متوفیٰ ۲۷۹ھ، قاہرہ ۱۹۰۱ء ص ۲۷۴ بحث "خط"، ۲۔ ابن ندیم، الفہرست، مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ ص ۶، ۸

اسلامی خط

"خطِ نستعلیق کی سرگزشت" کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مختصر طور پر پہلے خط اسلامی کا ارتقار بیان کر دیا جائے تاکہ تاریخی حیثیت سے اس خط کا مقام و ماحول سمجھنے میں سہولت ہو۔

سورۃ یوسف کی مندرجہ ذیل آیت

انّا انزلناہ قرآناً عربیاً لعلّکم تعقلون (۱۲ - ۲)

تحقیق ہم نے یہ قرآن عربی میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اسی سے واضح ہے کہ عربی زبان محض خطہ عرب تک محدود نہ تھی بلکہ تمام عالم کیلئے مقصود تھی، چنانچہ فاتحین اسلام اپنی اس عربی آسمانی کتاب، قرآن کریم کو لے کر تمام دنیا میں پھیل گئے۔ اس طرح عربی رسم الخط کو ان تمام ممالک میں بھی رائج ہونے کا وسیع موقع ملا جن کی زبان عربی نہ تھی۔

اسلام میں زبان کے ارتقار، اور اس کی ترویج میں عربی زبان کا بہت دلچسپ اور اہم مقام ہے۔ سب سے اوّل حضرت عثمان، خلیفہ سوم نے قرآن کریم کو قریش کے لب و لہجے پر مرتب کیا اور یہ پہلا مرحلہ تھا جب کہ خاص طور پر قرآن کے رسم الخط کو اپنے ماحول کے مطابق ڈھالا گیا[۱]۔ اس کے بعد حضرت عثمان کے اس نسخے کی نقلیں تیار کر کے مختلف سمت ارسال کی گئیں، اس طرح اسلامی رسم الخط کی یہی صورت تمام دنیائے اسلام میں رائج ہوگئی۔ ابن ندیم[۲] (۳۸۰ھ) نے اس موضوع پر بہت بحث کی ہے۔ اس رسم الخط کی ترویج و اشاعت

۱: قرآن کریم "اُم الکتاب" از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔ ہفت روزہ جہاں نما، لاہور ۲۱ فروری ۱۹۶۸ء جس میں تمام مستند کتب، احادیث اور تاریخ سے استفادہ کیا گیا مگر کتاب "الفہرست" کا مطالعہ لازمی ہے

۲- الفہرست۔ ابن ندیم۔ ص ۹، ۱۵۔

کے لئے بے شمار کاتب بھی میسر آگئے۔ اس سلسلے کے فن کار محض کاتب ہی نہ تھے بلکہ قرآن کے متن کو مزین اور مطلا اور مجلی کرنے والے بے شمار لوگ بھی مہیا ہو گئے۔

ان میں الیقطینی ابراہیم الصغیر۔ ابوموسیٰ بن عمار السقطی، محمد بن محمد ابوعبداللہ الخزاعی اور ان کی اولاد بھی شامل ہے۔ ان ابتدائی کاتبوں کے کارنامے آج بھی محفوظ ہیں۔ ان میں اکثر لکھنے والے قرآن کے حافظ ہوتے تھے۔ وہ اسے لکھنا توشۂ آخرت تصور کرتے تھے۔

اس طرح خط اسلامی کا ارتقا ہوتا رہا چوتھی صدی ہجری کی ابتدا میں خلفائے بنوعباس کے مشہور وزیر ابن مقلہ متوفیٰ ۳۲۸ھ نے خط کوفی کو خط المنسوب، سے بدل دیا۔ اس نے لکھنے کے اصول وقواعد وضع کئے۔ ابن مقلہ کے تلامذہ یا اس کی روش کو اختیار کرنے والوں میں سے ابوالحسن علی بن ہلال المشہور بہ ابن بواب متوفیٰ ۴۱۲ھ نے اس خط المنسوب کو خوب فروغ دیا۔ یاقوت مستعصمی متوفیٰ ۶۹۸ھ نے اس روش کو بصورت خط نسخ مزید مستقل کر دیا اور یاقوت کے تلامذہ میں سے چھ ماہرین نے جن کے ناموں میں اختلاف ہے یعنی ان میں خواجہ عبداللہ السیرانی۔ عبداللہ ارغون الکاملی۔ عبداللہ صراف۔ یحییٰ صوفی۔ شیخ احمد سہروردی۔ مبارک شاہ صوفی و مبارک شاہ قطب و اسداللہ کرمانی کے نام لئے جاتے ہیں۔ انھوں نے یاقوت مستعصمی کی طرز نسخ، کو خوب فروغ دیا[۱]۔ اور اس طرح دنیا میں طرز 'نسخ' بحیثیت خط اسلامی مستقل صورت میں رائج ہو گیا۔

عام طور خط کی طرزوں میں: کوفی، المنسوب، نسخ، تعلیق، رقاع، ریحان، طغریٰ، ثلث، نستعلیق شکستہ وغیرہ بیان کی جاتی ہیں جو مختلف ادوار میں مختلف حالات کے تحت معرض وجود میں آئیں اور ان کے لکھنے والے ماہرین ان کی نسبت سے مشہور ہوئے (شکل ۱) [۲]

۱۔ فہرست ابن ندیم ص۷

۲۔ یہ پلیٹ نواب سالار جنگ لائبریری۔ حیدرآباد۔ دکن سے حاصل کیا گیا ہے۔ اسے حاجی محمد جابر قریشی کاتب نے ۱۲۷۷ھ میں تیار کیا۔

ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ مندرجہ بالا سطور میں خط اسلامی کا ارتقا آٹھویں صدی ہجری کے آخیر تک بیان کیا ہے۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ فارسی زبان کے فروغ کے باعث اسے اسلامی خط میں لکھنے کی غرض سے مختلف نہج پر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی رہی جب کہ ہر دو زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کی حرف و نحو الگ الگ ہے اس ضمن میں کتاب المعجم فی معائر اشعار العجم تصنیف قیس رازی (۶۴۹ھ) کا مطالعہ ضروری ہے اور اس طرح خط میں ایک خاص تبدیلی کی طرف رجحان ابتداء سے ہوا بلکہ بعض حروف کا جو رفارسی میں کسی قدر مختلف بھی ہے۔

طرز نسخ و تعلیق

اسلامی خط کی مختلف طرزوں کے رواج کا صحیح زمانہ متعین کرنا اور ان کے صحیح موجد یا اولین ماہرین کو پیش کرنا یا ان طرزوں کا جغرافیہ بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خط کو ہر ایک ماہر خطاط نے اپنے انفرادی نہج پر لکھا اور پھر یہ خط انہی کی نسبت سے مشہور ہو گیا۔ یہ طرزیں زیادہ تر عراق عجم و توران میں ہی رونما ہوئیں۔ زیر بحث طرز نستعلیق دراصل دو طرزوں 'نسخ' اور 'تعلیق' کی ترکیب سے نستعلیق کہلاتی ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم نسخ اور تعلیق کے بعد نستعلیق کا تعین کر لیں۔ کیونکہ عام طور پر عرب و عجم میں عربی عبارت جس طرز میں لکھی جاتی تھی اسے نسخ کا نام گیا ہے اور اسی خط میں ذرا حروف کے دوائر کو دوسرے حرف کی کشش اور دائرے کو ملا کر لکھنے کو تعلیق کا نام دیا گیا ہے، یہ تو ہم جانتے ہیں کہ اعلیٰ خط نسخ یا قوت مستعصمی (۶۹۸ھ) نے رائج کیا اس کے چھ ماہر متبعین نے لکھا۔ ان سے بعض عجمیوں نے یہ خط لکھنا سیکھا، جنھوں نے اپنے رسم الخط نسخ میں کچھ مزید اختراعات کیں جنھیں ماہرین نے تعلیق کہا ہے۔ یہ عمل ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے مابین ہوا۔ چنانچہ دوست محمد کتابدار میرزا بہرام صفوی کے دیباچہ مرقع میرزا بہرام نے جسے ہم نے "حالات ہنروراں" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مندرجہ ذیل بیان پیش کرتے ہیں جو خط تعلیق کے موجد پر روشنی ڈالتا ہے[1]:

"عالی جناب افاضل پناہ معانی دستگاہ، معارف انتباہ خواجہ شہاب الدین عبداللہ بیانی خط اصول را پیش جناب عبداللہ طباخ نوشتہ اند و خط تعلیق را از خط خواجہ تاج الدین سلمانی مشق فرمودہ اند۔ زبان قلم در بیان فضائل ایشاں قاصر است۔ و حضرت خواجہ تاج الدین سلمانی کہ واضع

۱۔ حالات ہنروراں۔ "مقدمہ مرقع بہرام مرزا" از دوست محمد مرتبہ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی لاہور ۱۹۳۶ ص ۱۴

اساس خط تعلیق اند و تدوین و اختراع ایں وضع فرمودہ اند و در فن انشا نیز پسندیدہ روزگار خود اند و بعد از او مولانا عبدالحی منشی کہ ایں فن را تکمیل دادہ اند و منشی بادشاہ سعید سلطان ابوسعید بودہ اند "

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس سے خط تعلیق زمانہ اور اس کے اولین ماہرین کا تعین ہو جاتا ہے ۔ یعنے مولانا تاج الدین سلمانی و منشی عبدالحی ماہرین تھے اور بزمانہ سلطان ابوسعید (۸۷۲ھ) یہ طرز خط عروج پر تھا ہم یہاں ہر دو نسخ و تعلیق خط کے نمونے پیش کرتے ہیں ۔ (شکل ۲ و ۳)

شکل ۲ ۔ از یاقوت مستعصمی : کتبھا یاقوت المستعصمی فی شہور سنہ ثلث وتسعین وستمائۃ شکل ۳ نمونہ تعلیق منشآت خواجہ اختیار : فی مشہور سنہ ۹۷۰ حررہ الفقیر الحقیر اختیار منشی یہ نمونے "نمونہ خطوط خوشس کتابخانہ شاہنشاہ ایران" ص ۳۲ و ص ۱۱۳ سے لئے گئے ہیں ۔

طرز نستعلیق کا آغاز

ماہرین فن اور مورخین نے استادان خط نستعلیق کا بیان عام طور پر آٹھویں صدی ہجری کے اختتام سے شروع کیا ہے ۔ دوست محمد لکھتے ہیں ۲ :

"مخترع خط نستعلیق حضرت استادی قبلۃ الکتابی خواجہ ظہیر الدین میر علی تبریزی بودہ اند و انتساب ایں سلسلہ تجاوز دادہ بدیگرے نمی تواں رسانید و خواجہ عبداللہ ولد ارجمند مشار الیہ است و در حسن خط مشار الیہ

بمشابہ ایست کہ خط او را ماہراں زماں از خط والد بزرگوارش فرق نمی توانند کرد ــــ"

بعض محققین کے نزدیک خط نستعلیق جو خط کی دو طرزوں یعنے نسخ اور تعلیق سے مرکب ہے ، پہلے ہی موجود تھا ۔

جیسا کہ ابوالفضل نے لکھا ہے ۱

"در زمان صاحب قرآن خواجہ میر علی تبریزی از نسخ و تعلیق بر گرفت وایں باور نشود ۔ چرا کہ نستعلیق را بہا بنظر در آمد ، کم پیش از زمان حضرت صاحب قرآن نگاشتہ بودند "

۱ ۔ ایضاً ص ۱۵
۲ ۔ آئین اکبری ، مطبع بلاخان ، کلکتہ ، ۱۸۶۸ ، ص ۱۱۴ ۔

تا محرف کنی خطا باشد	تو سقط کنی روا باشد
تا صدای قط قلم شنوی	غافل از قط آن قلم نشوی
که صدای قط قلم نکوست	بی صدا قط بی لطافت است

در تجربهٔ قلم

گاه تا چون قلم تراشیدی	ناخنک بر پشت خامه مالیدی
آن قلم را به نقطه تجربه کن	بشنو این حرف نو ز یکمن
از قلم نقطه چون درست آید	خوش نویسی اگر کنی شاید

در بیان واضع نسخ تعلیق

نسخ تعلیق اگر خفی و جلیست	واضع الاصل خواجه میر علیست
نسبتش بوده با علی ازلی	نسبتش نیز میرسید علی
تا که بودست عالم و آدم	هرگز این خط نبوده در عالم
وضع فرموده او ز ذهن دقیق	از خط نسخ و از خط تعلیق

یعنی بقول ابوالفضل خط کی طرز نستعلیق اس سے بھی قبل موجود تھی جس وجہ سے ذرا مزید تحقیق کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے مگر ہمارے نزدیک یہ محض عربی اور فارسی عبارت میں تمیز کرنے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا ڈاکٹر ہورنل نے فارسی زبان میں لکھا ہوا ایک قدیم قبالہ نامہ زمین بصورت کتبہ دریافت کیا جو بالکل طرز نستعلیق پر لکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر مارگولیتھ نے اس میں لکھا ہوا ۱۰۴ھ (۱۰۰۰ء) سال پڑھا تھا اور اپنے مضمون کو ۱۹۰۵ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے رسالہ میں طبع کر دیا تھا۱۔ بلکہ بعض کے نزدیک اس سے بھی قبل کے نمونے ملتے ہیں۔ بہرکیف آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر یہ طرز بنام نستعلیق مشہور ہوگئی تھی اور کاتب خواجہ میر علی تبریزی کو مسلمہ طور پر اس کا موجد تسلیم کیا گیا ہے جو اس وقت بغداد میں سلطان احمد جلائر کے دربار کا کاتب تھا۲ حسن اتفاق سے میر علی تبریزی کا نمونہ کتابت بھی اس کے اپنے دستخط سے ہمیں میسر ہے۔

میر علی تبریزی کو عام طور پر قدوۃ الکتاب واضع خط نستعلیق اور مشاہیر فضلا عہد تیمور میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ شخص حافظ قرآن تھا اور شاعر بھی تھا۔ رفیع الشان اساتذہ آپ سے تعلیم خط حاصل کر کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے اور خط اسلامی کو ہر رنگ میں بلکہ ہفت قلم میں لکھتا تھا۔ سلطان علی مشہدی نے اپنے رسالہ صراط السطور میں کہا ہے ۳

نسخ تعلیق اگر خفی و جلی است	واضع الاصل خواجہ میر علی است
حبش بودہ با علی ازلی	نسبتش نیز میرسد بہ علی
تاکہ بودست عالم و آدم	ہرگز ایں خط نبودہ در عالم
وضع فرمودہ او ز ذہن دقیق	از خط نسخ و از خط تعلیق

۱- (۱) آئین اکبری ص۱۱۴ و رسالہ سوسائٹی ۱۹۰۵ء

۲- ڈاکٹر شیرین بیانی، "تاریخ آل جلائر"۔ طہران۔ ۱۳۴۵ش۔ ص ۳۳۴ و ص ۳۴۴، (۳) صراط السطور از سلطان علی مشہدی مرتبہ حکیم شمس اللہ قادری، حیدرآباد دکن، ص ۲۳۔

بدمقام بجمع ، الافضال ‌ ‌ ‌ شیخ شیریں مقال شیخ کمال
آنکہ شعرش چو میوہ ہای خجند ‌ ‌ ‌ ہست شیریں تر از نبات و قند

یعنی میر علی نے خط نستعلیق کو ایجاد کیا اور اسی نے قواعد خط نستعلیق مقرر کئے تھے ان اصولوں کے مطابق اس کے خط نستعلیق لکھنے کے بارے میں رسائل بھی ملتے ہیں[۱] سلطان علی مشہدی نے میر علی کا زمانہ بھی اس طرح متعین کر دیا ہے کہ وہ مولانا شیخ کمال خجندی المتوفی ۸۰۳ھ کا معاصر تھا۔ شیخ ابوالفضل نے بھی آئین اکبری میں لکھا ہے کہ وہ سید النسب حضرت علی کی اولاد سے تھے ۲ ۔

حسن اتفاق سے میر علی تبریزی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نستعلیق خط کا نمونہ بصورت مصور مخطوطہ کلیات کمال الدین محمود خواجو کرمانی برٹش میوزیم (Add. 18,113) لنڈن میں موجود ہے ۔ جس میں دو مثنویوں "کمال نامہ" اور "ہمائے ہمایوں" کے اختتام پر دو ترقیمے موجود ہیں ۔ ان میں سے یہ واضح ہے شکل نمبر ۴

"تم الکتاب ـــــ بخواجو الکرمانی ـــــ فی ثامن عشرین جمادی الاول سنۃ ثمان و تسعین و سبعمایۃ الہجریۃ ـــــ علی ید العبد اضعف الناس میر علی بن الیاس التبریزی الباورچی ـــــ بدار السلام بغداد ـــــ حماہا اللہ عن الاضداد ـــــ"

یعنی یہ نسخہ کلیات خواجو کرمانی دراصل بغداد میں سلطان احمد جلائر کے دربار میں اس کی فرمائش پر میر علی نے لکھا ۔ اس سلطان کا عہد ۷۸۴ھ سے لے کر ۸۱۳ھ تک ہے ۔ یہ سلطان بذات خود بھی ہنرمند تھا ۳ ۔ فخری ہروی نے روضۃ السلاطین میں لکھا ہے ۴ :

"ہنرمند بودہ ـــــ و در تصویر و تذہیب و در خاتم بندی نظیر نداشتہ و از خطوط شش قلم را خوب مینوشتہ است و در علم موسیقی و ادوار بے بدل روزگار بودہ است کارہای او درین علم مشہور است ملازم و شاگرد او بسیار بودہ ـــــ"

اتفاق سے یہ نسخہ کلیات خواجو کرمانی مصور بھی ہے ۔ اسے جنید نقاش نے مصنف کتاب جس کا

۱۔ رسالہ میر علی تبریزی ، مرتبہ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی ، لاہور ۱۹۶۹ء (۲) آئین اکبری ، ص ۱۱۴ ۔ (۳) تاریخ آل جلائر ۔ ص ۲۴۴

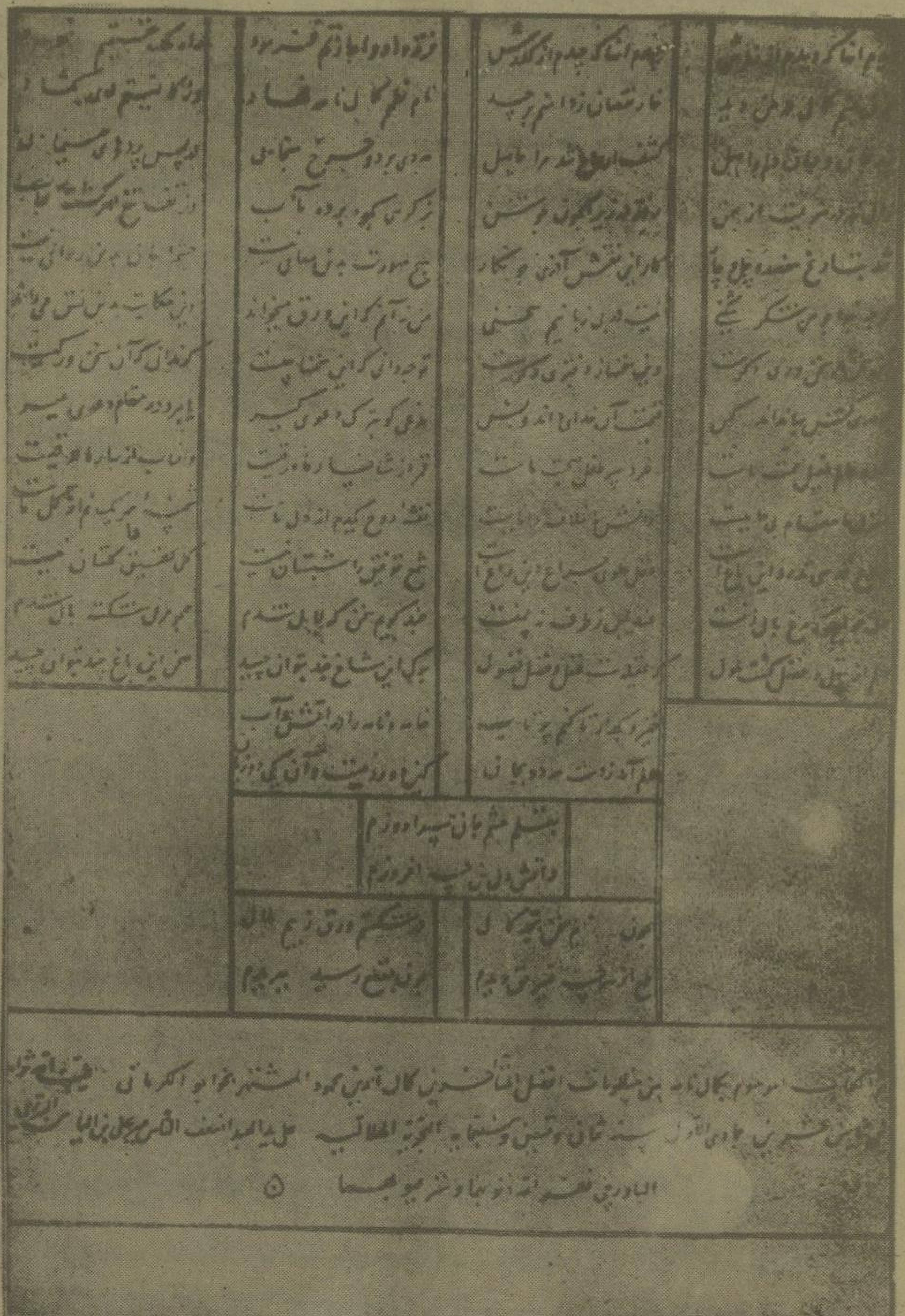
۴۔ روضۃ السلاطین مرتبہ پیر سید حسام الدین راشدی ۔ حیدر آباد (سندھ) ، ص ۶۵ ۔

"ہمایے ہمایوں" کی شادی کی تصویر میں اندرون محل کی ایک کھڑکی پر "عمل جنید نقاش سلطانی" خط نسخ طغریٰ نما میں لکھا ہے ۔ یہ نسخہ کلیات خواجو کرمانی ابوالفتح بہرام مرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی کے کتب خانے میں بھی رہا ہے ۔ اس پر "کتب خانہ شہریار ابوالفتح بہرام جم اقتدار" دائرہ میں لکھا ہے ۔ یعنے یہ نسخہ واقعی بغداد میں سلطان احمد جلائر کے دربار میں تیار ہوا جو اپنے بھائی سلطان حسین کے قتل کے بعد تمام سلطنت کا وارث ہوا تھا مگر اس کا مرکز سلطنت تبریز کے بجائے بغداد تھا ۔ اس نے تیمور کی مخالفت اور مخاصمت کے باوجود سلطنت کو بغداد سے لے کر تبریز تک خوب سنبھالا ۔ جنید نقاش بقول دوست محمد استاد شمس الدین کا تلمیذ تھا ۔ جو سلطان اویس جلائر کے دربار میں مصور تھا۔ اسی طرح استاد شمس الدین کا ایک شاگرد عبدالحیؒ بھی تھا جو اس سے بھی اعلیٰ مرتبہ فن رکھتا تھا ۔ خواجو کرمانی کی کلیات میں یہ ایک طرح اوّل دستخط شدہ مصور نسخہ ہے ۔ اسی طرح سلطان "احمد جلائر کے دیوان فارسی کے اوراق، جو بہت ہی اعلیٰ مطلا اور مذہب ہیں ، آج واشنگٹن میں فریر گیلری میں محفوظ ہیں ۲ ۔ ان کی حاشیہ آرائی نہایت اعلیٰ معیار پر اسی جنید نقاش نے کی تھی ۔ ان پر اگرچہ کاتب کا نام نہیں ملتا کیوں کہ آخیر ورق میسر نہیں ہے ۔ میرے نزدیک اسے بھی اسی میر علی کاتب نے لکھا تھا ۔ ۸۱۳ھ میں سلطان احمد جلائر کا انتقال ہوا جس کے ساتھ جلائر خاندان کا خاتمہ ہوگیا ۔ اسے تبریز میں دفن کیا گیا ۔ سلطان احمد بادشاہ ہو جانے کے فوراً بعد تبریز سے بغداد آگیا تھا اور اپنے ہمراہ وہاں سے خطاط ، مصور اور دیگر فن کار لے آیا تھا ۔ اس نے ان ماہرین فن کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی تھی اور انھوں نے بغداد میں بیٹھ کر جہاں کی ملکی زبان عربی تھی ان فارسی مسودات کو تیار کیا ۔ بغداد میں میر علی کے ہمراہ اس کا لڑکا مولانا میر عبداللہ بھی تھا اور ان کے علاوہ اور ماہرین نستعلیق بھی شامل تھے ۔

محققین کے نزدیک میر علی تبریزی نے طویل عمر پائی ۔ مصنف "شاہد صادق" کے بیان کے مطابق

۱۔ حالات ہنروران ، ص ۱۵

۲ ۔ بنین ۔ ولکنسن ۔ گرے ص۵۴



اس کا انتقال ۸۵۰ھ میں ہوا تھا۔ حسن اتفاق سے مجھے فارسی شعرا کا ایک مجموعہ دواوین دارالکتب مصریہ۔ قاہرہ میں دیکھنے کا موقع ملا۔ اگرچہ اس پر کسی کاتب کا نام نہیں ہے البتہ تاریخ کتابت ۷۹۱ھ لکھی ہے۔ یہ نسخہ ہر اعتبار سے متذکرہ نسخہ ٔ کلیات خواجو کرمانی کی کتابت کے بالکل مشابہ تھا اس لئے میں قیاساً اسے بھی میر علی کا لکھا ہوا تصور کرتا ہوں۔

مورخین نے میر علی کے لڑکے میر عبداللہ تبریزی کو بھی بالاتفاق اعلیٰ خطاط لکھا ہے۔ اس نے یہ تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی اس کے لکھے ہوئے اکثر کارنامے بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا نام ان پر یوں لکھتا تھا[۱]:

"اقل الممالیک العبد عبداللہ بن علی الکاتب السلطانی ختم اللہ الحسنی فی خامس شہر رمضان المبارک سنتہ تسع وثمانمائتہ الھجرۃ بدار السلطنتہ بغداد حمیت عن الاضداد"

متذکرہ بالا بیان سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ میر علی تبریزی مع اپنے اہل وعیال بغداد میں ہی سلطان احمد جلائر کے ہاں دربار سے منسلک رہا اور اسی وجہ سے اس کے نام کے ساتھ لفظ "سلطانی" سے تمیز کر دی گئی ہے جس طرح ہم نے اُوپر جنید نقاش کے نام کے ساتھ لفظ 'سلطانی' بیان کیا ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ بعض لکھنے والوں نے طرز نستعلیق کے اختراع کو ایرانیوں سے منسوب کیا ہے۔ میرے نزدیک اسے اس طرح بیان کرنا بہتر ہوگا کہ زبان فارسی کے ماہرین، خاص کر جن کی اپنی مادری زبان فارسی ہے۔ انھوں نے محض عربی اور فارسی تحریر میں فرق ظاہر کرنے کی غرض سے یہ طریق خط اختیار کیا جبکہ ہر دو زبانوں کی صرف ونحو الگ الگ ہیں اور پھر اسی طرز نستعلیق کو ہی فارسی کیلئے زیادہ موزوں اور مرغوب تصور کر کے اسے اختیار کیا گیا، جس کا سہرا میر علی تبریزی کے سر ہے۔ اس نے اُسے بغداد میں بیٹھ کر لکھا یعنے اس طرز نستعلیق کے اجرا کا محرک بذات خود زبان فارسی ہے جو اگرچہ ایران کی زبان ہے مگر خط کی تمیز اسی کی وجہ سے ہوئی۔ میر علی نے فارسی کی کتابت اس خط میں بغداد میں بیٹھ کر کی، جہاں کی مادری زبان عربی تھی لکھا

۱۔ احوال و آثار خوش نویساں "نستعلیق نویساں"، مرتبہ ڈاکٹر مہدی بیانی، طہران (۱۳۴۸-۱۳۵۴ھ) ص ۳۵۲، ۳۵۳

خط نستعلیق کا جمالیاتی پہلو

خط اسلامی کی طرز نستعلیق کا مختصر تاریخی پس منظر بیان کرنے کے بعد یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس طرز کی فنی، جمالیاتی اور دیگر متمیز پہلوؤں کے متعلق بھی مختصر طور پر بیان کیا جائے تاکہ اس کی اہمیت اور خوبیاں معلوم ہوں۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ نستعلیق بذات خود دو الفاظ "نسخ" اور "تعلیق" کا مرکب ہے جو خط اسلامی کی دو طرزوں کے نام ہیں۔ اول "نسخ" جس میں عام طور پر ہمیشہ شروع سے آج عربی عبارت لکھی جاتی ہے اور دوم تعلیق ذرا شکستہ طرز کے مشابہ ہے۔ اس میں الفاظ و حروف زیادہ تر ایک دوسرے سے مربوط اور متصل ہوتے ہیں۔ جس سے اس میں ایک منظومیت پیدا ہو جاتی ہے مگر اس کا عام طور پڑھنا ذرا دشوار ہے۔ ان ہر دو طرزوں کے برعکس طرز نستعلیق میں ہر حرف کے لکھنے کے لئے ایک خاص اصول اور گرد و نواح کی پابندی لازمی ہے۔ ورنہ یہ سب عمل بے ربط ہو جائے گا، یعنی تختی یا کاغذ پر متوازی مساوی الفاصلہ لکیریں کھینچ کر ہر حرف کو لکھا جاتا ہے اور ان اصولوں کا پابند ہونا پڑتا ہے اس سے ہر حرف خود بخود صاف اور متمیز صورت میں اپنے مقام پر بصورت دائرہ، مد، کشش وغیرہ اپنی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یہی اصول آج بھی رائج ہے بلکہ یہاں سکولوں میں عام طور پر سلیٹ کاپیاں خط نستعلیق کی مشق کی اول تین جماعتوں میں باقاعدہ لکھائی جاتی رہی ہیں تاکہ ہر شخص لکھنے والا ان اصولوں کا پابند رہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ابتدا میں عباسیہ دور میں ابن مقلہ متوفی ۳۲۸ھ نے خط نسخ کے لکھنے کے اصول اول مرتبہ وضع کئے تھے جس وجہ سے اس خط کا نام "خط المنسوب" قرار پا گیا تھا۔ اسی طرح اکثر کاتبوں نے "آداب المشق" کے نام سے خود اپنے تجربے کی بنا پر خطاطی پر رسالے بھی لکھے ہیں جن کو آج تک اکثر اساتذہ بطور سند پیش کرتے ہیں۔ اسی اصول سے اسلامی خط نے بذات خود ایک "بین الملی" صورت بھی پیدا کر لی ہے۔ ہم نے یہاں چند نمونے خط نستعلیق از میر علی ہروی اور دوسرے ماہرین کے قلم سے پیش کئے ہیں۔ غرضیکہ ان اصولوں کے تحت خط نستعلیق کو ہمیشہ طرۂ امتیاز حاصل رہا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ خط نستعلیق کے لکھنے کے لئے اساتذہ نے قلم کے تراشنے اور قلم کا قط لگانے کے اصول بھی الگ ہی وضع کئے ہیں۔ مگر یہ امر زیادہ تر فارسی عبارت کے لئے ہی مخصوص رہا اور اسی

لیے نستعلیق طرز کو کسی خاص مقام، شہر یا ملک سے کوئی خصوصیت نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر محققین نے بیان کیا ہے کہ طرز یا قلم نستعلیق میر علی تبریزی سے بہت پہلے بھی موجود تھا جیسا کہ ہم نے اُوپر بیان کیا ہے یعنی فارسی زبان زیادہ تر ادبی کارناموں کی حامل ہے جس طرح عربی زبان زیادہ تر اسلامی علوم کی حامل ہے اسی لئے ان کے لکھنے میں بھی اس طرح خط کے ذریعے فرق کر دیا گیا۔

طرز نستعلیق کے اساتذہ جعفر و اظہر

ہم نے متذکرہ بالا سطور میں میر علی تبریزی اور ان کے لڑکے میر عبداللہ کے خط نستعلیق کے کارناموں کا مختصر ذکر کیا ہے۔ اب ہم ذیل میں ان کے بعد دیگر مشہور اساتذہ نستعلیق کا ذکر کرتے ہیں۔ رسالہ سراط السطور[۱]۔ مصنفہ سلطان علی مشہدی (متوفیٰ ۹۲۶ھ) میں ان ابتدائی خطاطوں کا ذکر بھی ہے۔ جنھوں نے طرز نستعلیق میں میر علی تبریزی کے بعد کی نستعلیق طرز پر اس سے تلمذ کی وجہ سے اس کی روش پر لکھا اور اشاعت کی، چنانچہ یوں ملتا ہے۔

کاتباں کہ کہنہ و نویند — خوشہ چیناں خرمن اویند
مولوی جعفر و دگر اظہر — خوش نویسان اظہر و اطہر

یعنی میر علی تبریزی کے دو مشہور تلامذہ جعفر اور اظہر کو بیان کیا ہے جنھوں نے اوّل اوّل یہ روش اختیار کی۔ اوّل مولانا فریدالدین جعفر تبریزی میر علی کے شاگرد تھے جو مولانا اظہر تبریزی کے استاد تھے اور مرزا بایسنغر بن مرزا شاہ رخ بن امیر تیمور کے کتابدار تھے خوندمیر نے اپنی تاریخ حبیب السیر میں بیان کیا ہے[۲]:

"در تحریر انواع خطوط درجہ کمال حاصل داشت بتخصیص در نسخ تعلیق مولانا اظہر، مولانا شہاب الدین عبداللہ آشپز و مولانا محمود کہ چون ابن مقلہ و صیرفی وقت و یاقوت زمان بودند در شاگردی مولانا جعفر بآں مرتبہ تفاعد نمودند۔۔۔۔۔۔"

۱۔ سراط السطور۔ ص ۳۵ — ۲۔ حبیب السیر، مطبوعہ بمبئی ۱۲۷۳ھ، ج ۳، جز ۱۵۰۳

۳۔ "نمونہ خطوط خوش کتابخانہ شاہنشاہی ایران" مہدی بیانی۔ طہران ۱۹۵۱ء، ۱۶۳۔

حسن اتفاق سے کتابخانہ شاہنشاہ ایران میں ایک مخطوطہ شاہنامہ فردوسی بڑے سائز کا موجود ہے جسے مولانا جعفر نے ۸۳۳ھ میں لکھا تھا۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے ۳:

"قد وقع الفراغ من تحریر ہذا الکتاب الشریف وتسطیر ذلک الرق المنیف باشارۃ الخان بن الخان، سلطان سلاطین العہد والزمان ..... غیاث السلطنۃ والدنیا والدین بایسنغر بہادر سلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ علی ید العبد الضعیف المفتقر الی رحمۃ اللہ الباری جعفر البایسنغری اصلح اللہ احوالہ فی الخامس من جمادی الاولی سنۃ ثلاث وثلاثین ثمانمائۃ ہلالیۃ والحمد اللہ اولاد آخراً۔" (شکل نمبر ۵)

مذکرہ بالا ترقیمہ جو عربی زبان میں ہے حالانکہ یہ ایک نہایت مستند فارسی کے شاہکار مصور نسخہ شاہنامے کے اختتام پر لکھا گیا ہے مگر حسن اتفاق سے جس طرح شاہنامے کا فارسی متن نہایت اعلیٰ طرز نستعلیق میں لکھا اسی طرح یہ عربی ترقیمہ بھی نستعلیق طرز میں ہے۔ یہ تمام مخطوطہ نہایت اعلیٰ مصور، مطلّی و مذہب اور زرفشاں کیا ہوا ہے اس میں بائیس مجالس تصاویر ہیں جو عہد تیموریہ کی مصوری کا نہایت اعلیٰ معیار پیش کرتی ہیں۔ ایک اور بات قابل توجہ یہ ہے کہ خط نستعلیق کا جو نمونہ اس مخطوطے میں ملتا ہے وہ میر علی تبریزی کے مخطوطے کلیات خواجو کرمانی سے بہت ارفع اور معیاری ہے۔ اس کی وجہ محض یہ معلوم ہوتی ہے کہ خط نستعلیق اتنے عرصے میں مزید ترقی کر گیا تھا۔ مولانا جعفر خط کی دیگر طرزوں میں بھی خوب لکھتا تھا۔

مولانا جعفر بن علی تبریزی کے مختصر سوانح حالات صاحب تذکرہ مرزا سنگلاخ کی تحریر کے مطابق یہ ہیں کہ آپ ہرات سے ماوراءالنہر تشریف لے گئے۔ تین سال بلخ میں قیام کرنے کے بعد آپ خوارزم آئے اور ایک سال سمرقند میں رہ کر بعد میں آپ بخارا تشریف لے گئے جہاں آپ کا انتقال ۸۶۰ھ میں یا ۸۶۲ھ میں ہوا۔ آپ کی تربیت شہزادہ بایسنغر بن شاہ رُخ بن تیمور گورمانی نے کی تھی۔ شہزادے کو ہنر اور ہنرمندوں سے خاص انس تھا جیسا کہ مندرجہ بالا ترقیمے شاہنامے سے بھی واضح ہے۔ مولانا جعفر نے بھی فخریہ اپنے نام کے ساتھ آپ سے نسبت کی وجہ سے "بایسنغری" لکھا ہے مگر بعض شواہد سے یہ بھی ملتا ہے کہ بایسنغر کے دربار سے منسلک ہونے سے پیشتر امیر جلال الدین میرانشاہ بن امیر تیمور کے پاس آذربائیجان کے دربار

میں بھی رہا۔ اس کی شہادت ہمیں کتاب خانہ استنبول کی بعض دستاویز سے ملتی ہے۔ بایسنغر کی وفات کے بعد اس کا تعلق مرزا اعلاء الدولہ متوفی ۸۶۳ھ سے بھی رہا۔

مورخین اور تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے کہ کتاب خانہ سلطان بایسنغر میں چالیس خوشنویس اور دیگر ہنرمندان پیوستہ تھے[1]، جن کے سرپرست جعفر تبریزی تھے۔ اس شعبۂ سلطانی میں کتابت، مصوری، خطاطی، وصالی، مجلدی وغیرہ ہنروں میں مشغول تھے اور اس کارخانے سے ان فنون کے نمونے آج محفوظ و میسر ہیں جو آج اس دور کی عکاسی کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ صحافت، وراقت و کتابت کے ایسے ایسے نمونے اس عہد میں تیار ہو سکے کہ آج ہم انھیں اسلامی کتاب سازی اور ثقافت اسلامی کا ایک گراں بہا خزانہ تصور کرتے ہیں۔ ——— یہ کہنا مناسب ہوگا کہ زیبائش کتاب کے ضمن میں اس کے بعد ان سے بہتر نمونے آج تک تیار نہیں ہو سکے۔ اس کے بعد سلطان حسین میرزا بایقرا کا زمانہ آیا جو اپنی ایک الگ شان رکھتا تھا۔ اس پر ہم آگے چل کر سلطان علی مشہدی اور میر علی ہروی کے تحت بیان کریں گے یہ ایک بنیادی زمانہ تھا جس میں ان فنون کی بنا پختہ ہو گئی تھی اور یہ سب تیموری شہزادگان کے جمالیاتی ذوق کا مظہر تھا۔ مولانا جعفر کی خطاطی کے دیگر کارناموں میں ایک نسخہ دیوان اشعار حسن دہلوی، قطعات، دیوان حافظ، گلستان سعدی مثنوی خسرو و شیریں نظامی، قطعات از مرقع عظیم نفیس سلطان یعقوب آق قوینلو، کلیات ہمام تبریزی وغیرہ مختلف کتب خانوں میں محفوظ۔ یہ تمام نسخے ہرات میں ہی لکھے گئے ان کے ترقیموں میں لکھنے کی تاریخ و لکھنے والے کا نام و دیگر اوصاف بھی درج ہیں اور ان میں سے اکثر مخطوطات مصور بھی ہیں

مولانا سلطان علی مشہدی کے متذکرہ بالا اشعار سے واضح ہے کہ میر علی تبریزی کا خوشہ چین مولانا جعفر کے علاوہ مولانا اظہر تبریزی بھی تھا جسے دونوں طرح بیان کیا جاتا ہے۔ کہ یعنے میر علی کا تلمیذ جعفر تھا اور اظہر جعفر کا تلمیذ تھا۔ مگر تاریخی طور پر جب ہم ذرا تلاش کرتے ہیں تو واضح طور پر ملتا ہے کہ مولانا اظہر واقعی مولانا جعفر کا تلمیذ تھا اس نے اپنے وطن تبریز سے ہرات جا کر سلطان ابوسعید بن محمد بن میرانشاہ

۱۔ ڈاکٹر مہدی بیانی نے ان سب سے قریب ۲۵ افراد کے اسما مختلف ماخذ سے تلاش کر لیے جو انھوں نے اپنی تالیف نستعلیق نویساں، میں درج کئے ہیں۔ ان میں اکثر خطاط بھی ہیں ص ۱۱۷ - ۱۱۸

تیموری (۸۵۵ - ۸۷۳ھ) کی ملازمت اختیار کی تھی۔ مگر اس کی خطاطی کے نمونوں سے، جو میسر ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شہزادہ بایسنغر میرزا وسلطان ابراہیم میرزا فرزندان شاہرخ میرزا تیموری اور پیر بوادق قراقوینلو (۸۶۶ - ۸۷۱ھ) کے لئے بھی کتابت کی تھی۔

دوست محمد نے حالات ہنروراں میں بیان کیا ہے (ص ۲۸) کہ مولانا اظہر کتاب خانہ بایسنغر میرزا میں صیغہ کتابت میں مشغول تھا۔ جب اس کا انتقال ۸۳۷ھ میں ہوا۔ اس کا لڑکا علاؤالدولہ میرزا اس کی جگہ جانشین ہوا۔ اس ہنگامے میں میرزا الغ بیگ سمرقند سے خراسان کا عازم ہوا تو علاؤالدولہ مغلوب ہو کر مسخر ہوگیا۔ مولانا شہاب الدین عبداللہ وظہیرالدین اظہر اور دیگر تمام اہل کتاب خانہ کو سایہ گورگانی میں تربیت کے خیال سے سمرقند، لایا گیا اور ان کی خود مصاحبت فرمائی تو ان کو زمانے کی فضیلت کی تاریخ لکھنے پر مامور کیا۔ (بیانی ص ۶۸)

مگر میرزا حبیب اور میرزا سنگلاخ وغیرہ کے بیانات سے ملتا ہے کہ مولانا اظہر ہرات سے یزد آیا اور وہاں سے اس نے کرمان، اصفہان، شیراز، بین النہرین وغیرہ کا بھی سفر کیا اور وہاں سے براستہ خشکی مکہ معظمہ کی زیارت کے لئے گیا اور فریضہ حج سے مشرف ہوا۔ واپسی براستہ حلب ہوئی۔ میرزا سنگلاخ کا بیان ہے کہ اس نے حلب میں شیخ الاسلام کی درخواست پر جامع حلب کے کتبات لکھے تھے۔ حلب سے یہ شخص بیت المقدس آیا جہاں اس کا انتقال ۸۸۰ھ میں ہوا۔ (بیانی، ص ۶۹)

دوست محمد نے مرقع بہرام میرزا صفوی کے ایک صفحے پر ذیل کی عبارت بخط مولانا اظہر نقل کی ہے

"مفردات و مرکبات نسخ تعلیق علی طریق واضع الاصل خواجہ میر علی تغمدہ اللہ بغفرانہ و مخترع الثانی
وہو شیخی وقبلتی مولانا کمال الملۃ والدین جعفر التبریزی روح اللہ روحہ العزیز کتبہ اظہر۔"

مولانا اظہر کی یہ تحریر واضح طور پر فیصلہ کر دیتی ہے کہ نستعلیق کا موجد میر علی تبریزی تھا اور اس کے بعد مولانا جعفر ثانی مخترع تھا جو مولانا اظہر کا شیخ واستاد تھا اور خط پر لکھنے والوں نے اسے تسلیم کیا ہے، بلکہ اس کے بعد میر علی ہروی مسلم استاد خط نستعلیق نے بھی اپنے "رسالہ مداد الخطوط" میں دوران تحریر یہی لکھا ہے۔

مولانا اظہر کے کارناموں کے ضمن میں ہم وثوق سے بیان کرتے ہیں کہ آج دنیا کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں میں یہ کارنامے محفوظ ہیں ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں ۔

مرقع گلشن کتاب خانہ سلطنتی ایران ۔ یک نسخہ کامل، مثنوی مولانا روم، جو ربیع الاول ۸۷۲ھ کا لکھا ہوا ہے ۔ مولانا اظہر کے اکثر نمونے کتاب خانہ استنبول میں محفوظ ہیں اسی طرح پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ایک نایاب نسخہ خمسہ نظامی و امیر خسرو دہلوی ہے جس کے اندر ترقیمہ یوں درج ہے (شکل ۶)

" تمت الکتاب بعون الملک الوہاب بید الاحقر اظہر تبریزی۔ شہر رجب المرجب عام سنۃ سبع وسبعین و ثمانمائۃ دارالامان ۱ "

میں اس کے مشاہدے سے یہ اخذ کرتا ہوں کہ وہ زیادہ تر خفی لکھتا تھا اور نہایت یکساں اور منظم صورت میں لکھتا تھا بلکہ اس کی تحریر مرقعات بہرام میرزا، شاہ اسمٰعیل، امیر حسین بیگ امیر غیب بیگ وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اسی طرح بدار الامان سمرقند بلدہ شماخی و سلطان ابراہیم بن شاہ رُخ کے عہد میں ہرات میں بھی لکھا۔ آج اس کے نسخے روس، نیویارک، کابل میں بھی محفوظ ہیں۔

ہم یہاں ہفت پیکر نظامیؒ کے نسخے کا صفحہ اول شمسہ (شکل نمبر ۷) اور اخیر صفحہ ترقیمہ (شکل نمبر ۸) بشکریہ دعجائب گھر، میٹروپولیٹن، نیویورک، شائع کرتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب نسخہ کبھی شاہان مغلیہ کے کتب خانے کی زینت تھا اور منعم خان خانان کی ملکیت میں تھا۔ لاہور میں بادشاہ اکبر کے حضور میں یہ چوتھے سال جلوس یعنی ۹۶۷ھ میں پیش ہوا تھا جیسا کہ آخیر ترقیمہ میں لکھا ہے۔ اس کی کتابت مولانا اظہر نے غالباً ۸۷۹ھ میں کی تھی۔ مگر کسی ناواقف نے اسے کاٹ کر ۹۸۸ کر دیا ہے جو غلط ہے کیوں منعم خان خاناں کا اپنا انتقال ۹۸۸ھ سے کئی سال قبل یعنی ۹۸۳ھ میں ہو چکا تھا۲ جیسا کہ تاریخ سے واضح ہے اور خود مولانا اظہر کا انتقال ۸۸۰ھ میں ہوا جیسا کہ ہم نے یہاں درج کیا ہے اس نسخے کی تفصیل بھی یوں درج کی جاتی ہے ۔

۱۔ فہرست پنجاب یونیورسٹی، لاہور مرتبہ، ڈاکٹر سید عبداللہ Spivi 12/4558 ص ۶۳۸

۲۔ ماثر الامرا۔ ج ۱، ص ۶۳۵ - ۶۴۵ -

ہفت پیکر شیخ نظامی بخط مولانا اظہر مشتمل بر ہفت صفحہ تصویر بہ کار اساداں از بابت منعم خاں خاناں ۳"
اس کے ابتدائی صفحہ (شکل ۶) جسے ہم شمسہ کہتے ہیں. نقش ونگار اور درمیان میں تحریر سے واضح ہے اُسے
منعم خاں مدظلہ اقتدار ۔ نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا تھا اور اس پر عہد مغلیہ کے کتاب داروں،
محب علی، اعتماد خاں، وغیرہ کی مہریں بھی ثبت ہیں۔

واقعی مولانا اظہر اپنے زمانہ میں خوب لکھتا تھا۔ طرز نستعلیق کے ابتدائی لکھنے والوں کو ہم وضاحت سے
شمار نہیں کر سکتے جیسا کہ دوست محمد نے اس ضمن میں لکھا ہے:

" میر علی تبریزی مولانا فریدالدین جعفر درین خط شاگرد ایشان است
دیگر مولانا کمال الدین شیخ محمود زرین قلم شاگرد مولانا فریدالدین جعفر اند و مولانا مظہرالدین
اظہر نیز شاگرد مولانا جعفر اند۔ اما بمرتبہ خوش نویس بودہ اند دیگر مولانا جعفر خلیفہ کہ ولد
رشید مولانا جعفر بود و مولانا میرکی کہ فرزند خلف مولانا مظہرالدین اظہر بود ہر دو خوش نویس شدند
حافظ حاجی محمد استاد حضرت مولانا سلطان علی اند شاگرد ظہیرالدین اظہر اند اما شاگردی مولانا
جعفر در نیز یافتند اند ۲"

اور اسی طرح اخوند میر نے حبیب السیر میں مولانا جعفر تبریزی کے بیان میں ۳ سلطنت شاہ رخ
میرزا کے ذکر کے تحت یوں لکھا ہے:

مولانا جعفر تبریزی در تحریر انواع خطوط درجہ کمال حاصل داشت تخصیص در نسخ تعلیق و مولانا
اظہر و مولانا شہاب الدین عبداللہ آش پزو و مولانا جعفر باآن مرتبہ تضاعد نمودند "

یہ دونوں خوشنویس مقبول سلاطین تھے جو نستعلیق لکھتے تھے۔ ویسے مولانا اظہر کے تلامذہ میں
سلطان علی مشہدی، سلطان علی قائنی، شیخ بایزید پورانی، مالک دیلمی، عبدالرحیم انیسی خوارزمی، سلطان علی
سبز مشہدی و شیخ محمد امامی اور غیب اللہ امامی وغیرہ وغیرہ بیان کیے ہیں جن کے مختصر حالات اور فنی

۱۔ احوال خوش نویسان، بیانی ص ۶۹ ۲۔ حالات ہنروراں، ص ۱۵

۳۔ حبیب السیر، ص ۱۵۰ - ۳/۳ - مطبوعہ بمبئی۔

کارنامے ہم مستند ماخذ سے بیان کرتے ہیں [1] ۔ ہم ان سب کو سلطان علی مشہدی متوفی ۹۲۶ھ کا معاصر شمار کرتے ہیں ۔

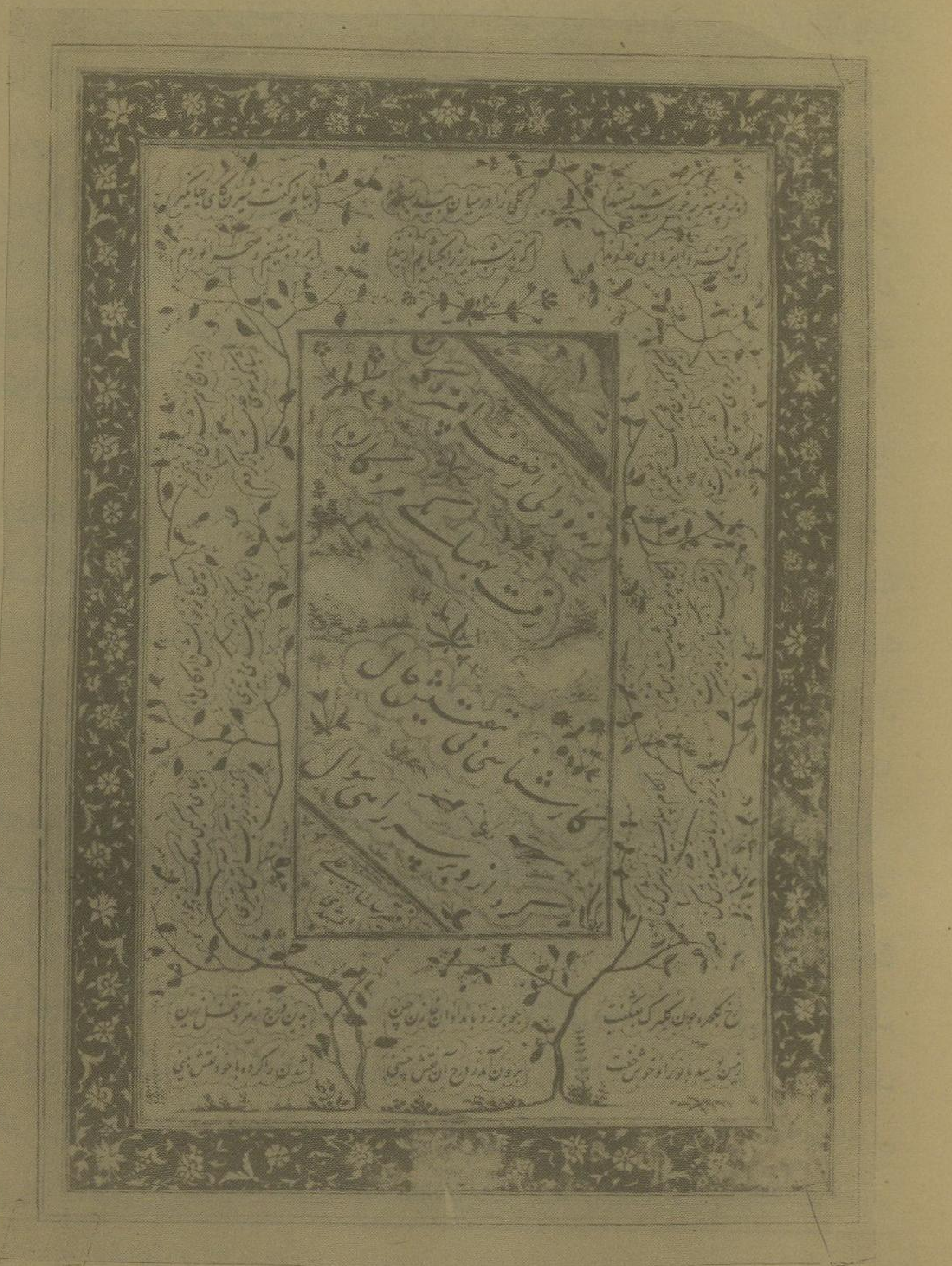
مولانا سلطان علی مشہدی

اعلیٰ نستعلیق طرز میں لکھنے والے اور بھی تھے جن کے نمونے تو ملتے ہیں مگر ان کے حالات آسانی سے میسر نہیں ہیں تاہم مولانا سلطان علی مشہدی کے متعلق عرض ہے کہ اس نے خود علم خطاطی میں ایک منظوم رسالہ بنام 'سراط السطور' لکھا ہے جس سے ہم اُوپر اقتباسات بھی پیش کر چکے ہیں ۔ یعنی یہ مسلم ہے کہ سلطان علی مشہدی کو مولانا اظہر سے براہ راست خط نستعلیق میں تلمذ حاصل تھا ، اس لئے ہم یہاں مولانا اظہر کے تلامذہ اور متبعین کے ضمن میں سلطان علی مشہدی کو بیان کرتے ہیں ۔ آپ نے اپنے والد کا نام خود اپنی خطاطی کے نمونوں میں 'محمد' لکھا ہے ۔

آپ کا خاندان مشہد میں سکونت رکھتا تھا ، جس کی وجہ سے مشہدی ، کہلاتے تھے آپ سات سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے ۔ والد کی وفات کے بعد آپ کی والدہ نے آپ کی پرورش کی مشہد ہی میں آپ اپنی اوائل عمر کے بیس سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے اور صبح و شام خط کی مشق کرتے رہے اکثر اوقات آپ روزہ دار ہوتے اور اور آستانہ رضوی پر زیارت کے لئے حاضر ہوتے اور وہاں سے لوٹ کر والدہ کی خدمت میں گھر آتے ۔ خط کی خوب مشق کرتے تھے کیونکہ آپ کو بچپن ہی سے خوشنویسی کی طرف رغبت اور شوق تھا ۔ ابتدار میں آپ نے میر مغلسی سے خطاطی کی تعلیم حاصل کی تھی ۔ والہ داغستانی کے تذکرہ 'ریاض الشعرا' میں لکھا ہے کہ وہ شاعر تھا اور مشہد کے عارفوں میں سے تھا ۔ اسی سے آپ نے حروف مقطعات یعنی ابجد کے لکھنے کی مشق شروع کی تھی ۔ مگر اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان علی کا استاد مولانا اظہر تبریزی تھا ۔ صاحب حالات ہنروراں نے بیان کیا ہے کہ سلطان علی کا استاد بلاواسطہ حافظ حاجی محمد شاگرد مولانا اظہر تھا ۔ بہر حال یہ مسلم ہے کہ سلطان علی مشہدی نے ایک عرصے تک ہرات

---

۱ - مہدی بیانی ، ص ۱۷ ۔



میں مولانا اظہر تبریزی سے خط نستعلیق کی تعلیم حاصل کی یعنی وہ مشہد میں اپنی عمر کے ابتدائی بیس سال گزار کر آذر بائیجان سلطان یعقوب ترکمان کے ہاں آگیا تھا جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے مگر۔ مگر اس کے وزیر دانش مند امیر نظام الدین علی شیر نوائی (۸۴۴ ۔ ۹۰۶) نے سلطان علی کو اس کی شہرت اعلیٰ کتابت کے باعث خدمت کتابت کے لئے اپنے دربار میں پسند فرمایا اس طرح آپ کو امیر وزیر اور شاعر مشہور مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی متوفیٰ ۸۹۶ھ کی صحبت اور مولانا کمال الدین بہزاد مصور کی رفاقت نصیب ہوئی۔ سلطان حسین میرزا بایقرا، اور میر علی شیر نوائی کی سرپرستی میں یہاں کا ماحول علم وفن کے اعتبار سے مثالی تھا۔ اور یہ سب علمار وفن کار اس دربار سے منسلک تھے[۱]۔

سلطان علی مشہدی کئی سال تک حسین میرزا بایقرار کے دربار سے منسلک رہا اور اس وجہ سے وہ اکثر اپنے خط کے نمونوں کے ساتھ «سلطانی» لکھا کرتا تھا۔ اس نے اپنے زمانے کے کاتبوں میں ایک نہایت متمیز حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس وجہ سے تذکرہ نگار عموماً آپ کو منشی ابوالقاسم ابواوغلی کے تتبع میں "قبلۃ الکتاب" یا زبدہ الکتاب، یا سلطان الخطاطین مولانا نظام الدین سلطان علی لکھا کرتے اور خطاب کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دربار کے امرار، وزرار اور تمام شہزادگان آپ کو نہایت عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سلطان علی کئی سال تک دربار سلطان حسین میرزا بایقرا میں فرماں روائی ہنر اس طرح کرتا رہا جس طرح گلستان ہنر میں ایک کارفرما کرتا ہے۔ ہر ایک نے آپ کی عزت وتکریم ہی کی۔ سلطان علی مشہدی نے اس طویل عرصے میں ہزارہا نمونے اپنے خط کے لکھے جن میں سے سینکڑوں بصورت کتاب اور پھر ان میں سے اکثر مصور بھی ہوئے جن کو اعلیٰ مذاہب، مصوران اور صحافوں اور وراق و ماہر جلد سازوں نے تیار کیا تھا (شکل ۹) یہ نسخے آج دنیا کے ہر گوشے میں کتب خانوں، عجائب گھروں کی زینت اور شائقین کے پاس موجود ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں یہ نمونے اس قدر تعداد میں مشرق و مغرب و امریکہ میں مشاہدہ اور مطالعہ کئے ہیں کہ شاید ہی کسی شخص نے کئے ہوں گے۔ ان میں زیادہ تر وصلیاں ہیں۔ مستند شعرائے فارسی کا کلام ہے اور معاصرین میں مولانا جامی کی کتابیں اور سب سے بڑھ کر سلطان علی نے اپنے مربی سلطان حسین بایقرار کے کلام اور

۱- مہدی بیانی۔ ص ۲۴۱ - ۲۶۶ -

میر شیر علی نوائی کے ترکی کلام کے بے شمار نسخے لکھے جو آج بھی موجود ہیں۔ (شکل ۱۰) اگر ان تمام کو ہم تاریخی ترتیب سے مطالعہ کریں تو میرے نزدیک اس کے ابتدائی نمونوں میں نظامی کی مخزن الاسرار کا نسخہ برٹش میوزیم لندن (Add. ۲۵۰۸۰۱) بہت اہم ہے جس کا ترقیمہ یہ ہے۔

تمت الکتاب مخزن الاسرار والحمد اللہ العزیز الغفار فی غرہ جمادی الاخر ۸۶۵ھ کتبہ العبد المذنب

اللہ تعالیٰ نے سلطان علی مشہدی کو خط نستعلیق کا وہ اعلیٰ معیار عطا کیا تھا کہ انسان اس خط کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے پھر ان نمونوں میں خط کی نفاست اور پاکیزگی کے علاوہ ان پہ مذہّب و طلاکاری سے بیل بوٹے اور سب سے بڑھ کر ان نمونوں کی وصلی تیار کرنا، ان کے لئے صحیح کاغذ کا انتخاب کرنا، یہ سب خاص امور ہیں جو عہد سلطان حسین میرزا کو زمانہ ماقبل سے متمیز کر دیتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر فنون لطیفۂ اسلام میں جن میں خاص کر خطاطی اور کتابی مصوری شامل ہیں اسے انتہائی اعلیٰ درجے کا دور تصور کرتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک پھر ان جیسا معیار، فن میں پیدا نہیں ہوا۔ سلطان علی کے ان تمام نمونوں کو جو ہمیں معلوم ہیں، یہاں بیان کرنا ممکن نہیں مگر ان میں سے چند ایسے ہیں جن کے ساتھ اس عہد کی تاریخ و فن اور ثقافت پوری طرح وابستہ ہیں ان کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

ایک نسخۂ دیوان حافظ کا مشہور ہے جس کی پشت پر جہانگیر بادشاہ نے خود یوں لکھا ہے۔

"در نفاست خاصۂ اول است۔ صفحہ اول است۔ صفحہ اول آن تصویر استاد بہزاد است وصفحہ آخر کار فرخ، چہار لوح تحریر خط علی یاری مذہّب ..... بتاریخ دوم اذر ماہ الہٰی سنہ دو موافق چہاردہم شعبان روز یکشنبہ سنہ ۱۰۱۷ھ داخل کتاب خانۂ شد۔ حررہ نورالدین جہانگیری بن اکبر بادشاہ غازی ازیں نسخہ خط ملا سلطان علی"

(ربانی، ص ۸۵۲)

ایک نسخہ مناجات خواجہ عبداللہ انصاری نہایت نایاب اور اعلیٰ نمونہ کتابخانہ رامپور میں ہے

جسے سلطان علی مشہدی نے لکھا ہے حررہ جہاں آرا مرید حضرت شیخ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ"

اس پہ جہاں آرا بنت بادشاہ شاہجہاں کی یہ تحریر ہے

سلطان علی نے اکثر نسخوں کے آخر میں جائے کتابت "ہراۃ" لکھا ہے۔ مگر ایک نسخہ انتخاب دیوان حافظ کے آخر میں اس نے "بلدہ استر آباد" بھی لکھا ہے۔ اسی طرح بعض پر اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ کس کے لئے لکھا گیا۔ چنانچہ ایک نسخہ دیوان حافظ پر ہے "برائے امیر شمس الدین محمد کو کلتاش کتابت کردہ" یہ عجیب و غریب نسخہ کابل کے ملی کتب خانے میں ہے۔ ایک نسخہ قواعد وخطوط "لینن گراڈ" میں ہے۔ اتفاق سے میں نے ایک نہایت مطلّیٰ مذہب نسخہ "خمسۂ نظامی" استنبول کے ٹوپ کپیو سرائے میں دیکھا جس کے ترقیمے میں یوں لکھا ہے۔ (شکل ۱۱)

"این خمسہ مبارکہ بخط مولانا سلطان علی مشہدی کتاب شدہ ۹۰۵ھ و در اوانی کہ شاہ جمجاہ عالیشان خسرو خسروان صاحب قران ابو الغازی شاہ اسمٰعیل بہادر خاں خلدت حلافتہ، از خزانہ شابیک گرفتہ بفرید عصر مولانا یاری تذہیب ۹۱۶ھ، بنادر العصری استاد بہزاد تصویر ۹۱۸ھ رجوع شدہ اتمام یافت۔"

یہ نسخہ بہت اہم ہے اور نادر ہے کیونکہ مندرجہ بالا ترقیمے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اوّل تو اسے سلطان علی مشہدی نے ۹۰۵ھ میں لکھا ہے، پھر یہ نسخہ انقلاب ہرات سلطان حسین میرزا بایقرا کی وفات ۹۱۱ کے بعد بخارا کے امیر شیبک خاں کے قبضے میں چلا گیا جس نے ہرات کو اپنے قبضے میں ۹۱۳ھ میں کر لیا تھا۔ جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے شیبک خاں کو ۹۱۶ھ میں مقام مرو شکست دی اور اس کا خاتمہ کر دیا تو یہ نسخہ اس کے قبضے میں آگیا۔ تب اسے مولانا یاری نے مذہب و مطلّیٰ کیا اور ۹۱۸ھ میں اسے تصاویر کے لئے بہزاد کے سپرد کیا گیا، اس کے بعد بہزاد صفویوں کے ہاں آگیا تھا غرضیکہ اسی نسخے کے ذریعے ہمیں اس عہد کی علمی تاریخ، معیار فن، کتابت، تذہیب نگاری اور مصوری کا پتہ چلتا ہے۔

اس عہد کی تاریخ کا یہ پہلو ہم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ۹۱۱ھ میں جب سلطان حسین بایقرا کا انتقال ہو گیا اور اس کی اولاد میں نااتفاقی پھیل گئی تو محمد شیبک خاں امیر بخارا نے ان سے ملک خراسان چھین لیا۔ جب ہرات پر محمد شیبک خاں کا تسلط ہو گیا تو وہ تمام ارباب علم و ہنر جو سلطان حسین میرزا سے وابستہ تھے محمد شیبک خاں کے دربار میں حاضر ہو گئے، جن میں مولانا سلطان علی مشہدی، کمال الدین بہزاد اور دیگر کتاب اور مصورین

بھی شامل تھے۔ شیبک خاں جاہل بادشاہ شمار ہوتا تھا مگر اپنے آپ کو زبردست عالم اور کامل الفن سمجھتا تھا۔ یہاں تک کہ بہزاد کی تصاویر اور مولانا کے قطعات کو بھی قابل اصلاح تصور کرتا اور ان میں اصلاح دیا کرتا تھا۔ شہزادہ سام میرزا صفوی نے اپنے تحفۂ سامی میں یوں لکھا ہے :

"باوجود ترکیب وجلفیت خود را در اکثر فنون استعدادات مہندس دانستہ و در تصویر استاد بہزاد نقاش کہ تا مصور جا بک دست نکشیدہ و در خط مولانا سلطان علی کہ کلک کرام الکاتبین مثل او خوشنویسی ننگاشتہ، دخل بجد نمودہ صورت آں را در قلم اصلاح نمودی وخط ایں را بنوک قلم موروثی رقم نسخ کشیدی وگفتی چنیں می باید۔

شیبک خاں اور اس کے وزیر شامی بیگ کی دراز دستیوں سے مخلوق بے حد پریشان ہوگئی سلطان علی نے بھی اس کے بعد ہرات کی سکونت چھوڑ دی تھی اور مشہد مقدس میں جا کر گوشہ نشین ہوگیا تھا۔ آخر وہیں وفات پائی۔ کمال الدین بہزاد کو شاہ اسماعیل صفوی اپنے ہمراہ تبریز لے آیا تھا اور اسے تبریز میں مہتمم کتب خانہ بنا دیا گیا اس کا انتقال طویل عمر میں ۹۴۲ھ میں وہیں ہوا۔ "خاک قبر بہزاد" سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ بابر نے بھی اپنی تزک میں شیبک خاں کی وفات کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ بہزاد نے شیبک خاں کی ایک شبیہ بھی بنائی تھی، جو طبع ہو چکی ہے۔

اس نایاب مخطوطہ خمسہ نظامی کے ابتدا میں متن کے شروع ہونے سے پہلے ابتدائی صفحے پہ ایک دائرے میں ذیل کی عبارت خط نسخ میں نہایت مرصع صورت میں لکھی ہے :

"تسلیم کاتب العبد محمد مومن مروارید کتابدار خزانہ شریفہ شد در روز دوازدہم شہر شعبان المعظم منتظم در شہور ۹۱۸ ثمان عشر وتسعمائۃ من الھجر بہ ہرات"

غرضیکہ یہ مخطوطہ تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے اور اسی میں پانچ سو لوح اور چوبیس تصاویر ہیں۔

علی شیر نوائی نے مجالس النفائس میں خواجہ عبداللہ پسر خواجہ محمد مروارید یعنی خواجہ محمد مومن کے والد کا ذکر کیا ہے جو مدت تک شعبہ وزارت میں مہر دار تھا، جو اپنے زمانے میں صاحب قناعت تھا اور عقبیٰ و عافیت پسند تھا۔ خطوط لکھنے میں منشی بے نظیر تھا، جو اپنے زمانے میں سازندہ دلپذیر تھا۔ ہر ایک کی مدد کرتا تھا، نہایت خوبصورت واعلیٰ سیرت جوان تھا اور فنون لطیفہ سے پیراستہ تھا، حالانکہ علم موسیقی کے قوانین سے واقف نہ

تھا۔ جو کچھ بھی وہ گاتا بے پروائی سے گاتا تھا۔ اسی طرح اس کا متذکرہ بالا لڑکا خواجہ محمد مومن مروارید خطاطی میں خط ثلث و نسخ بطرز یاقوت وصیرفی خوب لکھتا تھا۔ یہ شخص منصب صدارت پر بھی فائز ہوا مگر اواخر عمر میں ہجرت کر کے ہندوستان میں آگیا تھا[1] اور سلاطین گجرات کے دربار میں منسلک ہوا۔ یہ زمانہ سلطان مظفر ثانی کا تھا جہاں اس نے اکثر کتابت کے فرائض انجام دیے اور یہیں ۹۴۸ ع میں احمد آباد میں انتقال کیا۔

صاحب قوانین خطوط نے لکھا ہے[2] کہ خواجہ محمد مومن مروارید تحریر خطوط میں بے مثل تھا۔ اس کے بعد کوئی ایسا لکھنے والا نہیں ہوا اور خاص کر نستعلیق بھی خوب لکھتا تھا اور قواعد وضوابط خطوط سے واقف تھا اور ان کے والد خواجہ شہاب الدین عبداللہ مروارید مشاہیر زمانہ میں سے تھے۔ حافظ علی کاتب نے عبداللہ مروارید کے متعلق ایک شعر مندرجہ ذیل کہا ہے جس کے اوّل مصرع سے اس کی تاریخ پیدائش (۸۵۷ھ) نکلتی ہے اور دوسرے مصرع سے تاریخ وفات (۹۲۲ھ) نکلتی ہے۔

به جود وافر و دین قوی دانش و جاه   پناه اہل جہاں بود خواجہ عبد اللہ

وہ شاعر خوش بیاں بھی تھا۔

میں نے اُوپر بیان کیا ہے کہ مصور کمال الدین بہزاد بھی سلطان حسین میرزا بایقرا کے دربار سے منسلک تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہزاد سے سلطان علی مشہدی کے تعلقات نہایت عزیزانہ تھے۔ اکثر مصور نسخے جو اس عہد میں تیار ہوئے وہ دونوں نے مل کر تیار کیے تھے۔ جیسا کہ میں نے اُوپر ایک خمسہ نظامی استنبول کے ٹوپ کپو سرائے سے پیش کیا ہے۔ یہ مخطوطہ شیبک خاں کے خزانے کے ہمراہ شاہ اسماعیل صفوی کے ہاتھ آگیا تھا۔ ان ماہرین فن کے تعلقات آپس میں بہت خوشگوار تھے۔ چنانچہ صاحب رسالہ قوانین خطوط نے لکھا ہے کہ سلطان علی مشہدی یاران وشاگردان کو اکثر رقعات لکھتے، جن میں نظم بدیہہ شامل کرتے تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل رباعی آپ نے استاد بہزاد کو لکھی تھی[4]

۱۔ مجالس النفائس، ص ۱۰۶   ۲۔ حبیب السیر، ص ۱۱۷

۳۔ قوانین خطوط، مولفہ محمود بن محمد۔ مرتبہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ۱۹۶۹ء لاہور، ص ۳۹، ۴۱

۴۔ قوانین خطوط۔ ص ۴۶۔ ۴۷

فرزند عزیز ارجمندم بہزاد — کہ گر گردش بریں طرف مے افتاد
او عمر منست از رہ صورت لیکن — عمرے است کہ از منش نمی آید یاد

بہزاد کی فنی یادگاروں میں مصور نسخہ بوستان دار الکتب مصریہ۔ قاہرہ میں ایک شاہکار روزگار ہے جسے ۸۹۳ھ میں سلطان علی نے لکھا تھا۔ میں نے اسے دیکھا ہے اور اس میں بہزاد کی بنائی ہوئی تصاویر مع اس کے دستخط اور ان پر ۸۹۴ھ وغیرہ موجود ہیں۔ اس نسخے کی تکمیل کاتب شمس الدین محمد الکاتب الکرمانی نے تبریز میں ۹۱۹ھ میں سلطان علی کے بعد کی تھی۔ اس میں ہر دو کاتبوں کے ترقیمے موجود ہیں، تصاویر، کتابت تذہیب کاری، زرفشانی واقعی ایک بے مثل کارنامہ ہے اس نسخے کی موجودگی سے بہزاد کا صحیح کام سامنے آجاتا ہے اسی پر ایک مہر بھی شاہ عباس ثانی کے کتابدار یار بوادق غلام شاہ عباس ۱۰۵۳ھ کی ہے۔ اس مخطوطہ کو بھی ہرات سے تبریز لے جایا گیا تھا[۱] اور اس کی تذہیب کاری مولانا یاری نے کی تھی۔

کاتب شمس الدین محمد کرمانی کا لکھا ہوا ایک بڑے سائز کا مخطوطہ "خمسہ نظامی" میں نے کتاب خانہ مجلس طہران میں دیکھا تھا جس کا ترقیمہ یہ تھا۔

تمت الکتاب بعون اللہ وحسن توفیقہ علی ید اضعف عباد اللہ سبحانہ شمس الدین محمد الکرمانی الکاتب فی عاشر شہر ذی الحجہ ۹۱۸ھ ثمان عشر وتسعمائۃ از دیار صانہا اللہ عن جمیع الافات"

اس میں کوئی تصویر نہیں مگر کتابت بہت پاکیزہ ہے۔

خوندمیر کے نسخۂ "نامہ نامی" میں ایک فرمان ہے جس کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

فرمان داروغگی کتاب خاصہ شریفہ نوشتہ شد

صدر الکتاب مناشیر سلاطین جہانگشاری وفصل الخطاب فرامین خواقین گیتی آرای دریں ولا زندہ ارباب اختصاص وقدوۃ الفضل والخواص مولانا شمس الدین محمد کرمانی[۲] بہار عالم زندگانی را کہ کتاب از اوقات جوانی است۔۔۔۔۔ بشمول الطاف خسروانہ واعطاف بادشاہانہ گشتہ۔ منصب جلیلۃ المراتب داروغگی کتاب خانہ ہمایوں بوی تفویض یافت، چنانچہ از حسن بصیرت وصفا سیرت او متصور است، مقربان بارگاہ سپر اشتباہ

۱۔

۲۔ یہاں کچھ کاتب سے سہو گیا ہے۔

واہالی کتاب خانہ عالی از کتاب داراں و تحویلداراں و موالی و سائر ملازمان آستاں خلافت الیشاں و تمامی خادمان عتبہ کعبہ مرتب عالی شان آنکہ مولانا مشار الیہ متصدی منصب مذکو داشتہ جمیع مراسم آں مہم رامن حیث الاستقلال والانفراد مخصوص بدو شناسد واز سخن صواب دیدہ اوکہ ارباب ضبط و ربط کتاب خانہ ہمایوں گوید بیروں روند کاتباں و مذہباں وجدول کشاں ومجلداں وصحافان وزرکوباں ولاجورد شویاں و کاغذ فروشاں باید کہ جائے ملجاء مولانا مشار الیہ المتصدی منصب دانستہ۔ جمیع مراسم آں مہم ومن حیث الاستقلال وانفراد مخصوص بدو شناسد واز صواب دیدہ اوکہ درباب ضبط و ربط کتاب خانہ ہمایوں گوید بیرون نروند۔ کاتباں ومذہبان وجدول کشاں ومعتبر دانند و درباب سرانجام مہام خود رجوع بدو نمانند مولانا موحی الیہ نیز باید کہ در تشمیت مہم مذکور بروجہی طریقہ اہتمام مبذول دارد کہ موجب از زیادغایت گردد کتب اللہ بالامر علی اعلاء اللہ تعالیٰ بقاوۂ مادامت الایام واللیالی فی شہر صفر ختم بالخیر والظفر المنتظم سلک شہو سنہ ۹۲۳ھ[۱]"

متذکرہ بالا نقل فرمان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شاہانہ طور پر یا عام فنی اعتبار سے کاتب کے سامنے فن کتابت کے کیا کیا لوازمات تھے جن سے نمونہ خط کو سجا کر اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے موزوں بنایا جاتا تھا اور کاتب کو اپنے علاوہ دیگر کاریگروں کا بھی مرہون منت ہونا پڑتا تھا جو الگ الگ شعبوں سے متعلق ہوتے تھے، یعنی جدول کھینچنے، حاشیہ آرائی کرنے کاغذ فراہم کرنے، پھر اسے مذہب کرنے اور اسی پر زرفشانی کا کام کرنے والے وغیرہ وغیرہ۔

ظاہراً یہ فرمان شمس الدین محمد کرمانی کے نام ہے جسے صدر الکتاب کا معزز عہدہ بخشا گیا تھا۔ اس کے ذمے ان تحریروں کو بنا سنوار کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا ہوتا تھا۔ ہم نے شمس الدین محمد کرمانی کے دو کارنامے اوپر بیان کئے ہیں۔ محمود بن محمد نے قانون خطوط میں لکھا ہے کہ وہ سلطان علی مشہدی کا تلمیذ تھا "واز جملہ شاگرداں مولانا سلطان کہ بوادی کتابت افتادہ بودند مولانا شمس الدین محمد کرمانی بودہ کہ کتابت اورا صفا و پختگی تمام است خمستین شیخ نظامی و امیر خسرو دہلوی بخط او ملحوظ گشتہ کہ زبان بیان

۱۔ نسخہ نامہ نامی، انڈیا آفس لائبریری لندن، نمبر ۲۰۵۵، ورق ۱۴۹ لندن

۲۔ قانون خطوط، ص ۵۴۔

از تعریف آں قاصر و عاجز است "

منصف ریحان نستعلیق نے بھی لکھا ہے کہ شمس الدین کرمانی بہت بڑا کاتب تھا۔

زیرِ بحث کتاب سرگزشت نستعلیق کے ضمن میں یہ واضح کرنا زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خط نستعلیق کا صحیح آغاز جس طرح میر علی تبریزی کے ہاتھوں ہوا اور اسے کمال تک سلطان علی مشہدی نے پہنچایا تھا۔ مگر میں سمجھتا ہوں اسی طرح اس میں ایک خاص جمالیاتی جاذبیت میر علی ہروی نے بھی پیدا کی جس کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے۔ یہ دور ایک طرح سے بعہد سلطان حسین میرزا بایقرا، احیائے علوم و فنون کا تھا۔ جس میں کمال الدین بہزاد، سلطان علی مشہدی اور میر علی ہروی کے فنی کارنامے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ حسن اتفاق سے ہمیں ان تینوں ماہرین فن کے ایسے نمونے بھی ملتے ہیں جو انھوں نے مل کر اسی تصور سے پایہ تکمیل تک پہنچائے ہیں ان کے بعد اسی ضمن میں یعنے کتابت، اور مصوری اور کتاب سازی میں جو کچھ بھی ہوا وہ سب کا سب ان کے کاموں کا خوشہ چیں یا مرہون منت ہے بدقسمتی سے اس زمانے کے بہترین نمونے ضائع ہوگئے ہیں یا مختلف مجامع میں منتقل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں اور آج تک ایسے نمونوں کو یکجا کرنے یا ان کا پتہ لگانے کی کوشش بھی نہیں کی گئی۔ اکثر نمونے استنبول اور روس میں محفوظ ہیں۔ جسے ان ہر سہ ماہرین نے ملکر انجام دیا ہے (شکل نمبر ۱۲) اسے میں یہاں شائع کر رہا ہوں۔ ان کے کاموں کے نیچے الگ الگ تحریریں یوں درج ذیل ہیں[۱]

(۱) صفحہ یمینی خط مولانا سلطان علی (یعنے دائیں طرف جو لکھا ہے)

(۲) ولیسیری خط مولانا میر علی (یعنے بائیں طرف جو لکھا ہے)

(۳) و تصویر کار استاد بہزاد رحمہم اللہ تعالیٰ (یعنے صفحہ کی درمیانی تصویر)

اس صفحہ کو تین حصوں میں اپنے زمانے کے ہر سہ ماہرین میں مساوی تقسیم کر دیا گیا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ تینوں معاصر اس زمانے میں اپنے اپنے فن میں امام کی حیثیت رکھتے تھے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بادشاہ ہمایوں کو کتب بینی کا بہت شوق تھا۔ وہ ہمیشہ سفر حضر میں

۱۔ روسی زبان میں کتاب "خطاطی"، شکل ۱۲، ص ۲۰

بھی کتب خانہ ہمراہ رکھتا تھا۔ حاجی الدبیر نے ۱۴۹ھ کے واقعات میں تاریخ گجرات (عربی) میں لکھا ہے کہ منجو اکبر یعنے سکندر منشی مصنف مراۃ اسکندری کا والد ہمایوں کا کتابدار یعنے منتظم کتب خانہ تھا جو سفر وحضر میں اس کو کتابیں فراہم کرتا تھا، ہمایوں سلطان بہادر گجرات کا تعاقب مقام کھمبایت میں کر رہا تھا جب رات آگئی تو ہمایوں کو وہیں خیمہ ڈالنا ضروری ہوگیا اور قیام کیا، رات کو چور آگئے، انھوں نے خیمے کے ایک حصے پر بلہ بول دیا لیکن رہزنوں کو سوائے کتب کے اس میں کچھ نہ ملا، ان کتب میں مولانا ہاتفی کا منظوم تیمور نامہ بھی تھا جسے سلطان علی نے کتابت کیا تھا اور استاد بہزاد نے اس کی تصاویر بنائی تھیں۔ جب فوج نے ان کا تعاقب کیا اور ہمایوں خود خیمے میں آیا تو اسے اس نفیس کتاب کے گم ہوجانے کا سخت تاسف ہوا۔ اس واقعے کو اکبر نامہ میں بھی یوں بیان کیا گیا ہے۔

نزدیک سحر بیکبار پنج شش ہزار بھیل گنوار بہ سرا پردہ ہائے دولت ریختند وبتاراج اردو پرداختند اکثر کتب نفیسہ کہ مصاحبان معنوی بودند وپیوستہ باخود داشتندی تلف شد، ازاں جملہ تیمور نامہ بود بخط ملا سلطان علی وتصویر استاد بہزاد واکنون درکتاب خانۂ حضرت شہنشاہی موجود است[۲]"

اگر ہم اشاعت طرز خط نستعلیق بیرون ہرات یا ایران یا وسط ایشیا کو ذرا گہری نگاہ سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے میں ہند میں بھی یہ خط رائج ہوچکا تھا۔ ہم بادشاہ اکبر کے تحت ذرا تفصیل سے بیان کریں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ بہزاد کا انتقال ۹۴۲ھ میں تبریز میں ہوا تھا یعنے ان ماہرین کی زندگی میں ہی خط نستعلیق اور فن تصویر کی اشاعت دور دراز تک معاصرانہ طور پر بھی برابر ہورہی تھی۔ اشاعت خط نستعلیق کا یہ سہرا سلطان علی مشہدی کے سر ہے جس نے اس خط کو کمال تک پہنچا دیا تھا۔

جہاں تک ترکی مخطوطات کا تعلق ہے ان میں زیادہ تر خمسہ میر علی شیر نوائی، دیوان نوائی، دیوان یا

۱۔ ظفرالوالہ بمظفر وآلہ، لندن ۱۹۲۸ء، ص ۲۴۴۔

۲۔ اکبر نامہ، مطبوعہ کلکتہ، جلد اول، ص ۱۳۳

غزلیات سلطان حسین بایقرار کے نسخے شامل ہیں جو طوپ قپو سرائے استنبول، پیرس کے کتب خانہ ملی اور لندن میں محفوظ ہیں۔ انسان ان کو دیکھ کر عش عش کرتا ہے کہ سلطان علی نے ان کو کس عقیدت اور احترام سے لکھا ہے اور فن خطاطی کی نفاست کا اعلیٰ معیار بھی نظر آتا ہے حق تو یہ ہے کہ ہم ان کی کماحقہ تعریف بھی نہیں کر سکتے، ان میں سے اکثر مصور نسخے ہیں اور ان کی تصاویر بھی اسی اعلیٰ معیار کی ہیں بابر نے اپنی تزک میں بیان کیا ہے کہ مولانا سلطان علی، سلطان حسین مرزا بایقرار اور میر علی شیر نوائی دونوں کے لئے کتابیں لکھتے تھے، سلطان کے لئے روزانہ تیس سطور اور شیر علی کے لئے بیس سطور لکھا کرتے تھے۔ بابر کے الفاظ یہ ہیں!

در نسخ تعلیق سلطان مشہدی بودہ بجہت میرزا و علی شیر بیگ کتابت بسیار کردہ۔ ہر روزی سی بیت بجہت علی شیر بیگ و بیست بیت بجہت میرزا نوشتہ[۱]"

اتفاق سے دیوان علی شیر نوائی میں مندرجہ ذیل ترکی رباعی سلطان کے بارے میں بہت اہم اور دلچسپ ہے ——— جس سے اس کی عظمت اور خطاب قبلۃ الکتاب واضع ہیں[۲]

قبلۃ الکتاب کیم دیر لار آنی سلطان علی — کیم قضا کلکی مثل لیک خامہ‌ی یارناس غلط
کالیی قطعم نی کہ بازوی اندیں شعر لیک — ایل سالو رلار جزو واقعہ کیم اسیرد، پرقطعہ خط

اس نے کئی نسخے اپنے بادشاہ سلطان بایقرار کے ترکی دیوان کے لکھے جنہیں راقم نے دیکھا ہے ان میں سے ایک کا ترقیمہ یہ ہے[۳]

"خدم بکتابتہ ہذا الاشعار المبارکۃ المیمونتہ، تراب اقدام خدام روضہ الرضوی سلطان علی مشہدی غفراللہ ذنوبہ فی اواخر ربیع الآخر سنہ تسع وتسعین وثمانمائۃ الہجریۃ النبوبتہ بدار السلطنتہ ہراۃ"

منظوم چہل حدیث کا ایک عجیب وغریب نسخہ طہران میں ہے مگر موسیو دیلور، پیرس کے مجموعے میں جمادی الثانی ۸۶۵ء لکھا ہوا نسخہ مثنوی مولانا روم قابل دید ہے۔

۱۔ بابر نامہ، اردو ترجمہ دہلی ۱۹۲۴، ص ۱۸۶، فارسی متن ۱۱۵۔ (۲) دیوان علی شیر نوائی۔ مسکو۔ ۱۹۶۴ء، ص ۴۳۸

۳۔ بیانی ص ۲۵۸ و نسخہ ٹوپ کپو سرائے استنبول مورخہ ۸۹۰ھ و کتبخانہ ملی پیرس نسخہ مورخہ ۸۹۰ھ ۹۹۳

ایک نسخہ مخزن الاسرار نظامی برٹش میوزیم میں جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے ۔ سلطان علی مشہدی کے ابتدائی کارنامے ہیں مگر جب ہم ذرا توجہ سے اس کا اولین موجودہ کارنامہ خطاطی تلاش کرتے ہیں تو ہمیں نسخہ دیوان اور خمسہ امیر خسرو دہلوی کا کتابخانہ سلطنتی طہران اور آقای مہدوی طہران میں ملتے ہیں ۔ دونوں کا ترقیمہ یہ ہے[1] :

فی یوم الاثنین خامس عشر شہر جمادی الثانی احدی وستین وثمانمائۃ ، کتبہ العبد الضعیف سلطان علی ۔"

اور خمسہ کا ترقیمہ یہ ہے ۔

"کتبہ العبد الضعیف سلطان علی فی یوم الاثنین رابع شہر شعبان المعظم سنۃ ثلاث وستین وثمانمائۃ "

مگر ان ہر دو نسخوں میں سلطان علی کے نام کے ساتھ لفظ مشہدی نہیں ہے ۔ بہر حال ان متذکرہ نسخوں کو جو ہم نے ۸۶۱ھ ، ۸۶۵ کے مابین درج کئے ہیں ان کو اس کے ابتدائی کارنامے کی حیثیت حاصل ہے ۔ بعض محققین نے بھی یہی نظریہ قائم کیا ہے ۔ ممکن ہے کہیں ان کے علاوہ ان سے بھی قبل کے لکھے ہوئے نمونے موجود ہوں ، مگر اس کی عمر کے اعتبار سے یہی کارنامے ابتدائی عہد کتابت شمار ہونے چاہئیں ۔

یہ بھی درست ہے کہ سلطان علی مشہدی کو دربار سے تعلق کی وجہ سے جو شہرت اور اہمیت حاصل ہوئی تھی وہ سلطان حسین میرزا بایقرا کے ۱۰ رمضان المبارک ۸۷۲ھ کو تخت نشین ہونے اور میر علی شیر نوائی کے ۸۷۳ھ میں دربار ہرات سے وابستگی کے بعد ہوئی اور یہ وجہ ہے کہ اس کے کارنامے پر اس کے بعد لفظ سلطانی ملتا ہے اور باقاعدگی سے مشہدی کا لفظ بھی ملتا ہے ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانے میں اسی نام کے اور کاتب بھی تھے جو عمدگی سے نستعلیق طرز میں لکھتے تھے ۔ ان میں سے اکثر کو ہم یہاں بیان کریں گے ۔

مرقعات بہرام مرزا و امیر غیب بیگ ، و شاہ اسمٰعیل ، جو آج نہایت عمدگی سے استنبول کے عجائب گھر ٹوپ کپو سرائے میں محفوظ ہیں ، ان میں بالخصوص سلطان علی مشہدی کے اکثر نہایت اعلیٰ نمونے ۸۸۵ھ سے لے کر ۹۰۳ھ تک خط نستعلیق کے ہیں ۔ ہر ایک پر تاریخ بھی ہے ۔ بعض پر چند مقامی خصوصیات درج ہیں اور بعض پر ان حضرات کے اسمأ بھی ہیں جن کو وہ خطاب کئے گئے ہیں یا ان

۱- بیانی ، ص ۲۶۶ ۔

کی خاطر لکھے گئے ہیں مثلاً

"مشقتۃ الفقیر سلطان علی المشہدی جہت مولانا عبدالصمد حررہ یاری مذہب۔ قاطعہا
شیخ عبداللہ"

سلطان علی مشہدی کے تمام نمونوں کو جو دنیا کے بہت سے مجموعوں میں آج محفوظ ہیں، اگر ان کا شمار کیا جائے تو یہ تعداد ہزاروں تک جا پہنچے گی۔ یوں کہنا بجا ہوگا کہ خط کے حسن وصفائی اور خوبی میں تمام حد اعجاز تک رسائی رکھتے ہیں۔ اگر ہم ان تمام پر تاریخ وادب کی روشنی میں تفصیلی تعلیقات اور تشریحات لکھیں تو ایک ضخیم دفتر تیار ہو جائے گا۔ اس لئے یہاں معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ سلطان مشہدی کو فن کتابت میں جو عظمت اور اعلیٰ مقام حاصل ہے اس کے بارے میں مرزا حیدر دوغلات نے لکھا ہے۔

امروز آں مقدار آثار از ملا باقی ماندہ است کہ عقل از قبول آں دریں است کہ امتناع نماید چہ در اکثر بلاد علم کم کس از اہل قلم باشد کہ از قطعہ وکتابہ ملا چیزی نداشتہ باشد ودر کتاب خانہ بادشاہاں عالم (اگر) دوسہ کتاب بخط ملا نباشد آں کتاب خانہ را محسوب نمی دارند۔ ایں امر از عجائبات امور است ۱"

میں نے خود دنیا کے بے شمار کتب خانوں، عجائب گھروں اور نجی مجامع میں سلطان مشہدی کی خطاطی کے بے شمار نمونے، بصورت وصلیاں اور کتابیں مشاہدہ کئے ہیں مگر اس نے ان کے علاوہ اکثر عمارات پر کتبات بھی لکھے تھے جن کا نشان ضرور ملتا ہے۔ میں نے جون ۱۹۶۸ء میں ہرات میں حضرت شیخ عبداللہ انصاری کی درگاہ کی زیارت کی جو آج گازرگاہ کے نام سے مشہور ہے اور شہر ہرات سے دور فاصلہ پر مشرق وشمال کی جانب ہے، وہاں صفہ کے سامنے جنوب کی جانب مرزا منصور بن بایقرار کا مقبرہ ہے اور سنگ مرمر کی سل پر کتبہ دیکھا جو مرور ایام کی وجہ سے گھس کر مدہم پڑ گیا ہے۔ اس صفہ کو وہاں لوگ تخت بولتے ہیں۔

"ابن صفہ بدیع البیان منیع الارکان کہ از کمال صفوت وصفا غایت بہجت وبہا حاکی نزہت ریاض

۱۔ احوال وآثار خوش نویسان نستعلیق: تالیف ڈاکٹر مہدی بیانی استاد دانشکدہ طہران (ایران)، ص ۲۵۶۔

رضوان در روئی نزہت مناظر جنان است و انوار رحمت الہی و آثار فیض فضل نامتناہی از ساحت یار اعتش لائح وتاباں از برای مرقد سعید سلطان مغفور غیاث السلطنۃ والدین منصور و اولاد مبرورش عمارت یافت بتاریخ سال ہشصد وہشتاد و کہ فضل بے پایاں بیان آں می نماید ونسائم خلد برین از شمائم تربت عنبر بیزش منتسم می آید ۲ :

چو بہشت از مرقد منصور سلطان رخ نمود
ابن عمارت را بوجہی بس نکو تاریخ بود
حررہ العبد سلطان علی المشہدی"

اس درگاہ میں بے شمار قبور ہیں اور ان کے ہمراہ اکثر پہ کتبات موجود ہیں جن میں سے بعض پر کاتبوں کے نام بھی ہیں اور ان کے ہمراہ تاریخیں بھی ہیں ، مگر اکثر پر یہ امور درج نہیں ہیں گمان یہی ہوتا ہے کہ ان کو بھی سلطان علی مشہدی نے ہی لکھا ہے ۔ تاریخی طور بھی ان سے یہی نیتجہ نکلتا ہے ۔ بہرحال نام محض مندرجہ بالا پر ہی ہے ۔ اسی کے علاوہ ہرات میں باغ جہاں آرا کی تمام عمارات و منازل کے کتبات بھی اسی نے لکھے تھے ان کے علاوہ ہم نے مولانا اظہر کے بیان کے تحت آپ کے رسالہ صراط السطور سے اقتباسات دیے ہیں ۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے بعض تصنیفات چھوڑی ہیں ۔ غرضیکہ آپ نے پچاسی سال کی طویل عمر پائی ہے اور سلطان حسین میرزا بایقرا کی وفات کے بعد ہرات کے مقامی حالات سے پریشان ہوکر آپ آخیر عمر میں اپنے وطن مالوف مشہد میں واپس تشریف لے آئے تھے آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے اور خود آپ نے بھی اپنی ایک نظم میں اپنی عمر کو اس طرح بیان کیا ہے :

مرا عمر شصت و سہ بیش ست وکم — ہنوزم جواں ست مشکیں رقم
توانم ہنوز از خفی و جلی — نویسم کہ العبد سلطان علی

مگر حال ہی میں " فرہنگ ایران زمین " طہران (جلد پانزدہم ، ۱۳۴۷ ، ص ۲ ، ۴) پر متن " چار تخت "

۱۔ صراط السطور ، مرتبہ حکیم شمس اللہ قادری ، حیدرآباد ۔ دکن ص ۹ ، ۲۔ گازرگاہ ، ۔ نکری سلجوقی ۔ کابل میزان ۱۳۴۱ھ ص ۶۱ ۔

نظم فارسی مصنفہ میر سید حسن ابیوری مندرجہ ذیل کو پروفیسر ایرج افشار نے چھاپ دیا ہے اس سے جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ سلطان علی مشہدی آذربائیجان کے سلطان یعقوب آق قونیلو کے ہاں ابتدا میں تھا۔

نو عروسی کز خط و خال سیاہ — از سلاطین دل برد در یک نگاہ
چشم او ترکیست دایم بادہ نوش — کز دل ترکاں رباید صبر و ہوش
خطش از مشکی بود کہ بوی او — گشتہ ترکان جہان ہندوی او
گفتم ای شیخ از خط او در جہاں — ہیچ کس ہرگز نمی باید نشاں
اعتقاد از خط جعفر فسخ کرد — خط خوب عالمی را نسخ کرد
جملہ پاک و خالص از عیب بدلیست — کاتبش سلطان مشہدلیست
نیست غم گویم چو بہ از جعفرست — زانکہ از شمس ایں حکایت اظہرست
تا قلم بر لوح ہستی زد رقم — مثل او کاتب نیامد از عدم
کرد بنیادش چوں آں فرخندہ فال — کلک سعیش زد رقم در ہفت سال

شاعر بنائی نے مثنوی 'باغ ارم' میں کتاب خانہ سلطان یعقوب آق قونیلو کی تعریف کی ہے جس میں نادر کتابیں اعلیٰ کاتبوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ وہ کہتا ہے:

کاتب آں کتاب ہا اکثر — شیخ محمود و جعفر و اظہر
خط یاقوت را نہایت نی — چہ نہایت کہ حد و غایت نی

یعنی سلطان یعقوب کا کتب خانہ ایسے فن کاروں کے فن کے نمونوں سے ضرب المثل تھا۔

میں نے سلطان علی مشہدی کے لکھے ہوئے آخری نمونوں کا تجزیہ کیا ہے اور میں بھی ڈاکٹر مہدی بیانی مرحوم کی طرح اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ۹۲۱ھ کے بعد اسی کا کوئی نمونہ نہیں ملتا۔ یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے استنبول میں ٹوپ کپو سرای کے عجائب گھر میں ایک نسخہ دیوان شاہی (محتشم) کا اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا جس کا ترقیمہ یہ ہے [۱] شکل نمبر ۱۳:

۱- ٹوپ کپو سرائے، فہرست ۱۰۹۱۔ ایچ ۶۶۹، ۲۳۱

«بتوفیق ایزد کتابت نمودہ شد فقیر گنہ گار سلطان علی المشہدی غفر ذنوبہ وستر عیوبہ فی شہور ۹۲۱ بدار السلطنۃ ہرات»[1]

اس میں ایک تصویر بھی ہے۔ میں نہایت وثوق سے بیان کر سکتا ہوں کہ یہ سلطان علی مشہدی کی کتابت کا اس قدر اعلیٰ نمونہ ہے کہ میں نے اس سے بہتر نہیں دیکھا۔

بقول منشی احمد قمی اس کا انتقال اپنے وطن مالوف مشہد میں ۱۰ ربیع الاول ۹۲۶ھ میں پچاسی سال کی عمر میں ہوا، اور آپ کو روضہ امام رضا کے صحن میں مدرسہ شاہ رخ کے متصل دفن کیا گیا![2]

آپ کی قبر کی لوح پر آپ کے شاگرد مولانا محمد ابریشمی نے اپنے خط سے ایک کتبہ لکھا تھا جس میں سے چند اشعار ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

آں کو رقم زدی قلمش خط جانفزا — در حرف او کشیدہ وقلم کاتب قضا

جاں یافتی قلم چو رسیدی بخط او — آخر دلی شدش قلم دست خاک پا

خطش ہمیں نبود نکو در طریق نظم — لطف سخن چو حسن خطش بود دلکشا

ابریشمی نے حواشی پر مندرجہ ذیل رباعی بھی لکھی تھی:

عین عدم والم بود عالم دوں — زنہار درو مجوی آرام وسکوں

چوں اکثر جزو عالم آخر الم است — رفتیم از ایں الم دل غرقہ بخوں

سلطان علی مشہدی کے معاصر خطاط

ہم نے متذکرہ بالا سطور میں قبلۃ الکتاب سلطان علی کے ذکر میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ خط اسلامی کی طرز نستعلیق، جس کا آغاز آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر مقام بغداد سے قدوۃ الکتاب میر علی تبریزی کی مساعی جمیلہ سے باقاعدہ ہوا تھا، نویں صدی ہجری میں تمام ایران و توران میں اپنے کمال عروج پر پہنچ گئی تھی۔ اس دوران میں بے شمار نمونے بصورت علمی کتابوں کے نسخے اور کئی اساتذہ بھی مہیا ہو گئے تھے۔ ان میں اکثر لکھنے والے مولانا سلطان علی مشہدی کے تلامذہ تھے اور بعض دوسرے ماہرین بھی

۱۔ انگریزی ترجمہ رسالہ قمی از منورسکی، واشنگٹن، ص ۱۰۵ و بیانی ص ۲۴۸ - ۲۴۹

۲۔ مہدی بیانی ۲۲۳۔

بھی لکھتا تھا، تبریز سے سفر کر کے وہ حجاز میں آگیا تھا. جہاں وہ خانہ کعبہ کا مجاور ہوگیا تھا، یہاں سے واپس اگر وہ شہر ہرات (خراسان) میں دربار سلطان حسین میرزا بایقرا میں ہنرمندوں اور شاعروں کی محفل میں شامل ہوگیا۔ اس وجہ سے وہ بعض اوقات اپنے نام کے ساتھ سلطانی بھی لکھتا تھا۔ یہاں وہ شہزادگان کی تعلیم میں مشغول رہا۔ وہ درویش صفت انسان تھا اسے شعر سے بھی لگاؤ تھا۔ اس کا انتقال ۹۱۴ھ میں ہوا۔ اس کے لکھے ہوئے اکثر نسخے آج بھی کتاب خانوں میں موجود ہیں۔ اگر ہم ان کو فرداً فرداً بیان کریں تو ایک طویل مقالہ درکار ہوگا۔ اکثر نسخوں پر ملتا ہے یہ

مشقتہ سلطان علی الیعقوبی فی یوم نوروز السلطانی فی شہور سنتہ اثنی وتسعین وثمانمائتہ ونقل من کتابتہ قبلتہ الکتاب مولانا کمال الدین جعفر البایسنغری علیہ الرحمتہ وکتبہ العبد الحقیر الفقیر سلطان علی الرستمی عفی عنہ بدار السلطنت۔ تبریز

راقم التحریر نے اس شخص کے لکھے ہوئے ایسے اکثر نمونے دیکھے ہیں۔ جن پر سلطان علی قائینی خط نسخ میں لکھا ہے (شکل ۱۰۶)۔ بہرحال یہ شخص بھی ایک الگ اعلےٰ خطاط تھا۔

ڈاکٹر مہدی بیانی نے احوال خوش نویساں میں سلطان علی قائینی کے ذکر کے تحت لکھا ہے (۲۳۶)

"ابتدا در تبریز: کاتب دربار سلطان یعقوب بن

اوزون حسن آق قوینلو (۸۸۴ - ۸۹۶ھ) بود

اور اس ضمن میں اکثر نسخوں کے ترقیمے بھی نقل کر دیے ہیں جن میں اس طرح "الغریب سلطان علی الیعقوبی" ملتا ہے۔

شیخ بایزید پورانی دراصل شیخ پوران کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے پورانی کہلاتے تھے یہ شخص بھی سلطان علی مشہدی کے ہمراہ تلامذہ اظہر میں شامل تھا اور نستعلیق خوب لکھتا تھا۔ لوگوں میں صاحب کرامت مشہور تھا۔ اس شخص نے بخارا کی مسجد جامع کے کتبات لکھے تھے[۱]۔ مدت تک ہرات میں قیام کرنے کے بعد آپ ۹۰۰ھ میں دربار امرائے ٹھٹھہ (سندھ) میں آگئے تھے اور نہایت معتبر

۱- بیانی، ۹۴ - ۹۵۔

تھے۔ ان نسخوں میں ایک نادر نسخہ "ظفر نامہ" مصنفہ شرف الدین علی یزدی ہے جو حسن اتفاق سے آج بھی امریکہ میں بالٹی مور کی مشہور والٹر آرٹ گیلری میں محفوظ ہے۔ راقم نے بھی اس نسخے کو دیکھا ہے اور ایک مفصل مضمون بھی اس پر روزنامہ "امروز" لاہور ۲۰ جنوری ۱۹۵۵ء میں لکھا تھا۔ اس نسخے پر ایک محققانہ کتاب بھی مولفہ مسٹر ولکنسن و ڈاکٹر بنین۔ لندن میں ۱۹۳۱ء سے شائع ہو چکی ہے۔ اسے ہرات کے مشہور کاتب شیر علی نے ۸۷۲ھ میں نہایت اعلیٰ نستعلیق طرز میں لکھا تھا۔ (شکل نمبر ۱۴ - ۱۵) اس کی تصاویر کمال الدین بہزاد نے بنائی تھیں۔ یہ اہم نسخہ پہلے ایران کے شاہان کے دربار میں تھا وہاں سے میر جمال الدین انجو کے توسط سے دکن پہنچا تھا اور وہاں سے لے کر اکبر کے دربار میں حاضر ہوا اور اسے آگرہ میں پیش کیا تھا۔ اس پر جہانگیر بادشاہ کی بھی تحریر ہے۔ یہ نسخہ نہایت مطلّی و مذہّب ہے۔ جہانگیر نے اس پر خود لکھا ہے کہ اس کی تصاویر بہزاد کے اوائل عمر کا کام ہے، مصنف مناقب ہنروراں نے لکھا ہے کہ شیر علی کاتب بایسنغر مرزا متوفی[1] ۸۳۷ھ کے درباری کاتبوں میں سے تھا۔ مجالس النفائس میں لکھا ہے کہ شیر علی کاتب نے عزلت اختیار کرلی تھی اور وہ ۸۹۷ھ تک، تا زمانۂ تالیف مجالس النفائس زندہ تھا[2]۔ اس کا لکھا ہوا نمونہ مرقع بہرام مرزا کتاب خانہ اوقاف استنبول میں بھی محفوظ ہے اور اس کے ایک نمونے پر اس کا نام و تاریخ اس طرح درج ہے[3]:

"کتبہ العبد شیر علی عفا اللہ عنہ فی سنۃ ثلث وخمسین وثمانمائۃ"

اگر ہم ذرا توجہ سے اپنی خطاطی اور مصوری کا جائزہ لیں تو اس نسخہ تیمور نامہ کی اہمیت یوں بھی نظر آئے گی کہ اسے بہزاد نے مصور کیا ہے اور شیر علی نے ۸۷۲ھ میں اعلیٰ نستعلیق طرز میں لکھا ہے۔ پھر یہ شاہی کتابخانہ میں رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نسخہ ہماری ثقافت اور فنون لطیفہ کی تاریخ کی ایک نہایت اہم کڑی ہے۔

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ سلطان علی قائینی تلمیذ مولانا اظہر تھا اور وہ معاصر سلطان علی مشہدی بھی تھا۔ وہ تبریز میں دربار سلطان یعقوب بن اوزون حسن آق قوینلو (۸۸۴ - ۸۹۶ھ) سے منسلک تھا۔ اسی وجہ سے — وہ بعض اوقات اپنے نام کے ساتھ "یعقوبی" بھی لکھا کرتا تھا۔ سلطان یعقوب کی وفات کے بعد دربار رستم بن بایسنغر بن یعقوب (۸۹۵ - ۹۰۲ھ) سے منسلک ہو گیا تھا اور اسی نسبت سے رستمی

---

(۱) مناقب ہنروراں، ص ۲۹ (۲) مجالس النفائس، ۱۰۰، ۲۷۳، ۳ (۳) بیانی، ص ۲۲۳ - (۴) ایضاً بیانی، ص ۲۳۶، ۲۴۱

شمار ہوتے تھے ۔ مرقع بہرام میرزا میں آپ کے خط کے نمونے موجود ہیں جن پر لکھا ہے "مشقتہ العبد بایزید البورانی"

صاحب "مناقب ہنروراں" نے آپ کی یہ رباعی نقل کی ہے ۲۔

چو من بغم تو در جہاں فردی نیست　　دل سوختہ نیاز پروردی نیست
خواہم غم و درد خویش شرح دہم　　لیکن چہ کنم کہ ہیچ دردی نیست

تاریخ معصومی سندھی میں سید محمد معصوم بھکری نے علما ، مشائخ و شعرا کے تحت لکھا ہے ۳ کہ شیخ میرک پورانی خطوط کو خوب لکھتا تھا خاص کر خط نستعلیق کو خوب لکھتا تھا اس کا انتقال ۹۶۲ھ میں ہوا ۔

مولانا مالک دیلمی شہر قزوین کے قریہ فیلوا گوش کا باشندہ تھا ۔ اگرچہ اکثر نے آپ کو تبریزی بھی لکھا ہے ۔ یہ شخص علاوہ خط نستعلیق کے ماہر ہونے کے موسیقی میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا ۔ علاوہ ازیں شعر فہمی میں وقوف تامہ رکھتا تھا اور معما کا بھی ماہر تھا ۔ خط کے ضمن میں پہلے اس نے اپنے والد مولانا کبیر ۴ جو نسخ لکھنے میں ماہر تھا کے زیر عاطفت خط ثلث میں مشق کی تھی ۔ بلکہ مالک دیلمی کو نسخ کے علاوہ شش طرز خطوط میں بھی دسترس تھی اور اس فن میں اس نے کمال پیدا کیا ۔ اس کے غیر دست خط نمونوں میں اور بڑے اساتذہ کے نمونوں میں کوئی فرق نہیں کر سکتا ۔ مگر اس نے بعد میں نستعلیق کی طرف زیادہ توجہ دی اور اس میں بھی شہرت حاصل کی ۔ اس نے مولویت میں نام پیدا کیا ۔ وہ تصوف میں سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے آپ کا تعلق قاضی جہاں وکیل سے تھا انھوں نے خواجہ جمال الدین شیرازی سے تعلیم حاصل کی تھی ۔ شاہزادہ سلطان ابراہیم بن شاہ طہاسپ کے کتب خانہ میں تقرر ہوا اور مشہد میں شہزادہ کے ہمراہ ۹۶۴ھ میں آگئے تھے اور آپ شہزادہ کو خط کی تعلیم دیتے رہے ۔ قزوین جو اس وقت دولت خانہ کی حیثیت رکھتا تھا جب وہاں کتبات لکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی تو شہزادہ ابراہیم کو فرمان ارسال کیا گیا کہ وہ مالک دیلمی کو بھیج دے

۱۔ مناقب ہنروراں ص ۳۳ ۔

۲۔ تاریخ معصومی ص ۱۹۴ ـ ۱۹۷ و حبیب السیر ۵۸۴ ۔

۳۔ ایضاً ، ص ۹۸ میں والد کا نام شہرہ امیر ، لکھا مگر قوانین خطوط ، ص ۵۸ میں مولانا کبیر ، لکھا ہے ۔

چنانچہ سعادت آباد کے باغ کے کتبات، دیلمی کے لکھے ہوئے ہیں۔ اگرچہ تاریخ اختتام قاضی عطاء اللہ ویرامینی نے کہی تھی چہل ستون کی ڈیوڑھی یا ایوان پر حافظ کی غزل لکھی گئی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے شاہ کے فرمان پر مولانا حسام الدین المداح کی غزل کو چہل ستون کے دروازے پر لکھا تھا۔ جب آپ نے ۹۶۶ھ میں ان کتبات کو ختم کر دیا تو آپ کو مشہد جانے سے روک دیا گیا۔ شہزادہ میرزا ابراہیم نے انھیں مشہد میں لانے کی بارہا خواہش کی اور خود مولانا دیلمی نے بھی بڑی کوشش کی جو بار آور نہ ہو سکی حتیٰ کہ قزوین ہی میں آپ کا انتقال ۹۶۹ھ میں ہو گیا۔ آپ کی وفات کی تاریخ ایک معاصر نے یوں بیان کی ہے یاقوت عصر، مالک، یعنے ۹۶۸ھ مگر صحیح تاریخ وفات ۱۸ ذی الحجہ ۹۶۹ھ ہے (بیانی ص ۶۰۰)

صد حیف کہ جہان رفت، مالک یگانہ عصر

خطاط بود و فاضل، درویش بود و سالک

یاقوت عصر خود بود روزیکہ از جہاں رفت

تاریخ فوت او شد یاقوت عصر، مالک

مولانا مالک نے اپنے اخیر ایام میں قرآن کریم کو نستعلیق طرز میں لکھنا شروع کیا تھا افسوس کہ وہ نامکمل ہی رہ گیا۔ اس نے ایک لڑکا اپنے پیچھے چھوڑا جو عام طور پر مولانا ابراہیم کہلاتا تھا وہ شعر و نظم میں ماہر تھا اور "صغیری" تخلص کرتا تھا۔ وہ مرزا مخدوم شریفی کے ہاں ترکیہ چلا گیا تھا۔ راقم نے مالک دیلمی کے خط کے اکثر نمونے دیکھے ہیں۔ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مشق کتاب خانہ سلطنتی طہران میں محفوظ ہے جس کے آخیر میں یوں لکھا ہے شکل ۱۷)

مشقہ العبد المذنب الفقیر مالک الدیلمی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ فی ۹۶۸ھ"

مولانا دیلمی کے مشہور تلمیذ میر صدر الدین محمد میرزا اشرف جہاں تھے۔ جو قزوین کے سادات سیفی سے تھے۔ یہ شخص اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اگرچہ فن خطاطی میں بھی کم نہ تھا، خاص کر مولانا دیلمی سے طرز نستعلیق میں تلمذ حاصل کیا تھا۔ وہ واعظ بھی تھا۔ ایک تذکرۃ الشعرا کے لکھنے میں تیس سال مصروف رہے۔ منشی احمد قمی لکھتے ہیں کہ جس طرح آپ نے اسے ترتیب دیا ہے

امید ہے یہ مکمل ہوگیا ہوگا (بیانی ص ۹۴۸، ۹۰۷ دقمی (انگریزی) ، ۱۴۵)۔

عبدالرحمان خوارزمی استادان قدیم میں سے تھے اور مولانا اظہر اور سلطان علی مشہدی کے معاصر تھے بقول میرزا حبیب، آپ میر عبداللہ بن میر علی تبریزی کے شاگرد تھے ان کے طرز نستعلیق لکھنے کی اپنی خاص روش تھی آپ کے ہر دو فرزندوں یعنے عبدالرحمان انیسی اور عبدالکریم (جن کو ہم ذیل میں بیان کریں گے) نے خط نستعلیق میں تصرف کرکے سلطان علی کی روش میں تغیر کر دیا تھا۔ اس وجہ سے اپنے معاصرین میں مقبول نہ تھے۔ مگر جنوب مغربی ایران نے اسے رائج کر دیا تھا اور مدت تک فارس وآذربائیجان وعراق کے استادان خط نے اس روش کی پیروی کی اس روش کا آج بھی ان ممالک میں احساس کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے بعض نمونے ہندو پاک میں بھی ملتے ہیں (بیانی ص ۲۷۸ - ۲۸۰)۔

عبدالرحمٰن ابتدا میں دربار جہان شاہ میں یوسف قراقویونلو (۸۴۱ - ۸۷۲ھ) میں اور پیر بوادق کے ہاں خطاط تھا۔ جہان شاہ کے قتل کے بعد عبدالرحمٰن مدت تک سرگرداں رہا اور اس کے بعد سلطان یعقوب کے دربار سے منسلک ہوگیا۔ مناقب ہنروراں کے مصنف نے آپ کی تاریخ وفات ۸۸۶ھ بیان کی ہے۔ عبدالرحمٰن کے متداول نمونوں میں دفتر مثنوی مولانا روم کا ایک نسخہ ہے اور خمسہ نظامی جو خط خفی میں لکھا گیا ہے جس کے ترقیمہ میں لکھا ہے :

"تمام شد خمسہ از گفتار ملک الشعرا شیخ نظامی گنجہ رحمۃ اللہ علیہ کتبہ العبد عبدالرحمٰن الکاتب عفاہ اللہ عنہ فی سنۃ تسع وثلثین ثمانمائۃ"

اسی طرح برٹش میوزیم نسخہ ترجیع بند مجموعہ ہے، جس کے آخیر لکھا ہے۔

عبدالرحمٰن الخوارزمی - فی دارالسلام بغداد"

مجلس شوریٰ ملی طہران میں ایک نسخہ دیوان کاتبی بقلم خفی متوسط محفوظ ہے جسے اس نے پیر بوادق قراقویونلو کے لئے لکھا تھا۔

عبدالرحمٰن خوارزمی کے خاندان کے افراد نے جن کے متعلق ہم اس کے بعد بیان کریں گے

متداول خط نستعلیق میں ایک جدت بھی پیدا کی تھی جسے سب نے تسلیم کیا ہے۔ ان میں سے مولانا عبدالرحیم انیسی نے نام پیدا کیا ہے اور یہ طرز زیادہ تر دارالملک شیراز تک محدود رہی۔

عبدالرحمن انیسی خوارزمی ولد عبدالرحمن خوارزمی اور برادر عبدالکریم خوارزمی تھا یہ شخص مولانا اظہر کے تلامذہ سے تھا۔ اور اپنی اس قابلیت کی وجہ سے سلطان یعقوب آق قویونلو کے مصاحبوں میں سے تھا۔ وہ اگرچہ سلطان کی ملازمت میں تھا مگر سلطان اس سے محبت کرتا تھا اور اسے دوست شمار کرتا تھا اور بے تکلفی سے پیش آتا۔ اسی وجہ سے اسے انیس خطاب کرتا تھا اور یہی اس کا لقب ہوگیا جو تذکرہ نگار ہمیشہ اس کے ساتھ لکھتے ہیں، اس نے اپنا یہ تخلص اختیار کر لیا تھا اور وہ اپنی نسبت سلطان یعقوب کی وجہ سے اپنے نمونوں پر لفظ سلطانی اور "یعقوبی" بھی لکھ دیا کرتا تھا۔ جیسا اس کا والد عبدالرحمن کرتا تھا، صاحب مناقب ہنروراں نے بھی اس کا ذکر عبدالرحیم انیسی کے نام سے کیا ہے۔ وہ کتابت میں عام طور پر اساتذہ کا ہی اسلوب مدنظر رکھتا تھا اور ایک شعر بھی یوں نقل کیا ہے (مناقب، ص ۶۵)

مزہ مانع نشود اشک من محزوں را نتواں نسبت بخاشاک رہ جیحوں را

اتفاق سے ہمیں قوانین خطوط کا متن آکسفورڈ سے میسر آگیا ہے، اس میں جہاں عبدالرحیم کا ذکر ہے وہاں سے کچھ الفاظ کم ہیں۔ مگر اس کے تخلص "انیسی" سے اس کا ذکر موجود ہے۔ تبریز کے کسی شاعر کا مندرجہ ذیل ایک شعر بھی نقل کیا ہے (قوانین خطوط، ص ۵۹، بیانی ۳۸۴ - ۳۸۸)

یاراں میکند خوش نویسی کاں ختم شدہ است برانیسی

اس وجہ سے کسی نے کہا ہے کہ باپ اور بیٹے کا یہ شیوہ خط سلطان علی مشہدی سے متفاوت ہے یہ شیوہ خط تبریزی سے دور بلکہ نرمی و دور بینی یعنی گولائی رکھتا ہے بہرحال یہ ایک تازہ روش تھی۔ بعضوں نے اس کی مذمت بھی کی ہے۔ اسی وجہ سے سام میرزا نے تحفہ سامی میں بیان کیا ہے کہ اس نے اپنی اس روش کو حد کمال تک پہنچایا تھا۔ اگرچہ یہ روش سلطان علی مشہدی کی روش تھی۔ اسی وجہ سے میر علی شیر نوائی نے کہا کہ وہ اپنی روش میں استاد بے مثل تھا۔ اس کی

مثل سوا اس کے بھائی کے اور کوئی نہیں تھا۔ مصنف گلستان ہنر نے کہا ہے کہ شیراز کے کتّاب اور بعض لکھنے والے اس روش کی زیادہ پیروی کرتے ہیں اس وجہ سے عراق کے خوشنویس محمد قاسم شادی شاہ اور محمد حسین باخرزی آپ کے معاصر تھے جن کے نزدیک اس کے خط میں نمک نہیں تھا اس وجہ سے حسد کرتے ہیں۔ یعنی اس کے لکھے ہوئے حروف کے دوائر اور ان کی کششوں میں ضرور فرق تھا۔ انیسی کے تلامذہ میں جو اس روش پر لکھتے تھے ان میں میر عضد بخاری، ملا سلطان ، اسد علی کرمانی اور محمد کرمانی تھے

انیسی میں حسن خلق اور جامعیت فضائل و کمالات ، ستودہ اور شعر گوئی اعلےٰ درجے پر تھے ۔ وہ صاحب دیوان تھا اور اکثر معما بھی کہتا تھا ۔ اس کا انتقال بعض کے نزدیک ۸۹۲ھ میں ہوا جو درست نہیں ہے ، کیونکہ وہ سلطان یعقوب کی وفات ۹۰۲ کے بعد بھی ایک عرصے تک زندہ رہا اور رستم بن یعقوب کی خدمت میں رہا اسی وجہ سے اس کے بعض نمونوں پر "عبدالرحیم رستمی" بھی ملتا ہے۔

اس کے کارناموں میں دیوان حافظ ، جو خط خفی میں ہے ، ایک اعلےٰ نمونہ ہے اس کا اپنا دیوان خط جلی میں ملتا ہے جسے خود اس نے ۸۹۹ھ میں لکھا تھا۔ مجموعہ انتخاب غزلیات "حافظ ، "امیر خسرو ، "کمال خجندی ، "کاتبی ، "امیر شاہی ، "جامی ، ملتا ہے جس کے ترقیمہ میں اس نے لکھا ہے :

"کتبہ العبد عبدالرحیم بن عبدالرحمٰن الخوارزمی السلطانی فی سادس عشرین ذی قعدہ سنہ تسع وسبعین وثمانمائۃ الہجریۃ ،

یہ عجیب وغریب نسخہ ایا صوفیہ ، استنبول میں ہے۔ اس کے قطعات اکثر مرقعات ملتے ہیں۔ اور ۲۲ قطعات مرقع عظیم سلطان یعقوب میں محفوظ ہیں جن پر خصوصیت سے اس نے اپنے نام کے ساتھ "عبدالرحیم الیعقوبی" لکھا ہے۔ (بیانی ص ۳۸۸)

عبدالکریم خوارزمی برادر عبدالرحیم خوارزمی انیسی ایک آزاد اور مستغنی طبیعت کا مالک تھا۔ شعر خوب کہتا تھا۔ کسی قدر دماغی طور پر پریشان رہتا تھا وہ اکثر اپنے لکھے ہوئے نمونوں پر "کتبہ خدا" "یا کتبہ زرافہ" و "کتبہ پادشاہ" وغیرہ لکھ دیتا تھا ، اس وجہ سے اسے حرف عام میں اکثر "بادشاہ" کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ ان حالات میں اکثر قطعات لکھتا تھا۔ صاحب مناقب ہنروراں نے لکھا ہے کہ عبدالرحیم

کا خط تو پابند تھا مگر عبدالکریم اس کے برعکس تھا۔ ایک روز دونوں بھائیوں نے قطعات لکھ کر سلطان یعقوب کی خدمت میں پیش کئے۔ سلطان نے عبدالرحیم کے خط کو زیادہ پسند کیا ہے۔ عبدالکریم کو گراں گزرا اور کہا کہ یہ ہر دو نمونے ناپاک ہوگئے ہیں۔ دونوں پر غسل واجب ہوگیا ہے۔ ان کو حوض میں، جو قریب ہی تھا، ڈال دیا دونوں پر پانی پھیل گیا۔ انیسی کا خط محو ہوگیا اور عبدالکریم کے خط پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، اگرچہ یہ داستان ایک افسانہ ہی ہے مگر عبدالکریم کی عادات کو واضح کرتی ہے۔ عبدالکریم اپنے والد عبدالرحمٰن اور برادر عبدالرحیم کی وجہ سے "شیرہ انیسی" سے مشہور رہا عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالکریم کا انتقال ۸۹۲ھ میں ہوا اس کے کارناموں میں ایک نسخہ "حال نامہ" عارفی "روشنائی نامہ" مجلس شوریٰ ملی طہران میں محفوظ ہے، جس کا ترقیمہ یہ ہے۔

"تمت الکتاب بعون الملک الوہاب کتبہ العبد الفقیر عبدالکریم بن عبدالرحمٰن الخوارزمی فی خاص عشر شعبان المعظم سنہ ثلاث وثمانین وثمانمائۃ الھجریۃ۔"

اسی طرح بعض مرقعات میں بھی چند نمونے موجود ہیں جن کے ترقیموں میں کافی معلومات موجود ہیں (بیانی، ص ۴۰۹-۴۱۱)

ہم نے مولانا اظہر کے تلامذہ میں مولانا سلطان سبز علی مشہدی کا شمار بھی کیا ہے چنانچہ مناقب ہنروراں وغیرہ میں آپ کا ذکر ملتا ہے کہ آپ اکثر نستعلیق طرز کے لکھنے والوں میں ممتاز تھے۔ سلطان حسین میرزا بائقرا، اور میر علی شیر نوائی نے آپ کے خط کو اکثر معاصرین کے خط پر ترجیح دی ہے آپ دیر تک میر علی شیر نوائی کے ہاں کتابت پر مامور رہے۔ بعضوں نے آپ کو علی سبز کے نام سے بھی لکھا ہے۔ آپ کے خط میں "خط سبز خوبان"، کا تناسب موجود ہے۔ ہم نے اوپر حالات ہنروراں کے حوالے سے درج کیا ہے کہ وہ مولانا اظہر کے تلامذہ ہی سے تھے۔ مگر بعض نے آپ کو مولانا سلطان علی مشہدی کے تلامذہ میں بیان کیا ہے! مولانا اظہر کے تلامذہ میں سے مولانا شیخ غیب اللہ امامی اور ان کے بھائی شیخ محمد امامی بھی تھے ان کا ذکر ریحان نستعلیق" میں ملتا ہے۔ یہ ہر دو برادر طرز سلطان علی مشہدی سے مختلف لکھتے تھے۔

۱۔ بعضوں نے آپ کا نام "سلطان علی سبز مشہدی" بھی لکھا ہے۔ مناقب ہنروراں، ص ۳۹ وبیانی، ص ۲۳۵۔

اور بعض مرقعات میں ان کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ ایک نسخہ "صد کلمہ" حضرت علی بن ابی طالب ڈاکٹر مہدی بیانی کے مجموعے میں موجود ہے جس کے آخر میں یوں لکھا ہے۔ بیانی، ۵۶۰ و ۴۴۲ - ۴۴۲)
"کتبہ العبد الاحقر غیب اللہ الامامی غفر ذنوبہ وستر عیوبہ فی سنہ ثلث وتسعین وثمانمائۃ النبویہ"۔
ان ہر دو بھائیوں نے گیلان میں نشو و نما پائی تھی۔ شیخ امامی بذات خود ایک زبردست مشہور نستعلیق لکھنے والا تھا۔ ایران کے کتب خانہ سلطنتی میں ایک نسخہ انیس" العشاق" شرف الدین لہامی کا ہے جس میں جدولیں، حاشیہ اور سرلوح مذہب ہیں یہ مرقع عالی ہے۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے۔
"تمت ہذہ الرسالۃ الشریفۃ الموسومۃ بانیس العشاق فی تاریخ سنہ سبع وثمانین وثمانمائۃ
علی ید العبد الفقیر المحتاج الی ملک الصمد شیخ محمد الامامی تجاوز اللہ عنہ" (شکل ۱۹)
"مولانا عبدی قلندر از نیشاپور است خط نسخ و نستعلیق را نیک می نویسد و بسیار جوان و نیک است"
تاریخ رشیدی میں شاگردان مولانا سلطان علی مشہدی کے ضمن میں قلندر کاتب کے بارے میں جو بیان کیا گیا ہے، غالباً وہاں بھی "عبدی قلندر" مراد ہے۔ آپ کو شعر و سخن سے خاص لگاؤ تھا، آپ کا شاگرد اور بھانجا شاہ محمود نیشاپوری قلم برداشتہ لکھنے میں مشہور تھا۔ آپ نے طویل عمر پائی تھی۔ آپ کا انتقال ۹۶۸ھ میں ہوا۔ آپ کے خط کے ایک قطعے پر یوں لکھا ہے [۳]:
مشقۃ عبدی الشاہی نیشاپوری نقل من خط مولانا سلطان علی المشہدی۔"
بہر حال اس کے اکثر اعلیٰ منقش اور مذہب نمونے راقم نے مشاہدے کئے ہیں۔
خط پر لکھنے والوں نے مولانا شاہ محمود نیشاپوری کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا ہے بعضوں نے شیخ محمود زریں قلم بھی سمجھ لیا ہے، جو مولانا اظہر کے معاصر اور مولانا جعفر کے تلمیذ تھے [۴]۔ مولانا شاہ محمود زریں قلم نے اپنے ماموں مولانا عبدی نیشاپوری کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ مولانا جعفر نے خط غبار میں خمسہ لکھنا شروع کیا تھا اور وہ نا تمام رہ گیا تھا۔ مولانا سلطان علی مشہدی کو اس کا علم تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس قلم یعنی خط غبار کا تراشنا آدمی کے بس میں نہیں۔ مگر مولانا شاہ محمود نے بادشاہ، شاہ طہماسپ کے حکم سے اس خمسہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا تھا جس کی ہر لکھنے والے نے داد دی کہ کوئی خوشنویس

بھی اس قاعدہ و پاکیزگی سے کتابت نہ کرتا۔ استاد بہزاد نے اس خمسہ کی تصاویر کو پورا کیا تھا (شکل ۲۰)
میں نے اس کے اکثر کارنامے مختلف کتب خانوں میں دیکھے ہیں، مگر نسخہ خمسہ نظامی جو مصور مزین، مذہب، بخط غبار از شاہ محمود برائے شاہ طہماسپ لکھا گیا آج برٹش میوزیم لندن یا ۲۲۶۵ میں محفوظ ہے۔ ہنر زیبا ایران کا یہ شاہکار واقعی ایک بیش بہا تحفہ اور ذخیرہ ہے برٹش میوزیم نے اسے اسی طرح اصل رنگین تصاویر وغیرہ کی صورت میں طبع کر دیا ہے۔ اس میں میرزا علی، میر سید علی تبریزی، منظفر علی، سلطان محمد و آقا میرک نقاش اور بہزاد کی بنائی ہوئی تصاویر ہیں جن پر ان کے دستخط موجود ہیں۔ اس اہم اور تاریخی مخطوطہ کا ترقیمہ یہ ہے:

"تمت الکتاب بعون الملک الوہاب علی ید احقر العباد شاہ محمود النیشاپوری غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ فی سلخ شہر ربیع الاول سنہ اربعین و تسع مائۃ الہجریۃ النبویہ۔"

میرا خیال ہے کہ خمسہ کا وہ نسخہ جسے مولانا جعفر نے شروع کیا تھا اور اُسے شاہ محمود نے مکمل کیا تھا، جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے، وہ یہی نسخہ برٹش میوزیم ہے۔

میرزا سنگلاخ نے اُسے میر محمد عرب زادہ خوشنویس سے نسبت دی ہے اور بیان کیا ہے کہ وہ شاہ محمود کی اولاد سے تھا۔ عالی آفندی مصنف 'مناقب ہنروراں' نے بیان دیا ہے کہ شاہ محمود دربار شاہ اسمٰعیل صفوی سے منسلک تھا۔ جنگ چالداراں میں جب شاہ اسمٰعیل کو احتمال شکست ہوا تو اس نے شاہ محمود اور بہزاد نقاش کو ایک غار میں چھپا دیا تاکہ ان پر آنچ نہ آئے اور جنگ کے بعد انھیں نکالا اگرچہ بعضوں نے اس واقعہ کی صحت کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے شاہ محمود نے شاہ اسمٰعیل کے لئے ایک نسخہ شاہنامہ لکھا تھا جو مزید موجب خوش آیند و قربت شاہ کا باعث ہوا[۲]

یہ شخص اخیر عمر میں مشہد مقدس آ گیا تھا اور وہیں آپ کا انتقال ۹۷۲ھ میں طویل عمر میں ہوا تھا اور وہیں آپ کو سلطان علی مشہدی کے قرب میں دفن کیا گیا۔ مشہد میں آپ نے اپنا مقام "قدم گاہ" مدرسہ نزد چہار باغ" قائم کر لیا تھا جہاں اپنے اوقات گزارتا تھا۔ یہیں کتابت میں مشغول رہتا تھا اور

۱- حالات ہنروراں، ص ۲۹، ۳۲ ۲- مناقب ہنروراں، ص ۳۶، ۴۰، ۵۷۔ ۳- گلستان ہند (انگریزی ترجمہ) ص ۱۳۴، ۱۳۸

اور تلامذہ کو تعلیم خط بھی دیتا تھا۔ تمام زندگی مجرد رہ کر گزار دی اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کیا۔ محض اپنی کتابت پر ہی گزارا کیا۔ صاحب گلستان کیمطابق، جوانی ۳ میں ۹۶۴ھ میں آپ کی خدمت میں مشہد میں آیا اور تعلیم خط حاصل کی اور لکھا کہ مجھے مشق خط کا اس قدر اشتیاق ہے کہ میں راتوں کو اوّل شب سے صبح تک بیٹھ کر مشق جلی میں مصروف رہا۔ شاہ محمود اپنی خصلت میں اوصاف حمیدہ وصفات پسندیدہ رکھتے تھے اور شعر یعنی قصیدہ، غزل، قطعہ، رباعی وغیرہ کا سلیقہ بھی خوب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر تذکروں میں آپ کا حوالہ ملتا ہے آپ کا ایک قیصدہ مدح حضرت امام رضا میں اس دارالسیادہ میں مینارہ کے پایہ میں نصب ہے جس کے دو اشعار یہ ہیں۔

الٰہی ہمہ عمر محمود کاتب   اگرچہ بعصیاں سیہ کردہ دفتر
ترحم کہ ہستم قلیل البضاعتہ   بغفلت بسر بردہ اوقات یکسر

شاہ محمود نے قرآن کریم کا ایک جزو (سورہ فتح و مزمل) بقلم نستعلیق خوش خط خفی لکھا اور اس نسخے کے سر سورہ کو اعلیٰ خط ثلث میں لکھا۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے:

"کتبہ العبد المذنب شاہ محمود النیشاپوری غفر ذنوبہ وستر عیوبہ بدار السلطنۃ تبریز"

اتفاق سے ایک نسخہ دیوان قاسم مصور ٹوپ کپو سرائے استنبول[1] میں موجود ہے جس کے ابتدا میں دو صفحات پر تصاویر ہیں، ان میں سے ایک کو ہم یہاں (شکل ۲۱) پیش کرتے ہیں۔ اس تصویر میں ایک صفوی شہزادہ سجادہ پر بیٹھا کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے اس کے نیچے لکھا ہے:

"صورۃ العبد علی الجینی۔ کتبہ شاہ محمود نیشاپوری"

یہ ایک منفرد نمونہ ہے۔ مزید میر علی ہروی کے تحت وضاحت کی گئی ہے۔

ڈاکٹر مہدی بیانی[2] نے شاہ محمود کے قریباً پچاس چیدہ چیدہ نسخوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے چھوڑے ہیں اور آج تک معلوم ہو سکے ہیں۔ نامعلوم اور کس قدر ابھی تک ہمارے علم میں نہیں۔ میں آخر میں یہ وضاحت کرنا مناسب خیال کرتا ہوں کہ تبریز میں صفویوں کے ہاں جن فنون لطیفہ (جس میں ہماری خطاطی بھی

۱۔ فہرست ۹۵۷ R ۵۹۸، ۲۹، ۵۰۱   ۲۔ بیانی، ص ۲۰۵ - ۲۹۵

شامل ہے) کو فروغ ہوا، اس میں ایک خاص جلا نظر آتی ہے. میرے نزدیک یہ خالص ایرانی فن وثقافت کی ایک واضح اور درخشاں جھلک ہے، اور یہی فن کا معراج ہے، بلکہ میں یہاں تک کہوں گا کہ بہزاد کے ہرات سے تبریز میں آنے کے بعد صحیح معنوں میں ایرانی مصوری وجود میں آئی ورنہ اس سے قبل خالص ایران کو اس طرح کی مرکزیت حاصل نہیں ہوئی تھی[1]

حسن اتفاق سے "دیوان حافظ" کا ایک نہایت عمدہ نسخہ لاہور یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے جو متوسط حجم کا ہے. اس کا ترقیمہ یہ ہے:

تمت الکتاب بعون الملک الوہاب بخط العبد ضعیف محمود بن حسن نیشاپوری بتاریخ سنۃ اربع و تسعین وثمانمائتہ ".[2] یعنی یہ شخص محمود بن حسن نیشاپوری متذکرہ بالا مشہور شاہ محمود نیشاپوری سے مختلف ہے

سلطان علی مشہدی کے معاصرین مشہور کاتبوں کا مختصر ذکر ہم نے اوپر کیا ہے جنھیں آپ سے تلمذ حاصل نہیں ہے مگر وہ بذات خود استاد کی حیثیت رکھتے تھے اور بعض ایسے بھی ہیں جن کے نمونے یا کارنامے ہمارے سامنے نہیں آئے، البتہ ان کے اسماء ملتے ہیں مثلاً مجالس النفائس[3] میں ملا نظام بدر نیشاپوری، ملا محمود کاتب ہروی، ملا حاجی، خواجہ ابوالقاسم ولد شہاب الدین احمد خوافی وغیرہ کا ذکر ملتا ہے یعنی ۹۰۰ ھ سے قبل میر شیر علی نوائی کے دائرہ علم میں بحیثیت کاتب موجود تھے. مگر ان کے علاوہ بھی بعض ایسے کاتب ہیں جن کے کارنامے تو ملتے ہیں۔ مگر ان کا ذکر بحیثیت کاتب اس قدر معروف نہیں ہے. حسن اتفاق سے میں نے ایک نسخہ گلستان سعدی متوسط حجم کا اپنے ایک دوست کے توسط سے ایک شخص کے ہاں دیکھا جسے بہت ہی اعلیٰ خط نستعلیق طرز میں کاتب درویش علی نے لکھا تھا. جب میں نے اس پر ذرا تفصیل سے تحقیق کی تو معلوم ہوا یہ شخص " درویش علی کتابدار کے لقب سے مشہور تھا. اس کا ذکر حبیب السیر میں میر نظام الدین درویش علی کتابدار کے نام سے بھی ملتا ہے۔ ویسے اس کا

---

۱. ڈاکٹر لارنس بنین پینٹنگ ان دی فار ایسٹ۔ نیویارک

(۲) دیوان حافظ مجموعہ مخطوطات پروفیسر شیرانی، نمبر ۶۱۱

۳. مجالس النفائس، ص ۱۴۸ - ۱۴۹

تعلق بلخ سے تھا اور مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ علی شیر نوائی کا چھوٹا بھائی تھا یہ شخص "درویش علی کتابدار کے نام سے مشہور تھا۔ مولانا جامی نے بھی ایک رقعہ میں آپ کو خطاب کیا ہے۔ خاص کر آپ کے مندرجہ ذیل الفاظ درویش علی کے اعلیٰ کاتب ہونے کی تصدیق کرتے ہیں[۳]۔

" صاحب فضل جلی مولانا درویش علی کہ در صنعت کتابت انگشت نماست و در صناعت نظم و غزل فرود بے ہمتا میان اصحاب قلم بخوشنویسی مشہور است و بزبان ارباب بیان 'ولیی' مذکور :

آنکہ پاک ولطیف می گوید　　　　گر قصیدہ دگر غزل 'ولیی' است

پاکستان نیشنل میوزیم کراچی[۴] میں ایک مخطوطہ 'پنج گنج' "مولانا جامی موجود ہے جو مصور بھی ہے اس کی تصاویر مسخ کردی گئیں ہیں اور ان کے رنگ بھی مدہم پڑ چکے ہیں اور خط نستعلیق میں لکھا ہے۔ اس آخیری ترقیمہ یہ ہے (شکل ۲۲)

" تمت الکتاب بعون الملک الوہاب علی ید العبد الفقیر درویش محمد بن امیر سرخ ابن امیر شیخ محمد اسحاق غفراللہ لہم فی دار سادس عشر میں ربیع الثانی سنہ ست وتسعین وثمانمائۃ الہجریۃ النبویۃ الخ ۔"

یعنی یہ اہم نسخہ عین اسی سال لکھا گیا جس سال مولانا جامی کا انتقال ہوا۔ مجالس النفائس[۵] میں ایک درویش محمد کا ذکر ملتا ہے جو فن کار ضرور تھا۔ روغنی رنگوں میں کام کرتا تھا۔ بہزاد کے پاس بطور تلمیذ آیا تھا اور وہیں مہارت پیدا کی تھی۔ بہرحال اس نسخے کی اہمیت بطور قدیم ہونے کے واضح ہے۔ ممکن ہے اور بھی اعلیٰ کاتب اسی زمانے میں مختلف مقام پہ کام کرتے رہے ہوں۔

سلطان مشہدی کے معاصرین میں بعض دیگر کاتب بھی اسی نام 'سلطان علی' سے مختلف مقام پر لکھتے تھے جن میں خاص کر قابل ذکر سلطان علی ادیبی خراسان (بیانی، ص ۲۳۴)، سلطان علی خوارزمی (بیانی، ص ۲۳۴) سلطان علی شیرازی (بیانی، ص ۲۳۵) وغیرہ ہیں۔ جن کے کارنامے اکثر کتب خانوں اور عجائب گھروں میں محفوظ ہیں اور یہ اپنے نمونوں پر کوئی تمیز بھی نہیں کرتے تھے چنانچہ ہم یہاں ایک ایسا ہی نمونہ کا ذکر

۱۔ حبیب السیر، ص ۲۴۹ - ۳۱۳　　۲- روضۃ السلاطین، ص ۱۲۹　　۳- انشاء جامی لکھنؤ ۱۸۸۴ء۔ ص ۵۴

۴۔ مخطوطہ نیشنل میوزیم پاکستان، کراچی، این ایم ۱۰۴۸/۱۹۵۷ء۔　　۵۔ مجالس النفائس، ص ۱۴۵ -

پیش کرتے ہیں جسے "سلطان علی" نے ۸۹۹ھ میں ہرات میں لکھا ہے۔

طرز نستعلیق کی مقبولیت و ہمہ گیری:

متذکرہ بالا سطور میں ہم نے خط نستعلیق کے راہنما گے ارتقا کو میر علی تبریزی سے لے کر سلطان علی مشہدی اور ان کے تلامذہ تک بیان کیا ہے جس نے اس طرز میں اسقدر کمال پیدا کیا تھا کہ محققین نے اسے متفق طور پر سلطان الخطاطین لکھا ہے مگر خط نستعلیق کا جغرافیائی اور تاریخی ماحول بتاتا ہے کہ میر علی تبریزی نے اسے سلطان احمد جلائر کے دربار میں بمقام بغداد لکھنا شروع کیا، اگرچہ اس عہد کا سیاسی تعلق زیادہ تر امیر تیمور سے ہے اس کے جانشین اس کے لڑکے مرزا شاہ رخ نے دارالخلافہ کو سمرقند سے ہرات میں منتقل کر دیا تھا۔ جس سے وسط ایشیا میں ایک ادبی اور ثقافتی انقلاب ضرور رونما ہوا جس کا مرکز اگرچہ ہرات ہی رہا کیونکہ امیر تیمور کی اولاد نے فنون و علوم کی وہ سرپرستی کی جو آج تک اس پیمانے پر نہیں ہوئی اس کی اولاد کو ہرات میں ایک صدی تک متواتر عروج رہا اور ان کے آخری تاجدار سلطان حسین مرزا بایقرا کا انتقال ۹۱۱ھ میں یہیں ہرات میں ہوا جس کی وفات سے ہرات کی مرکزی حیثیت ختم ہوگئی اور اس کے فوراً بعد تبریز میں صفویوں کا عروج ہوا، اور ادھر بخارا میں ازبکوں نے بھی سر ابھارا تھا کہ فن کار جو ہرات سے وابستہ تھے ان میں سے اکثر نے ان مقامات میں پناہ لی جن میں خاص کر قابل ذکر بہزاد اور میر علی ہروی شاہ محمود نیشاپوری اور محمود مذہب جیسے ہیں اور یہیں سے نکل کر بابر نے ۹۳۲ھ میں ہند میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ پھر ہرات کو وہ عروج نہیں ملا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہاں کے پیدا کئے ہوئے فن کاروں نے دیگر مقامات پر جا کر فن و ادب کی ترویج میں خاصہ حصہ لیا اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان تمام ممالک و شہروں میں فارسی زبان و ادب کا بہت چرچا تھا جسے لکھنے کے لئے مشترک طرز نستعلیق ہی بہتر ذریعہ ہے اور یہی ایک رابطہ یکساں تصور کیا گیا۔ اگرچہ ایران کے شہروں میں سے مثلاً شیراز و اصفہان پہلے ہی بہت اعلیٰ معیار پر ثقافتی مقامات تھے مگر وہاں بھی مزید توجہ اسی طرز نستعلیق کی طرف ہوئی اور دسویں صدی ہجری میں صفویوں کے تمام ایران پر اقتدار کی وجہ سے اُسے زیادہ استحکام ہوا، اگرچہ معیار فن میں ہرات کے بعد کوئی خاص زیادہ اضافہ تو نہیں ہوا۔

مگر اسی طرز کو مزید مقبولیت اور استحکام ضروری حاصل ہوا اور یہی زمانہ تھا جب ہندوستان میں بھی اس طرز نے آغاز کیا۔ ہم بعض لکھنے والوں کے کارنامے اپنے اپنے مقام پر بیان کریں گے غرضیکہ اسی طرح ہر مقام پر اعلیٰ لکھنے والے بھی میسر آگئے سلطان علی مشہدی اور اس کے تلامذہ کا تعلق زیادہ تر وسط ایشیا اور ایران تک رہا جن کی وجہ سے ہماری تاریخ خوشخطی آج درخشاں ہے۔

مولانا سلطان علی مشہدی کے تلامذہ

مولانا سلطان علی مشہدی کے تلامذہ[1] کے ضمن میں حیدر دوغلات نے "تاریخ رشیدی" میں مولانا علاوالدین، مولانا سلطان محمد، مولانا زین الدین محمود، مولانا سلطان محمد نور، محمد ابریشمی کا ذکر کیا ہے، جن کے مختصر حالات اور کارناموں کو ہم ذیل میں فرداً فرداً بیان کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ خط نستعلیق نے نویں ہجری کے نصف آخر سے لے کر بعہد سلطان حسین میرزا بایقرا (۹۱۱ھ) اپنے کمال عروج کو پہنچ کر ایک خاص معیار اور قواعد پیدا کر لئے تھے۔ یہ سب سلطان علی مشہدی اور آپ کے تلامذہ کا کارنامہ تھا میں اس تمام کارنامے کو فنون اسلام کی تاریخ میں دور احیائے علوم و فنون کا معراج تصور کرتا ہوں۔ ملا سلطان علی مشہدی اپنے تمام معاصرین اور تلامذہ پر نظر شفقت رکھتے تھے اور ہر ایک کو دوست تصور کرتے تھے اور کبھی اپنی حیثیت یعنی مقام کو تعلی پر تعین و تصور نہ فرماتے تھے۔ وہ صاحب کرتہ اور کفش نہ تھے۔ اپنی تمام عمر مراحل ترقی میں تجرید اور تفرید میں گذار دی۔ خود ہمیشہ غایت درجہ صاف اور پاکیزہ رہے۔ اپنے خط اور اپنے آپ کو اپنی جماعت تلامذہ میں زبوں تر ہی تصور فرماتے رہے۔

ڈاکٹر مہدی بیانی نے متذکرہ بالا تلامذہ کے علاوہ مندرجہ ذیل کو بھی آپ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ پیر علی جامی، محمد قاسم شادی شاہ، عبدی نیشاپوری، شاہ محمود نیشاپوری، میر ہبۃ اللہ کاشانی، رستم علی خراسانی، ملا غیاث الدین، محمد مذہب، ملا محمد سردستانی، مقصود علی ترک، جلال الدین محمود۔ شیخ نور الدین پورانی، عبدالواحد مشہدی، شمس الدین محمد کرمانی جمشید نعمانی اور عبدالصمد[2]۔

۱۔ اورنٹیل کالج میگزین، مئی ۱۹۳۴ء	۲۔ مناقب ہنروراں، ص ۳۶

۳۔ بیانی، ص ۲۵۲	۴۔ ایضاً، ص ۲۵۳۔

بقول صاحب "تاریخ رشیدی"، ملا مشہدی کے تلامذہ میں سوا مولانا علاؤ الدین کے کوئی بھی آپ کی طرح کتابت میں فوقیت نہیں رکھتا تھا۔ لطائف نامہ فخری میں لکھا ہے کہ مولانا علاؤالدین محمد کاتب بھی شہر ہرات میں بڑے خوشنویسوں میں خوب تھا، مگر تذکرہ نگاروں نے آپ کے حالات زیادہ نہیں لکھے اور سنہ آپ کے کارناموں کا کوئی خاص ذکر کیا ہے۔ مناقب ہنروراں میں مشہدی کے تلامذہ کے ضمن میں علاؤالدین محمد رزہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کتابت میں واجب الانشراحی خامہ سحر آثار رکھتے تھے اور ہر دائرہ متشکل ہوتا تھا[۱]

سلطان محمد خنداں: آپ خراساں کے نستعلیق نگاروں میں شمار ہوتے تھے اور تمام عمر ہرات میں میر علی شیر نوائی کی خدمت میں گزار دی۔ طبع لطیف، بے تکلف پائی تھی اور صحبت اہل عیش و طرب کی طرف مائل تھے۔ فرط انبساط کی وجہ سے آپ کا لقب "خنداں" تھا۔ آپ کو شعر، معما اور موسیقی میں دخل تھا نے یعنی بالسری خوب بجاتے تھے، اخوند میر نے اپنی تصنیف خلاصہ التواریخ میں بیان کیا ہے کہ اگرچہ خط نستعلیق میں زیادہ قابلیت تھی مگر نے کو عمدگی سے نوازتے تھے۔ اور اس کا نشہ جنون تک تھا، آپ کی تاریخ وفات ۹۳۰ھ کے بعد ہی تصور کرنا بہتر ہوگا کیونکہ حبیب السیر کے مطابق آپ ۹۳۰ھ میں بقید حیات تھے۔ ہرات میں وفات پائی اور آپ کو محل تخت میر علی شیر نوائی در لب جوئی سلطانی دفن کیا گیا جو بوقیہ کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان علی مشہدی کے تمام شاگردوں سے تھا اور آپ نے اپنے کی روش کتابت کو زیادہ اختیار کیا۔ قوانین خطوط کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ مزہ قلم و قوت کے تصرف میں اپنے استادوں سے خوب بہرہ حاصل تھا، یعنی آپ کے زبردست شاگردوں سے تھا اور آپ کو اس وجہ سے دوسرے تلامذہ مثل سلطان نور وغیرہ پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جب کبھی مشہدی کے سامنے آپ کا لکھا ہوا نمونہ بغیر آپ کے دستخط کے پیش ہوتا تو آپ فرماتے یہ میرے دیوانے شاگرد کا لکھا ہوا ہے یعنی وہ اس قدر آپ کے خط سے مانوس تھے کیونکہ وہ ان کی روش پر لکھتا تھا۔ خاص کر اسے قطعات لکھنے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے تلامذہ میں یاری شیرازی و محمد حسین باخرزی اور محمد قاسم

۱۔ قوانین خطوط، ص ۷۴۔ ۵۶

شادی شاہ بیان کیئے جاتے ہیں اس کی قلم کے لکھے ہوئے اکثر نمونے بصورت کتب متداولہ اور قطعات ملتے ہیں اور وہ ترقیمہ اس طرح لکھتا ہے نسخہ دیوان شاہی (شکل ۲۴، ۲۵، ۲۶)۔

"کتبہ العبد الفقیر المذنب سلطان محمد خندان غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ فی اوائل شہر ربیع الاول سنہ ست وعشرین وتسعمائۃ۔"

مولانا زین الدین محمود علی کو تلامذہ سلطان علی مشہدی میں ایک خاص فوقیت یہ حاصل تھی کہ آپ مولانا کے داماد تھے۔ آپ نیشاپوری الاصل تھے۔ اتفاق سے مسٹر چیسٹر بیٹی کے مجموعہ مخطوطات میں ایک نسخہ "اقوال علی" ہے جس کے ترقیمے سے واضح ہے کہ اسے زین الدین محمود بن میر جان الکاتب نے ۸۹۲ھ میں لکھا ہے۔ میرے نزدیک یہ نسخہ زین الدین محمود کاتب تلمیذ مولانا مشہدی کا ہے کیوں کہ دوست محمد نے حالات ہنروراں میں لکھا ہے!

"از جملہ استادان است دیگر جناب سیادت مآبی کمالات انتسابی نادر العصر فی الزماں مولانا کمال الدین میرجان کہ بہ علی الحسینی اشتہار دارند زبان قلم وقلم دو زبان در تعریف گل گہربار او عاجز و قاصر است لاجرم دراں باب شروع نمی رود۔"

مولانا "میر جان" زین الدین محمود کے والد تھے جو اعلیٰ کتابت و شہرت سے متصف تھے۔ یہ کاتبوں کا ایک خاندان تھا۔ زین الدین محمود کے خط میں پختگی پیر یحییٰ صوفی کے خط نسخ جیسی تھی۔

آپ کے لڑکے مولانا طاہر سے اس طرح سنا گیا ہے کہ سلطان علی نے کلیات میر شہم سہیلی کی کتابت تمام کی تو مولانا زین الدین کی طرف رجوع کر دیا اور فرمایا کہ کیا خوب کتابت ہوئی ہے دانش وروں پر یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی اور آپ نے عربی کتابت کی طرف بھی زیادہ توجہ دی آپ کا انتقال ۹۲۵ھ میں ہوا جب کہ آپ نماز کے لئے تکبیر کہنے والے تھے۔ آپ کتابت گرہ دار یعنی گول اور بامزہ لکھتے تھے اتفاق سے لاہور میں ایک نمائش میں ایک نمونہ خط طغریٰ بصورت تصویر گھوڑا دیکھنے کا اتفاق ہوا جس پر آپ کا نام زین الدین محمود بھی دیا ہے۔ اس سے آپ کا اعلیٰ مقام عیاں ہے۔ بقول مصنف خلاصۃ

۲۔ کتاب خانہ مسٹر چیسٹر بیٹی، ص ۴۰۳۔ وحالات ہنروراں، ص ۱۷۔

التواریخ اپنے معاصرین سلطان محمد نور اور محمد ابریشمی سے بہتر لکھتا تھا مگر مراۃ العالم میں لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک سلطان علی کے بعد کسی نے زین الدین محمود سے بہتر نہیں لکھا۔ آپ کا انتقال ۹۱۸ء میں ہوا مناقب ہنروراں میں لکھا ہے آپ کا تب عالم، خجستہ نہاد اور خاص کر "رب" واحد یوزن الفا، لکھتے ۔ مولانا زین الدین محمود کے تلامذہ میں شہرہ آفاق میر علی ہروی تھا جس کا ذکر ہم ذرا تفصیل سے اس کے بعد کریں گے اور تمام عالم میں مشہور ہوا۔ زین الدین کے لکھے ہوئے اکثر نمونے میں نے دیکھے ہیں مگر سب سے بہترین نمونہ ایک قطعہ یا وصلی کی صورت میں مرقع داراشکوہ میں حسن اتفاق سے انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے۔ یہ قطعہ خطاطی اور تذہیب کاری کا ایک گراں بہا نمونہ ہے جس کی تذہیب مولانا یاری نے کی ہے ۔ (شکل نمبر ۲۷) درمیانی قطعہ :

کاش من بیدل از سگاں تو بودی — هوالسلطان — تا ز مقیمان آستان تو بودی

آں ہمہ دشنامہا کہ داد رقیبم — آہ چہ بودی گر از زبان تو بودی

زاہد اگر قبلۂ جمال تو دیدی — ورد زبانش دعای جان تو بودی

کتبہ زین الدین محمود بدارالسلطنۃ ہراۃ اربع وتسعمائۃ

حاشیہ پر

خواجگان بودہ اند پیش از ما — در عطا سخت مہرست جہار

وین نجیبان عہد ما ہمہ باز — راح خوارند و مستراح انبار

دل از ایشاں ببر کہ بے دریا — نکشد بادگیر چوبیں بار

چوں تو از خر ہیچکس نخوری — کی ترا درد سر شود از خمار

وار ہان خویش را کہ وارستت — غرو حتی زنشتر بیطار

ہر مشتی جہوس رعنا — رنج بر جان و دین و دل مگمار

حررہ یاری المذہب

مولانا یاری مذہب کے متعلق گلستان ہنر میں لکھا ہے کہ آپ ہرات کے متوطن اور استاد بہزاد کے ہم عصر تھے ان میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ غزل عموماً لکھتے تھے ۔ فن تذہیب میں یک تائ

۱- اورینٹل کالج میگزین ۔ اگست ۱۹۴۳ء، ص ۲۴، مناقب ہنروراں، ص ۳۸ - ۴۲ - ۴۳ -

کی وجہ سے وہ عمدہ کاتب بھی تھے۔ میں نے ان کے لکھے ہوئے اکثر نمونے دیکھے ہیں۔ نستعلیق لکھنے والوں میں مشہور تھے۔ ہمیشہ ہرات میں ہی رہے۔ خطاطی کا ایک نمونہ سلطنتی کتب خانہ طہران میں ہے جس کے نیچے لکھا ہے، "مشقتہ العبد یاری"۔ تاریخ رشیدی میں مذہبوں یعنی سونا کاری کرنے والوں کے تحت لکھا ہے،

ملّا یاری مذہب خطاطی کی وصلیوں پر سنہرا سے نقاشی اور زرفشاں کرنے میں ماہر تھا۔ جس کے بعض کارناموں کو ہم نے اس عہد میں پیش کیا۔ اس کی وجہ سے خطاطی اور نقاشی کے نمونوں کو جلا حاصل ہوئی۔ اس کے کارناموں پر بھی "حررہ" لکھا ہے۔ جس کے معنی بہت وسیع ہیں۔ یعنی کتابت کے علاوہ نقاشی اور مذہب نموں پر استاد اپنا کام ظاہر کرنے کی غرض سے لکھ دیتے تھے۔ چنانچہ "مجالس النفائس" میں ہے کہ مولانا یاری شیراز کا باشندہ تھا۔ شیراز سے خراسان آگیا تھا۔ وہ فنی طور پر نقاشی سے منسوب تھا اگرچہ مبتدی تھا۔ میر شیر علی نوائی نے اہل تذہیب سے سفارش کی تھی۔ تھوڑے عرصے میں اچھا نقاش بن گیا تھا۔ اور نقاشی میں وہ بازی لے گیا تھا۔ اس نے عجب نقوش بنائے (شکل ۲۸) میر شیر علی نوائی نے اس سے خاصی شفقت کی تھی۔ مگر اس سے بعض لغزشیں بھی سرزد ہوئیں۔ اس نے بادشاہ اور امیر کی جعلی مہریں بنالی تھیں۔ جب اس جعل سازی کا انکشاف ہوا تو اس نے معافی مانگ لی جو اسے مل گئی۔ یہ امر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جیسا مذہب وجود میں نہیں آیا۔ بقول تاریخ رشیدی وہ ملا "ولی" کا شاگرد تھا۔ مولانا محمود اس سے بہتر مذہب و محرر تھا۔ اور نازک کام کرتا تھا۔ سلطان حسین میرزا کے لئے دیباچہ تیار کیا جو نا تمام رہا تھا۔ اس پر اس نے سات سال کام کیا تھا۔ وہ اس قدر نازک تھا کہ اس میں شاید ہی بند رومی اور اسلیمی کا تجزیہ ہو سکے۔

مولانا یاری اور مولانا محمود ہر دو کے مذہب کیے ہوئے اکثر کارنامے ملتے ہیں۔ وہ کتابت بھی کرتے تھے۔ محمود تو بخارا میں بہت اعلیٰ مصور بھی تھا۔ یاری ۹۵۲ھ میں فوت ہوا۔ مذہب محمود کے متعلق مناقب ہنروراں میں لکھا ہے کہ وہ مولانا میر علی ہروی کا تلمیذ تھا۔[۲]

۱- مرقع دارا شکوہ، انڈیا آفس، لنڈن لائبریری و مضمون عبداللہ چغتائی اورنٹیل کالج میگزین مئی ۱۹۳۷ء - و ایضاً ۱۹۳۴ء ص ۱۶۹ و مجالس النفائس، ص ۱۲۰، ۲۹۹ -

۲- مجالس النفائس، ص ۹۹ -

غرضیکہ کُتاب اس زمانے میں کئی فنی صفات رکھتے تھے اور ایک قطعہ یا وصلی تیار کرنے کے لئے کئی ماہرین فن کو مل کر کام کرنا پڑتا تھا۔ متذکرہ بالا نسخہ "خمسہ نظامی" ٹوپ کپو سرائے استنبول، کی تیاری میں استاد بہزاد، مولانا سلطان علی مشہدی اور یاری نے مل کر کام کیا تھا[3]۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں۔

سلطان محمد بن نور اللہ معروف بہ سلطان محمد نور جو سلطان علی مشہدی کے افضل وارشد تلامذہ میں شمار ہوتا تھا۔ یہ شخص کاتبان و ملازمان میر علی شیر نوائی سے تھا۔ مجالس النفائس[4] میں آپ کا ذکر بحیثیت شاعر سلطان محمد ہروی موجود ہے۔ جب کہ وہ خوب جوان تھا۔ وہ اپنے فن میں تمام ارجمندی تک رسائی رکھتا تھا۔ مصنف حبیب السیر نے بیان کیا ہے کہ تلامذہ سلطان علی مشہدی میں سے کوئی بھی سلطان محمد بن مولانا نور اللہ (سلطان محمد نور) کے خط کے نزدیک نہیں پہنچا ہے سلطان علی اسے فرط محبت سے "فرزند خود" کہا کرتا تھا۔ یہ شخص ہرات کا باشندہ تھا۔ اسے صنعت گران ہرات میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر ہرات میں رہا۔ آخر میں اس نے بخارا کا سفر اختیار کیا تھا اور وہیں اس کا انتقال تریسٹھ سال کی عمر میں ۹۳۵ ھ میں ہوا۔ مصنف حبیب السیر نے آپ کا ذکر احتراماً کیا ہے۔

خط نستعلیق لکھنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ خفی خط نستعلیق لکھنے میں مشہور ہوا۔ راقم نے آپ کے لکھے ہوئے اکثر نمونے دیکھے ہیں جو خط خفی کے بہت اعلیٰ نمونے ہیں۔ بعضوں نے آپ کو 'اظہر ثانی' بھی لکھا ہے اور اسی لقب سے مشہور رہا۔ بعضوں نے آپ کے خط پر سلطان محمد خنداں کے خط کو ترجیح دی ہے۔ تاہم یہ مسّلم ہے کہ یہ ہر دو سلطان محمد نور اور سلطان محمد خنداں تلامذہ (مشہدی) یکتائے روزگار تھے۔ بقول میرزا سنگلاخ یہ بہت ہی زود نویس تھا۔ اس کے خط کے بے شمار نمونے خاص کر تاریخ خطاطی اور مصوری میں بہت بلند پایہ رکھتے ہیں۔ ایک مصور و مذہب نسخہ "ظفر نامہ تیموری از شرف الدین علی یزدی کتاب خانۂ سلطنتی طہران میں موجود ہے جس کا ترقیمہ یہ ہے: (شکل ۲۹)

"کتبہ سلطان محمد نور و ذہبہ میر عضد وصورہ بہزاد ۹۳۵۔"

منتخب اشعار سعدی وجامی، کتابت عالی کا نمونہ ہے۔ کتب خانہ سلطنتی میں ہے جس کا ترقیمہ یہ ہے۔

۱۔ حبیب السیر، ص ۳۵۰، بیانی، ص ۲۷۲، ۲۸۰ ریحان نستعلیق، ص ۲۳۔ ۲۔ مجالس النفائس، ص ۹۹۔ ۳۔ ملاحظہ ہو، ص ۱۶ و شکل ۱۱۔

ایں کتابت کہ نسخہ ایست بدیع	بہر فرزند عزالدین محمود
بندہ سلطان محمد بن نور	درچہ ماہ وچہ سال ثبت نمود
پانزدہ روز رفتہ از رمضان	سال ہجرت، کتابت من بود

اس ترقیمہ کے ابتدائی شعر سے واضح ہے کہ یہ اس نے اپنے لڑکے کے لئے جس کا نام "عزالدین محمود" تھا لکھا تھا اور تیسرے شعر میں "کتابت من بود" سے ۹۲۵ھ سال برآمد ہوتے ہیں جب اس نے اسے لکھا تھا۔

تیس قطعات مرقع بہرام میرزا صفوی کتاب خانہ سلطنتی طہران میں ہیں جن پر لکھا ہے۔

"مشقہ سلطان محمد نور بمدینہ ہراۃ ۔ حررہ ہاشم العبد المذہب وحررہ مولانا یاری المذہب"۔

کتاب خانہ لینن گراڈ میں ایک نمونہ ہے جس پر یہ لکھا ہے:۔

"مشقہ العبد الفقیر سلطان محمد نور تجاوز اللہ بدار السلطنت بخارا حمیت عن البلایا"۔

"ریحان نستعلیق" میں لکھا ہے کہ مولانا سلطان محمد نور نے جسے عام طور پر "اظہر ثانی" کہتے تھے یوسف زلیخا کا ایک نسخہ ناتمام اور نامکمل رہ گیا تھا۔ جسے مولانا میر علی ہروی نے عبدالعزیز خاں والی بخارا کے مجبور کرنے پر مکمل کیا تھا[1]۔ تذکرہ نگاروں نے اظہر ثانی غالباً اس وجہ سے لکھا ہے کہ آپ ہمیشہ اسی کے نقش قدم پر خفی لکھتے تھے۔ مولانا اظہر بھی عموماً خط خفی لکھتے۔ غرضیکہ سلطان محمد نور کے بے شمار نمونے ملتے ہیں۔ راقم نے خود ایک بیاض کا مصور نسخہ دیکھا ہے۔ جسے میرے توسط سے نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ نسخہ بہترین خفی نستعلیق خط میں تھا۔ اس کی تصاویر پر اکثر مصوروں کے اسما تھے۔ جن میں سے محمود، دیوانہ نقاش اور شیخم قابل ذکر ہیں۔

محمد ابریشمی کا ذکر ہم نے اوپر اس طرح کیا ہے کہ آپ تلامذۂ مولانا سلطان علی مشہدی میں سے تھے اور آپ نے ہی اپنے استاد کی قبر کی لوح کا کتبہ لکھا تھا جس سے ہم نے چند اقتباسات درج کیے ہیں[2]۔ آپ بحیثیت کاتب بوجہ سرعت کتابت معروف تھے۔ آپ خوشنویساں میر علی شیر نوائی اور آپ کے موائد احسان کے لئے برخوردار تھے۔ آپ عمدہ شاعر بھی تھے۔ آپ کا انتقال ۹۳۹ھ میں ہوا تھا۔ اتفاق سے ان کی کتابت کا ایک نمونہ "نادعلیا" کتاب

۱۔ ریحان نستعلیق، ص ۲۲۔ ۲ نمونہ خطوط بیانی، ص ۶۳۔

خانہ سلطنتی طہران میں ہے جس کا ترقیمہ یہ ہے : (شکل ۳۰)

العبد الفقیر محمد ابریشمی المشہدی غفر ذنوبہ فی ۹۲۹ھ۔

یہ نمونہ عجیب وغریب طرح لکھا گیا تھا یعنی سیاہ زمین پر سفید حروف اعلیٰ نستعلیق طرز میں ہیں اور حواشی پر ہر سہ طرف اشعار ہیں جو کسی اور کاتب کے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر مصنف گلستان ہنر نے لکھا ہے کہ مولانا سلطان علی مشہدی کے تلامذہ میں سے کئی کام کرتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی زیادہ مذہبی امور میں نام نہیں رکھتے تھے۔ ان میں مولانا ابریشمی بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مناقب ہنروراں میں لکھا ہے کہ ابریشمی ورق کو جلا کرتے تھے۔ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور حریر پر بھی اسی طرح تحریر کرتے تھے[۳]۔ متذکرہ بالا نمونہ جو آج کتاب خانہ سلطنتی طہران میں محفوظ ہے۔ واقعی یہی ابریشمی کیفیت پیش کرتا ہے۔

مولانا پیر علی جامی فرزند مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی تلامذہ سلطان علی مشہدی میں سے تھے۔ جیسا کہ مناقب ہنروراں میں لکھا ہے[۴]۔ آپ کو اپنے والد کی وجہ سے میر علی شیر نوائی کے ہاں رسائی تھی۔ بعضوں نے بوجہ تجنیس خطی آپ کو میر علی ہروی تصور کر لیا ہے جو غلط ہے۔ آپ بوجہ سرعت کتابت مشہور تھے۔ عرصہ تک آپ نوائی کی تربیت میں رہے۔ آپ غالباً ۹۳۳ھ میں فوت ہوئے (شکل ۳۱)، آپ کے قلمی کارناموں میں ظفر نامہ ہاتفی کا ایک نسخہ کتاب خانہ سپہ سالار طہران بکتابت جلی متوسط موجود ہے۔ جس کے ترقیمے میں لکھا ہے۔

"کتبہ العبد الفقیر پیر علی الکاتب الجامی غفر ذنوبہ وستر عیوبہ"۔

اور ایک نسخہ ظفر نامہ والٹر آرٹ گیلری، بالٹی مور امریکہ میں ہے۔ آپ کا لکھا ہوا ایک اور نسخہ دیوان مولانا جامی تاجکستان میں ہے جس کا ترقیمہ یہ ہے۔

"کتبہ العبد الفقیر الحقیر پیر علی بن عبدالرحمان الجامی تجاوز اللہ عنہ فی اواخر رجب المرجب ۹۳۳ھ ثلاث وثلاثین وتسعمائۃ"۔[۱]

ہم یہاں ایک نسخہ "سبحۃ الابرار" جامی کا ابتدائی صفحہ قبل متن پیش کرتے ہیں جس کا کاتب سلطان حسین ہروی (شکل ۳۲) ہے اور یہ نسخہ کبھی شاہان مغلیہ کے کتاب خانہ میں بھی رہا ہے اور آج کتاب خانہ نواب

۳۔ احوال خوش نویساں بیانی، ص ۱۰۶۔ ۴۔ مناقب ہنروراں، ص ۳۸۔ ۱۔ بیانی، ص ۱۰۷۔

سالارجنگ۔ حیدرآباد دکن کی زینت ہے۔ اس صفحے پر کتاب کی قیمت بھی اشرفیوں میں لکھی ہے۔ بقول ڈاکٹر بیانی سلطان حسین ہروی گمنام کاتبوں میں سے تھا۔ وہ اپنا نام نسخوں پر "کتبہ العبد سلطان حسین الہروی" لکھتا تھا اور بخارا میں خانقاہ قطب الاولیا خواجہ محمد پارسا قدس سرہ، میں ۹۶۳ھ میں سکونت رکھتا تھا۔ ویسے اس نام کے دیگر "کتاب" دوسرے مقامات میں بھی اس کے ہمعصر گزرے ہیں اور ان کے بھی کارنامے میسر ہیں[۲]۔

مشہدی کا سلسلۂ تلمذ کی روایات

یہ ایک حقیقت ہے کہ خط نستعلیق نے سلطان علی مشہدی کی ذاتی اور ان کے تلامذہ کی کوششوں اور کارناموں سے دسویں صدی ہجری کی ابتدا میں ایک خاص مستقل حیثیت اختیار کرکے تمام ایران و توران و عراق یعنی عراق و عجم میں پھیل گیا تھا۔ جس کی ابتدا آٹھویں صدی کے اختتام سے عراق میں بمقام بغداد میر علی تبریزی کے ایجاد کرنے سے سلطان احمد جلائر کے دربار میں ہوئی تھی۔ فارسی زبان اس کا سرچشمہ تھی جو بذات خود ایک الگ داستان ہے۔ مگر ہم محض خط کی حد تک دیکھتے ہیں کہ سلطان علی مشہدی اور آپ کے تلامذہ نے جن کا مختصر ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ سلطان حسین میرزا کے دربار میں بے شمار لکھنے والے ماہرین پیدا ہوئے جن کی وجہ سے اس خط کو مزید فروغ ہی نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے جغرافیائی حدود میں بھی خاصہ اضافہ ہوا۔ چنانچہ مشہدی کے تلامذہ نے بھی اپنے ماحول اور مختلف مقامات میں کئی بہتر تلامذہ پیدا کئے جنھیں خاصی شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں سے تاریخ رشیدی کے بیان کے مطابق مولانا قاسم علی شاگرد مولانا ابریشمی۔ قاسم شادی شاہ، شاگرد سلطان محمد خندان اور مولانا میر علی ہروی شاگرد مولانا زین الدین محمود وغیرہ کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے[۳]، ان کا زمانہ در اصل دسویں صدی ہجری کا وسط شمار کرنا چاہیے اور یہی زمانہ ہے۔ جب کہ طرز نستعلیق کو انتہائی عروج بیرون ہرات حاصل ہوا۔

مولانا قاسم علی شیرازی کو صاحب مناقب ہنروراں نے شاگردان میر علی تبریزی میں خوش نستعلیق جلی و خفی لکھنے والا شمار کیا ہے[۳]۔ مگر مصنف تاریخ رشیدی نے آپ کو شاگرد محمد ابریشمی لکھا ہے[۴] اور آپ کے خط کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ اس کا قلم اگرچہ کند تھا مگر غایت مزہ و لطافت و استحکام رکھتا ہے اور اس کا خط تمام خوشنویسیاں سے کم نہیں ہے۔ آپ کو ندیمان سلطان حسین میرزا بایقرا میں سے بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اسے فن معما پر بھی دسترس تھی۔

۲۔ ایضاً۔ ص ۲۳۱، ۲۳۳۔ ۳ مناقب ہنروراں، ص ۶۰۔ ۴ اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۳۴ء، ص ۱۶۵۔

اس کا لکھا ہوا ایک نسخہ خمسہ نظامی اور ایک نسخہ دیوان نوائی کتب خانہ سلطنتی طہران میں ہیں جن کا ترقیمہ یہ ہے[1]:

"کتبہ العبد المذنب الراجی قاسم علی شیرازی"۔

مختلف مخطوطات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کے دو کاتب تھے کیونکہ ان پر جو تاریخیں ہیں وہ نصف صدی دسویں سے لے کر ۹۸۰ھ تک ملتی ہیں اور ان میں سے ایک قاسم علی شاعر کی حیثیت سے "عدیمی" تخلص کرتا تھا۔

قاسم شادی شاہ کے متعلق گلستان ہنر میں لکھا ہے[2] کہ وہ ایک معروف خطاط تھا اور سلطان محمد خنداں کا مد مقابل شمار ہوتا تھا۔ اس کا پورا نام محمد قاسم بن شادیشاہ تھا۔ اس نے کئی خوبصورت قطعات تیار کیے تھے وہ ہر روز اپنے دونوں ہاتھوں میں قلم تھام کر پانچ اشعار لکھ کر پھر اپنے قلم سے درست کیا کرتا تھا۔ اس کا ایک تلمیذ مرزا حسین باخرزی تھا اور ایک شاگرد مولانا دوست محمد ہروی تھا جس نے قرآن کریم کو نستعلیق طرز میں لکھا تھا مشہور کاتب عیشی بھی اس کا تلمیذ تھا۔ قاسم شادی شاہ کا لکھا ہوا دیوان امیر شاہی سبزواری کا ایک نسخہ طہران میں کتابخانہ سلطنتی میں محفوظ ہے جس کا کاغذ سمرقندی، حاشیہ زرفشاں، سرلوح مذہب، مرصع اور بین السطور طلاکاری کی ہوئی منقش ہے۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے:

"کاتب العبد محمد قاسم شادی شاہ غفر ذنوبہا وستر عیوبہا مشہد ۹۵۵"۔

عیشی متقدمین کے نقش قدم پر نستعلیق لکھتا تھا۔ شیراز کا باشندہ تھا۔ مگر ہرات میں سکونت رکھتا تھا۔ ہرات سے مشہد میں آکر سلطان ابراہیم میرزا صفوی کے ہاں کتابت میں مشغول ہوگیا۔ اس کے لکھے ہوئے نمونے ملتے ہیں جن کو ڈاکٹر بیانی نے بیان کیا ہے۔ مگر اس نے ایک نسخہ دیوان شاہ اسمٰعیل صفوی متخلص بہ "خطائی" بھی ۹۶۹ھ میں لکھا تھا۔ اس کا انتقال ۹۸۰ھ میں ہوا[3]۔

میر علی الکاتب

میر علی الکاتب ہروی سادات ہرات سے تھا۔ نستعلیق لکھنے میں بہت مشہور تھا۔ مشہد میں سکونت رکھنے کی وجہ سے آپ کو بعضوں نے مشہدی بھی لکھا ہے۔ غلطی سے آپ کو مولانا نورالدین عبدالرحمان جامی کا فرزند بھی

---

۱ بیانی، ص ۵۰۱ ۲۔ گلستان ہنر، ص ۱۵۴ ۳ بیانی، ص ۵۴۵۔ و مناقب ہنروراں، ص ۱۴،

لکھا ہے۔ کیونکہ مولانا کا فرزند میر علی جو بذات خود کاتب تھا۔ اس تجنیس لفظی کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ مصنف قوانین خطوط نے لکھا ہے کہ میر علی کی مولد "تبت" ہے۔ اگرچہ اکثر نے بالاتفاق آپ کو ہروی لکھا ہے، مگر جب (یعنی سلطان علی اور میر علی) کی کوششوں سے اپنے عروج کو پہنچا اور کوئی دوسرا کاتب یا ماہر خط اس کمال پر نہیں پہنچا تھا۔

تاریخ سے یہ واضح نہیں ہے کہ وہ کب مشہد گیا یا کب مشہد کو خیرباد کہہ کر ہرات میں مقیم ہو گیا اور کب سلطان حسین مرزا بایقرا (۸۷۵-۹۱۱ھ) کے دربار سے منسلک ہو کر بادشاہ کا منظور نظر ہوا۔ جہاں پہلے ہی ماہرین کتاب اور مصورین اور دیگر ماہرین فن کام کرتے تھے۔ چونکہ وہ سادات حسینی سے تھا۔ اس وجہ سے وہ اکثر اپنے نام کے ساتھ "الحسینی" بھی لکھا کرتا تھا۔ اور سلطان حسین میرزا بایقرا کے دربار سے منسلک ہونے کی وجہ سے وہ اپنے نام کے ساتھ "سلطانی" بھی لکھتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ اپنا نام مختصر اور مختلف طریق پر کبھی کبھی اس طرح لکھتا تھا:

"علی"، "فقیر علی"، "میر علی"، "علی کاتب"، "علی سلطانی"، "علی حسینی"، "میر علی کاتب"، "میر علی سلطانی"، "علی ہروی"، "علی حسینی ہروی"، "فقیر میر علی"، "فقیر علی کاتب"، "علی کاتب حسینی"، "علی کاتب السلطانی میر علی الکاتب السلطانی"۔

مصنف گلستان ہنر نے لکھا ہے کہ آستانۂ رضوی پر جو کتبہ آپ نے لکھا تھا (جسے ہم یہاں اس کے حالات میں درج کریں گے) اس میں اپنا نام "خادم آل علی میر علی حسینی" لکھا تھا۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ کتبہ بصورت "وصلی" "مرقع جہانگیر" میں لندن وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم میں موجود ہے۔ اس پر اس نے اپنا نام "بید الفقیر المذنب میر علی الکاتب سنز عیوبہ"[1] لکھا ہے۔ اس کے علاوہ وہ عموماً مقام سکونت یعنی ہرات۔ بخارا وغیرہ بھی اکثر نمونوں پر لکھتا تھا، مگر سال کتابت لکھنے میں بے پروا تھا۔

سلطان حسین مرزا بایقرا کی وفات (۹۱۱ھ) کے بعد سیاسی حالات کی بنا پر وہ ۹۳۵ھ میں ہرات سے ہجرت کر کے بخارا آ گیا تھا۔ جہاں وہ اپنے سال وفات (۹۵۱ھ) تک مقیم رہا اور وہیں دفن ہوا۔ اس کی ایک معاصرانہ شبیہ آج بھی کابل (افغانستان) کے کتبخانہ میں موجود ہے۔ اس پر "صادقی افشار مصور کتاب دار" کے دستخط بھی ہیں۔ یہ مصور صادقی دراصل مظفر علی مصور کا تلمیذ تھا۔ جو بہزاد کا بھانجا اور مولانا حیدر نقاش کا لڑکا تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہماری تاریخ مصوری

م۔ قوانین خطوط، ص ۵۰۔

1- INDIAN BOOK PAINTING BY DRS. KUHNEL AND GOETZ, LONDON, 1926 Pl. 23.

ہیں یہ ایک اہم تاریخی واقعہ ہے۔ بعض لوگوں نے میر علی کو بحیثیت مصور بھی لکھا ہے[۱] اور استنبول میں ٹوپ کپو سرائے میں بعض نمونے بھی موجود ہیں۔ ہم اس کا ایک شاہکار یہاں "شاہ محمود نیشاپوری کے تحت بیان کر چکے ہیں"[۲]

میرا خیال ہے کہ میر علی الکاتب مشہد سے عین ابتدا دسویں صدی ہجری میں ہرات میں آکر مقیم ہوگیا تھا جہاں وہ بحیثیت کاتب متعارف ہوا، کیونکہ اس کے دستخط شدہ خطاطی کے نمونے جو ہمیں میسر ہیں، وہ عام طور پر ۹۰۰ھ سے ملتے ہیں جن سے بعض لکھنے والوں نے یہ تصور کیا ہے کہ وہ ہرات میں آکر دارالانشا سلطان حسین میرزا میں شامل ہوا۔ سلطان بذات خود فنون میں دلچسپی لیتا تھا اور ہنرمندوں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا، مگر بدقسمتی سے یہ تمام فنی ماحول ۹۱۱ھ میں بوجہ وفات سلطان منتشر ہوگیا۔ سلطان کے فرزندوں میں نا اتفاقی کی وجہ سے ۹۱۳ھ میں ملک کی حالت ابتر ہوگئی۔ اس وجہ سے تمام ہنرمند اصحاب نے ہرات سے ہجرت کرنی شروع کردی۔ مگر میر علی وہیں ہرات میں ہی مقیم رہا۔ آخر صفویوں نے شاہ اسمٰعیل کی قیادت میں شیبانیوں کو شکست دی اور شیبانی خاں مقام مرو میں ختم ہوگیا، تو میر علی، کریم الدین حبیب اللہ ساوجی کی حمایت کی بنا پر ہرات میں مقیم رہا جو دراصل صفویوں کی طرف سے ہرات میں عہدہ "آصف" پر متمکن تھا۔ اس کے نام پر خواندمیر نے اپنی تاریخ بنام حبیب السیر تالیف کی تھی۔ یہ ہنر پرور وزیر اس وقت (۹۲۸ھ میں) ادارہ امور ہرات سے متصرف تھا۔ اسے ۹۳۲ھ میں قتل کر دیا گیا۔ میر علی اس کا منظور نظر تھا۔ اس کی مدح میں میر علی نے مندرجہ ذیل مطلع و رباعی کہے ہیں۔ جو حبیب السیر میں بھی درج ہیں۔[۳]

دلا بگو غم و دردم اگر بیابی راہ	بہ پیش آصف عالی گہر حبیب اللہ
اے ذات توفیض بخش با اہل طلب	وز حسن تو گردیدہ فزوں ذوق طرب
تو معدن ملک خودی و دیدہ بخسند	صاحب جاہاں بہ پایت از عین عجب

مندرجہ بالا مطلع اور رباعی نہایت خوبصورت طریق سے کتابت شدہ بصورت وصلی از میر علی ہروی کتبخانہ "

۱- تذکرہ مذکر احباب، نسخہ برلن لائبریری، تفصیل ہذا۔ از BY DR. ANNEMARIE SCHIMMEL, JOURNAL OF THE PAKISTAN HISTORICAL SOCIETY, KARACHI, JULY 1960, PP. 149-166.

۲- ہم محمود نیشاپوری کے بیان میں ایک تصویر (شکل ۲۱) پیش کر چکے ہیں۔ اس تصویر کے نیچے لکھا ہے "حررہ علی الحسینی" ممکن ہے یہی میر علی مراد ہو یا بقول حالات ہنروراں، ص ۱۷، مولانا کمال الدین میر جان، جو "علی الحسینی" کے نام سے بھی مشہور تھا۔

۳- حبیب السیر، ص ۱۱۸/۳/۴۔

ملی پیرس میں موجود ہے، جسے ہم یہاں شائع کر رہے ہیں (شکل ۳۳). میرے نزدیک یہ قطعہ میر علی کے تمام کارناموں میں حسن کتابت اور نفاست کے اعتبار سے یکتائے روزگار ہے. اس میں دو تصویریں یعنی میر علی کی اپنی اور حبیب اللہ کی شبیہات ہیں. تاریخی طور پر یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سام میرزا صفوی شاہ طہماسپ کی طرف سے خراسان کا والی تھا. یہ حالات ۹۳۵ھ تک بدستور رہے حتیٰ کہ عبید خاں ازبک برادر زادہ محمد خاں شیبانی (شیبک خاں)، نے جس نے ماوراء النہر میں سلسلہ ازبکیہ قائم کر لیا تھا. خراسان میں ہنگامہ برپا کر دیا. سام میرزا نے خراسان کو خالی کر دیا اور یہ ملک عبید خان کے تصرف میں آگیا. ان ناگزیر حالات میں وہ امراء، بزرگان اور ہنرمندان شہر کو خراسان سے بخارا علاقہ ماورار النہر میں لے گیا. ان میں میر علی بھی شامل تھا. وہاں اس نے میر علی کو اپنے لڑکے عبدالعزیز خان کی معلمی اور امر کتابت سرکاری پر مامور کر دیا. اس واقعہ پر میر علی نے خود ایک رباعی ترکی زبان میں "باسم خان" خطاب کی ہے. جو نہایت جلی خط میں اس کے دستخط سے لکھی ہوئی آج بھی وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم لندن میں موجود ہے جو درج ذیل ہے.

شکر للہ حالتیم ظاہر لولو بتور یارغہ　　　ایلدی یار اللہ اوزنے کورساتائی اغیارغہ

یار مہرین پنجہ اغیار ایلہ الشیتہ کیشے　　　کاش تاشینی خراسان دیں آکیت بسہ کیشے

۲- INDIAN DRAWINGS BY C.S. CLARK. LONDON, 1922 PL. 23.



"اے خدا میری حالت دوسروں کے لیے معشوق بن گئی ہے۔ جب کوئی زخمی ہو جائے اسے چاہیئے کہ وہ اپنے غم کو دوسروں پر واضح کر دے۔ بشرطیکہ وہ کسی کے عشق کو برداشت کریں اس لیے بہتر ہے کہ خراسان کو خیر باد کہہ دیا جائے للوداع۔"

میر علی بخارا میں :

جب میر علی ۹۳۵ھ میں ہجرت کرکے بخیریت بخارا میں آیا تو اسے وہاں ہرات اصحاب جن کی صحبت تو نصیب نہیں ہوتی مگر اس وقت سلطنت ماوراء النہر کوچہ نجی یا کوچم خاں (۹۱۶-۹۳۰ھ) کے ہاتھ میں تھی جو دراصل محمد خاں شیبانی (شیبک خاں) کا جانشین تھا جس کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا ابوسعید (۹۳۷-۹۴۰ھ) وہاں بادشاہ ہو گیا تھا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے بعد عبید خاں ازبک عبید اللہ خاں مذکور برادر زادہ شیبک خاں بانی سلسلۂ ازبکیہ بادشاہ ہوا تھا۔ میر علی ہروی نے اس کے جلوس کے موقع پر مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا، جو آج بھی اس کے اپنے خط میں نوشتہ بصورت وصلی "مرقع گلشن" طہران میں محفوظ ہے[۱]:

شکر للہ کہ بتوفیق خدائے	گشت مروز جہاں رشک جناں
خسروی خاں زماں شد کہ بادست	فخر شاہاں شرف خلق زماں
حامی ملت و دین نبوی !	ماحی اہل فساد و عصیان
معدن معلم و حیا بحر سخا	خسرو ملکت عدل و احسان
سال تاریخ ز دل جستم گفت	والیٔ ملک عبید اللہ خاں ۹۴۰ھ

مندرجہ بالا قطعے سے واضح ہے کہ میر علی اپنے مربی عبید خاں کے جلوس پر اپنے خلوص دل سے اس کے احساسات کی طرف اشارہ کرکے یہ قطعہ کہہ رہا ہے۔ میر علی ہروی بخارا میں عبید خاں ازبک کے کتابچہ میں مہتمم میں شہزادوں کا اتالیق رہا۔ خاص کر اس نے ان میں سے عبدالعزیز خاں متوفی ۹۵۶ھ کو کتابت کی طرف رغبت دی۔ ہم یہاں ذیل میں اس کا ایک قطعہ پیش کرتے ہیں جو مرقع گلشن طہران میں محفوظ ہے۔ اس سے واضح ہوتا

۱۔ "میر علی ہروی" از عباس اقبال، مجلہ یادگار، شمارہ ۲، ص ۷، ۱، ۳۱ طہران۔

ہے کہ وہ بخارا کے دیگر حالات میں دلچسپی لیتا اور بحیثیت کاتب بہت مشہور تھا۔ جب ۹۴۲ھ میں بخارا میں مدرسہ میر عرب کی تعمیر ہوئی تو آپ نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخی کہا تھا۔[1]

میر عرب قطب زمان غوث دہر | ساخت چنیں مدرسہ ای بوالعجب
بوالعجب اینست کہ تاریخ اوست | مدرسۂ عالی میر عرب ۹۴۲ھ!

یہ عالیشان عمارت جو اسلامی فن تعمیر کا ایک شاہکار ہے آج بھی اپنی اسی شان و شوکت سے بخارا میں موجود ہے۔ سوویٹ یونین روس نے اس عمارت کے چند رنگین مناظر طبع کیے ہیں۔ شیخ عبداللہ جس نے یہ مدرسہ تعمیر کیا تھا، بوجہ اپنے عربی الاصل ہونے کے میر عرب کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ شخص یمن کا باشندہ تھا۔ اس عمارت میں شیخ عبداللہ خود بھی مدفون ہے۔

مرقع گلشن میں ایک قطعہ مندرجہ ذیل محفوظ ہے جسے میر علی نے ۹۴۴ھ میں نہایت زیبا لکھا تھا۔ اس قطعے سے واضح ہے کہ اس نے تمام عمر مشق فن کتابت میں گزار دی۔ اس وجہ سے اس کی کمر چنگ کی طرح دوہری ہو گئی اور تب اس نے معیارِ کتابت کو حاصل کیا۔ تمام شاہانِ عالم اس کے فن کے طالب ہیں۔ جس طرح گدا یا درویش معیشت کی تلاش میں خون پانی ایک کر دیتے ہیں۔" میرا اندروں بوجہ غصّہ اس طرح جل گیا ہے کہ مجھے اس شہر سے باہر نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔" ویسے فطری طور پر یہ ایک طرح حب الوطنی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اصل قطعہ درج ذیل ہے:[2]

لکاتبہ

عمری از مشق دو تا بود قدم ہمچوں چنگ | تا کہ خط من درویش بدین قانون شد
طالب من ہم شاہاں جہاند و مہرا | چوں گدایاں جگر از بہر معیشت خون شد

---

(۱) "میر علی ہروی" ص ۲۲

(۲) ایضاً، ص ۲۲۔

سوخت از غصہ درونم چکنم چوں سازم — کہ مرا نیست ازیں شہر رہ بیروں شد

این بلا بر سوم از حسن خط آمد امروز — وہ کہ خط سلسلہ پائی من مجنوں شد

"الفقیر الحقیر المذنب میر علی الکاتب غفراللہ ذنوبہ وستر عیوبہ فی ۹۴۴ھ ببلدہ بخارا۔"

یہ قطعہ ایک طرح سے فنِ کتابت میں جگر سوزی اور جانکاہی کی طرف اشارہ ہے کہ اس فن میں کمال اس طرح حاصل کیا جاتا ہے کہ ہنرمند اس کا ہو رہے بلکہ اسے اپنے مقام یعنی شہر سے بھی نکلنے تک کی فرصت نصیب نہیں ہوتی اور یہی حالت میر علی کی اپنی تھی۔

مندرجہ بالا قطعہ میں آخری شعر الحاقی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اصل وصلی میں بھی نہیں ہے اور اس کے میر علی کے اپنے ہونے میں بھی شک ہے۔ مگر اس میں لفظ "مجنوں" سے غلام محمد ہفت قلمی مصنف تذکرہ خوشنویساں اور فہرست نگار مخطوطات برٹش میوزیم۔ لندن ڈاکٹر ریو نے میر علی کا تخلص شمار کر کے اسے فرزند کمال الدین محمود بن محمود رفیقی تصور کر لیا ہے[1]۔ حالانکہ مجنون ہروی ایک الگ خوشنویس ہے اور ہر دو مختلف شخصیتیں ہیں کمال الدین مجنون نے دو تین اہم کتابیں فنِ خطاطی پر بنام رسالہ خطِ سواد، رسم الخط اور ناز و نیاز لکھی ہیں اور دو آخری کتب کو سلطان حسین مرزا کے لڑکے ابو المنصور مظفر حسین میرزا کے نام پر مرتب کیا ہے[2] مجالس النفائس حبیب السیر اور تحفۂ سامی میں میر علی اور مجنوں رفیقی دو مختلف شخص قرار دیے ہیں مجنون بھی خطاط تھا اور چپ (بایاں) نویس تھا۔ اورنٹیل کالج میگزین لاہور ۱۹۳۵ء میں مذکورہ بالا رسالے طبع ہو چکے ہیں۔ پروفیسر مولوی محمد شفیع مرحوم اور ڈاکٹر لیسین خاں نیازی نے محمود بن رفیقی کے حالات دیے ہیں۔ مجنوں بن رفیقی کی غزلیں بھی بعضوں نے درج کی ہیں۔

بخارا میں میر علی کی آمد سے کتابت و مصوری اور کتاب سازی کا ایک اور دبستان ہرات کے دبستان کی روایات پر قائم ہو گیا تھا جس کا سہرا میر علی کے مربی ابو الغازی عبد العزیز خاں والئ بخارا کے سر تھا۔

---

(۱) تذکرہ خوش نویساں، ص ۴۹، ۵۳۔

(۲) اورنٹیل کالج میگزین فروری ۱۹۳۵ء، ص ۳۶، ۴۷۔

اس نے بخارا میں اپنے باپ عبید خاں کی وفات کے بعد برسرِاقتدار آنے پر ۹۴۰ھ میں یہ دبستان قائم کیا تھا۔ میر علی پہلے اس کے باپ عبید خاں کے زمانے میں اتالیق مقرر ہوا تھا۔ میر علی ہی اس دبستان کا اوّل منتظم تھا۔ جیسا کہ سیّد بہاؤالدین حسن نثاری نے اپنے تذکرہ "مذکرِاحباب" کے مقدمہ میں اس طرح بیان کیا ہے:[1]

وکتاب خانہ داشت کہ معلوم نیست کہ در ربع مسکون در آں وقت مثل آں بودہ باشد ملک الکتابش میر علی حسینی بود کہ کتابت نسخ وتعلیق رابی بدل نمود و ریحان خطش غبار از چشم بینندہ می زد و باقی کتاب و صافی آبِ حیات در ظلمات جاری مے گردد و مذہبیان و مصورانش تذہیب و تصویر را بہ بدرجہ کمال رسانیدہ بسر موی روی می راستہ کہ در چہرہ کشای سرموی نقصان نداشت و ہر کہ است جارو می ساختند گویا سحری بود اختند و ہر یک در فن خویش مانی ثانی و بہ از بہزاد زاد بود قد کتابدار فضائلمابی مولانا سلطان میرک منشی بود کہ علمی و عملی خطِ نقاشی را چناں ورزیدہ بود کہ وصفش بتقریر راست نمی آید۔

دبستانِ بخارا پر لکھنے والوں نے عام طور پر یہی بیان کیا ہے کہ یہ ایک طرح سے دبستان ہرات ہی کا سلسلہ تھا اور انہی روایات پر قائم تھا۔ یہاں کے فنی کارناموں کے مطالعے سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اس دبستان کی تمام فنی تفصیلات بیان کرنا اس مختصر سرگزشت خطِ تعلیق کی حدود سے باہر ہے۔ تاہم یہ مسلّم ہے کہ بخارا میں علم و اَدب کے ایسے معیاری نسخے تیار ہوئے جن میں سے اکثر کی کتابت میر علی ہروی نے خود کی تھی اور ان کا نگران سلطان میرک کتابدار تھا۔ ان میں سے چند نسخے یہاں ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں جن کا راقم نے خوب مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ ان سے میر علی کی عظمت بحیثیت

---

(۱) مضمون ان اناامیری " جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔

ایک اعلیٰ ہنرمند مسلّم ہو جاتی ہے۔ اس دبستان میں بہزاد کی بجائے ایک اور مصوّر محمود مذہب تھا جو اپنا نام بھی اسی طرح دستخط کرتا تھا۔ یہاں دوسرے اساتذہ بھی میر علی کی ہدایت پر کام کرتے تھے۔

میر علی کے معاصر اعلیٰ فن کاروں میں اوّل آپ کے استاد مولانا زین الدین محمود فن خطاطی میں ماہر تھے اور آپ کے خسر بھی تھے۔ مولانا زین الدین محمود مولانا سلطان علی مشہدی کے تلمیذ اور داماد تھے۔ اس رشتہ کی بنا پر آپ کے مراسم قبلۃ الکتاب سلطان علی مشہدی سے بھی تھے اور دارالانشا سلطان حسین میرزا بایقرا کے رکن ہونے کی حیثیت سے دیگر ہنرمندوں سے بھی معاصرانہ مراسم تھے جن میں مولانا کمال الدین بہزاد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن کے ہمراہ مل کر انہوں نے کئی مصوّر نسخے تیار کیے تھے۔ ان نسخوں میں سے اکثر آج بھی محفوظ ہیں۔ دیگر کتاب میں خاص طور پر سلطان محمد خنداں، سلطان محمد بن نور اللہ مولانا قاسم شادی شاہ و دیگر حضرات تھے[1]۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ خاں عبدالعزیز خاں والئ بخارا کے فرمانے پر میر علی نے ایک نسخہ یوسف زلیخا کا مکمل کیا تھا جسے سلطان محمد نور نامکمل چھوڑ گئے تھے۔

ہمارے سامنے ان تمام ہنرمندوں کے ایسے بے شمار کارنامے ہیں جو ان کے آپس کے اشتراکِ عمل سے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اور وہ آج دنیا بھر میں اسلامی فنونِ لطیفہ کے بہترین شاہکار ہیں۔ مختصراً یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نہ ایسے کارنامے اس کے بعد تیار ہوئے اور نہ ایسے فن کار پھر پیدا ہوئے۔ میرے نزدیک فن خطاطی اور مصوّری کا یہ معراج و ترقی زیادہ تر سازگار ماحول اور حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھی۔

میر علی کے فرزند:

مجھے مطالعہ اور تحقیق کے دوران معلوم ہوا کہ میر علی کے دو فرزند تھے۔ ان میں سے ایک محمد باقر تھا۔ لیلیٰ مجنوں کا ایک نہایت عمدہ لکھا ہوا نسخہ میں نے مسچیسٹ کیمرج ہارورڈ یونیورسٹی باٹن لائبریری

---

(۱) حبیب السیر:۔ ج ۳ - جز ۳: ۴۴۳ - ۳۴۵، ۳۳۲ - ۳۴۸، ۳۵۰، ۳۵۰ -
آئینِ اکبری۔ کلکتہ ۱۸۶۸ء: صـ ۱۱۵ -

امریکہ میں دیکھا جس کا ترقیمہ یہ ہے:

تمت علی ید الفقیر الکاتبین علی الحسینی ستر عیوبہ فی شہور سنہ ثلث ثلثین و

تسعمائۃ الہجرۃ النبویۃ بمدینۃ الھراۃ بہرفرزند محمد باقر طول عمرہٗ (شکل ۳۸)

اس کے علاوہ میں نے ایک نسخہ لیلیٰ مجنوں کا انڈیا آفس لائبریری لندن میں دیکھا جس کا ترقیمہ یہ ہے: (شکل ۳۸)

کتبہ محمد باقر بن ملا میر علی الکاتب بتاریخ شہر ربیع الاول ۹۶۵ھ

اور اسی طرح فلاڈلفیا (امریکہ) کی پبلک لائبریری میں بھی ایک مخطوطہ ہے جس کا ترقیمہ نہایت مطلا و زرفشاں کیا ہوا یوں ہے:

الفقیر المذنب محمد باقر بن میر علی الکاتب غفر ذنوبھما ۹۶۱ھ۔

ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں بعہدِ بادشاہ اکبر نستعلیق لکھنے والوں میں مولانا باقر پسر ملا میر علی مشہور کا ذکر کیا ہے۔ یہ ہندوستان آگیا تھا۔ یعنے میر علی کی اولاد نے ہندوستان میں ہجرت کرلی تھی اور محمد باقر نے خاصا نام پایا تھا۔ اسی طرح محمد اکبر بن میر علی کا لکھا ہوا سوویٹ یونین (روس) میں ایک نسخہ سلامان و ابسال مولانا جامی کا موجود ہے جسے محمد بن میر علی نے ۹۸۹ھ میں لکھا ہے۔ ممکن ہے یہ کاتب بھی میر علی کا لڑکا ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان سب نے میر علی کی روش پر لکھا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ میر علی کی روایات کتابت آپ کی اولاد کے ذریعے بھی برابر برقرار رہیں اور ہندوستان تک ان کا اثر ہوا۔

میر علی کے فنی کارنامے:

میر وی ہروی کے بے شمار اصلی خطی کارناموں کا میں نے قریب قریب مشرق و مغرب کے ہر بڑے کتاب خانے میں مطالعہ کیا ہے۔ ان کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل امر ہے۔ ان میں زیادہ تر خطی نسخے ایسے ہیں جن پر آپ نے اپنا نام مع تاریخ و مقام تحریر بھی ثبت کیا ہے۔ جس طرح وہ اپنا نام مختلف طریق سے لکھتا تھا۔ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار قطعات ہیں جن پر آپ نے اسی طرح اپنا نام وغیرہ تحریر کیا ہے۔ میں نے ان تمام نمونوں کو اس طرح تقسیم کیا ہے (الف) خطی نسخے

جن پر تاریخ، نام اور ان میں سے بعض پر مقام کتابت درج ہے۔ یہ نسخے ستر کے قریب ہیں۔ (ب) وہ نسخے جن پر اس کا نام ہے مگر تاریخ کتابت وغیرہ نہیں ہے۔ قریب پچیس ہیں۔ (ج) قطعات وغیرہ جو مختلف مرقعوں میں محفوظ ہیں۔ قریب اڑھائی سو۔ یہ میں نے خود دیکھے ہیں اور انہیں اپنے پاس محفوظ کیا ہے جن میں سے بعض پر نام کے علاوہ "تاریخ کتابت اور مقام تحریر بھی درج ہے۔ ان تمام سے میر علی کی اپنی سوانح کا اہم حصہ عمدگی سے تیار کیا جا سکتا ہے اور بہت ہی مفید معلومات ہیں جن کی پوری تفصیل کے لیے ایک طویل مقالہ چاہیئے۔ بہر حال تحفۃ الاحرار جامی کا نسخہ ہنری سیملی کے مجموعہ میں ۹۰۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے لکھے ہوئے نمونوں سے یہ بھی تعین ہو جاتا ہے کہ اس نے ہرات سے رجب المرجب ۹۳۵ھ کے بعد ہجرت کی تھی کیونکہ ایک نسخہ بوستان افغانستان میں ہے جس کے ترقیمہ میں اواخر رجب المرجب ۹۳۵ھ لکھا ہے اور وہ اسی سال بخارا پہنچ گیا تھا کیونکہ دو نسخے مناجات خواجہ عبید اللہ انصاری اور ترجیع بند جامی طہران میں ہیں جن کے ترقیمہ میں "فی سنہ ۹۳۵ھ بلدہ بخارا" لکھا ہے۔ ایک نہایت شاندار خطی نسخہ بوستان سعدی جو ہرات میں ۹۳۲ھ میں لکھا گیا تھا۔ آجکل آستانۂ شیخ صفی الدین اردبیل میں محفوظ ہے۔ میں نے کوشش سے اسی کا قدیم ترین نمونہ ۹۰۱ھ کا دیکھا ہے جو ہرات میں لکھا گیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم کما حقہٗ اس کے تمام کارناموں کا نہ احاطہ کر سکتے ہیں اور نہ ہم ان کے متعلق کسی قسم کی کوئی اطلاع وثوق سے پیش کر سکتے ہیں۔ میرے لیے یہ امر نہایت مشکل ہے کہ ہر ایک نسخے کو فرداً فرداً یہاں بیان کروں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ میر علی بہت ہی بلند پایہ نستعلیق لکھنے والا منفرد کاتب تھا۔

میر علی کی وفات:

میر علی کے سال وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے لکھے ہوئے نسخے و قطعات کثیر تعداد میں ملتے ہیں۔ ان کے اکثر تلامذہ یا متبعین نے بھی اس کی روش پر لکھا۔ اور بعض نسخوں میں اپنا نام لکھنے کی بجائے اس کا نام لکھ دیا ہے اس وجہ سے خاصہ مغالطہ ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے، کہ میر علی الکاتب اور بعض دوسرے ہنرمندان کا ایک مخطوطہ نواب حبیب الرحمن شروانی کی لائبریری حبیب گنج

میں ہے اور دوسرا نسخہ برلن جرمنی میں ہے۔ اس سے واضح ہے کہ عبدالعزیز بہادر خاں والیٔ بخارا نے ایک دبستان قائم کیا تھا جس کے میر علی ہروی مدیرِ اعلیٰ تھے۔ اس میں لکھا ہے کہ مرزا بیگ نے خواب میں میر علی کاتب سے ملاقات کی اور آپ کی تاریخِ وفات دریافت کی۔ جواب میں کہا: "میر علی فوت نمودہ" جسے میرزا بیگ نے یوں نظم کر دیا:

آں بحرِ فضائل سرِ اربابِ ہنر را   در واقعہ دیدیم باطوارِ ستودہ
گفتیم کہ تاریخِ وفات تو چہ گوییم   گفتا کہ بگو "میر علی فوت نمودہ"

جس سے ۹۵۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔ آپ کا انتقال بخارا میں ہوا[1] اور آپ کو بخارا کے مشہور قبرستان فتح آباد نزد قبر شیخ سیف الدین باخرزی دفن کیا گیا۔ یہ بخارا کا قدیم قبرستان ہے۔ یہاں کئی دیگر علماء و صلحا مدفون ہیں۔

میر علی الکاتب کے تلامذہ:

میر علی کی شہرت بحیثیت کاتب بہت جلد دُور دراز تک پہنچ گئی تھی اور اکثر ماہرین نے آپ سے تلمذ حاصل کیا۔ جب ۹۳۵ھ میں آپ ہجرت کر کے بخارا میں آ گئے تو ہرات کی روایات پر مبنی بخارا میں مستقل طور پر ایک خاص دبستان آپ کے زیرِ ہدایت قائم ہوا، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس حالت میں آپ کے اکثر تلامذہ بھی آپ سے براہِ راست استفادہ کیا او اور آپ کی روش پر لکھتے رہے۔ بعض نے محض آپ کے لکھے ہوئے نمونوں کی نقل کر کے استفادہ کیا اور آپ کے تلمیذ کہلائے۔ اس ضمن میں اکثر نے آپ کے تلامذہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان میں سرِ فہرست خواجہ محمود شہابی کا نام ملتا ہے جس کا والد خواجہ اسحاق شہابی سیاوشانی آپ کے ہمراہ بخارا کی ہجرت میں بھی تھا۔ صاحب مراۃ العالم نے آپ کی روش پر لکھنے والوں کے یہ نام بیان کیے ہیں۔ مولانا محمد حسین تبریزی و مولانا حسن علی مشہدی و میر معزی کاشی و میرزا ابراہیم اصفہانی، میر احمد مشہدی اور مولانا شاہ محمود نیشاپوری۔ ان میں سے ہر ایک

---

(۱) اورینٹل کالج میگزین۔ فروری ۱۹۲۵ء ص ۴۳۔

مولانا میر علی کو نستعلیق لکھنے میں اپنا مقتدا تصور کرتا تھا۔ چنانچہ ہم ذیل میں ان چند ماہرین کو جنہیں آپ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تلمذ رہا ہے، بیان کرتے ہیں۔ یہ حضرات بھی طرزِ نستعلیق کی اشاعت اور فروغ میں بڑا حصہ لیتے رہیں ہیں۔[1]

خواجہ اسحاق شہابی سیاوشانی اپنے بال بچوں سمیت ہرات سے ہجرت کر کے بخارا آیا تھا۔ بخارا میں وہ اپنے لڑکے محمود شہابی کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اسے آپ فنِ خط کی تعلیم دیں۔ محمود شہابی نے تھوڑے ہی عرصے میں خطِ نستعلیق میں کمال پیدا کر لیا، اور کمال الدین محمود شہابی سیاوشانی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے لکھے ہوئے قطعات و کتب نستعلیق خط میں اکثر ملتی ہیں۔ اس نے اپنے استاد میر علی کی روش کو اختیار کیا اور کمال کو پہنچا۔ چونکہ یہ اپنے استاد کی روش پر لکھتا تھا اس وجہ سے بعضوں نے اس کے خط کو استاد کے خط پر ترجیح دی ہے بلکہ وہ اپنے خط کو میر علی سے منسوب کر دیتا تھا اور میر علی خود بھی کہا کرتا تھا کہ اس نے ایک شاگرد پیدا کیا ہے جو اس سے بھی بہتر لکھتا ہے۔ ایک مرتبہ میر علی اس سے ناراض ہو گیا تھا تو مندرجہ ذیل اشعار میں اس کا اظہار کیا:

خواجہ محمود آنکہ یکچندی	بود شاگرد این فقیر حقیر
بہر تعلیم او دلم خون شد	تا خطش یافت صورت تحریر
در حق او نرفتہ تقصیری	لیک او ہم نمیکند تقصیر
مینویسد ہر آنکہ از بد و نیک	جملہ را میکند بنام فقیر

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب محمود نے ان اشعار کو سنا تو اس نے کہا مولانا نے غلطی سے برا بھلا کہا ہے میں تو جو کچھ بھی برا لکھتا ہوں آپ سے منسوب کرتا ہوں۔[2]

عالم آرائے عباسی میں لکھا ہے کہ مولانا میر علی کے دو تلمیذ تھے جن کو اہلِ ہرات، عراق و خراسان اعلیٰ

---

(۱) ڈاکٹر مہدی بیانی: ص ۸۷۶۔ ج ۳۔ ۱۹۳۵ء

(۲) اورینٹل کالج میگزین۔ اگست ۱۹۳۴ء۔ از "مراۃ العالم" ص ۴۸۔

کاتب تصور کرتے تھے۔ ان میں سے ایک تو متذکرہ بالا کمال الدین محمود شہابی سیاوشانی تھا اور دوسرے سیدی احمد الحسینی شمع ریز جنہوں نے براہِ راست آپ سے علم الکتابت حاصل کیا تھا۔ مؤخر الذکر کے والد آستانہ رضویہ مشہد کی خدمت شمع ریزی پر متعین تھے جس کی وجہ سے آپ کو سید احمد شمع ریز بھی لکھا گیا ہے۔ مشہد سے آپ ہرات میں میر علی کی خدمت میں آکر تلامذہ کے زمرہ میں منسلک ہو گئے تھے[۱]۔ خط میں اتنی ترقی کی کہ میر علی کے خط اور آپ کے خط میں تمیز مشکل تھی۔ جب میر علی ہرات سے بخارا آگئے تو سید احمد نے بھی بخارا کا ارادہ کیا۔ پہلے آپ پیدل بلخ گئے جہاں سے بخارا میر علی کی خدمت میں آکر کتاب خانۂ عبدالعزیز ازبک میں کتابت پر مامور ہو گئے۔ مصنف قوانین خطوط، جو آپ کا معاصر تھا۔ لکھتا ہے کہ جب میر علی بخارا میں مقیم تھے تو سید احمد بھی آپ کی خدمت میں وہاں آ گئے۔ اور مدت تک شاگردی کرتے رہے۔ جب میر علی کی وفات ہوئی تو کتاب خانۂ عبدالعزیز حاکم بخارا میں استاد کی جگہ متعین ہو گئے۔ جب ۹۸۰ھ میں عبدالعزیز کی وفات ہوئی تو آپ اپنے وطن مشہد آ گئے۔ اس کے بعد آپ شاہ طہماسپ کے دربار تبریز میں گئے اور ہندوستان بھی آئے جو الگ طویل داستان ہے حتیٰ کہ ۹۸۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

قاضی احمد قمی صاحب گلستانِ ہنر کا بیان ہے کہ میں دو مرتبہ مشہد گیا اور دونوں دفعہ اراغت سے میں نے میر سید احمد مشہدی سے تعلیم خط حاصل کی اور اس کے شاگردوں میں شامل ہوا۔ وہ منتظم آدمی تھا۔ انہوں نے میرے لیے مفردات و مرقع میرے نام پر تحریر فرمایا اور مدت تک یہ تحفہ میرے پاس محفوظ رہا۔ پھر انقلاب زمانہ اور ناسازیٔ روزگار سے دست برد حوادث ہو گیا۔ آپ کے شاگردوں میں مشہد مقدس میں مولانا حسن علی اور مولانا علی رضا ہیں جو نستعلیق لکھنے میں ماہر تھے بلکہ مصنف مناقب ہنروراں نے محمد رحیم مشہدی، مولانا قانعی، محمد حسین تبریزی و باباشاہ اصفہانی کو بھی شاگردانِ سید احمد میں شمار کیا ہے۔ اگرچہ باباشاہ کے متعلق یہ تسلیم کرنے میں ذرا تامل ہوتا ہے کیونکہ یہ شخص کبھی بھی اصفہان سے باہر نہیں گیا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ سید احمد خود بھی کبھی اصفہان آیا ہو[۱]۔

---

(۱) گلستان ہند (انگریزی)

مشہور خوشنویسوں میں سے میر معز الدّین محمد کاشانی نے احتراماً سیّد احمد کی وفات پر ایک قصیدہ کہا جو تاریخ مرگ مُلّا محمد حسین تبریزی خوشنویس پر بھی مطابقت کرتا ہے۔ اس کے تین اشعار مندرجہ ذیل ہیں؛

مرید خط خطِ سیّد احمد مشہد — کہ دست قدرتش از روی خط کشو و قلب

وحید دہر محمد حسین تبریزی — کہ از سحاب قلم می نخشاند ور خوشاب!

کہ ایں دو کاتب قدرت لو — نوشت کاتب تقدیر قبلبہ الکتاب

ویسے قاضی احمد قمی سیّد احمد کو کتابت میں میر علی کے برابر ہی تصوّر کرتا ہے اور اہلِ مشہد اسے محمود شہابی سیاوشانی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے بے شمار فنّی کارناموں میں سے چند مندرجہ ذیل نمونے بیان کیے جاتے ہیں مثلاً نسخۂ دیوان غزلیات امیر شاہی سبزواری ۹۸۲ھ۔ ایک نسخہ لوائح جامی برائے امیر سلطانی مراد خاں الحسینی ۹۷۸ھ۔ نسخہ نزہت العاشقین ۹۷۰ھ۔ یہ نمونے مرقعات میں لینن گراڈ، استنبول و ہندوستان وغیرہ میں محفوظ ہیں۔ وہ عموماً اپنا نام اس طرح لکھتا تھا احمد الحسینی۔ احمد الحسینی مشہدی الکاتب وغیرہ۔

میر حسین حسینی مشہور بہ میر کلنگی، میر علی کے سات مشہور تلامذہ میں سے تھا۔ اس کے خط میں ہر طرح اپنے استاد میر علی کے خط کی جھلک تھی۔ بخارا میں ہی اسے میر علی کی شاگردی کا شرف حاصل ہُوا۔ وہ کئی سال تک خوشنویس اور کتابدار کتابخانہ عبداللہ ثانی امیر بخارا (۹۶۴-۱۰۰۶ھ) رہا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے نمونوں پر کبھی "کتابدار سلطانی" "کاتب الخاقانی" لکھا کرتا تھا۔ اگرچہ وہ بخارا میں مدّت تک رہا مگر بعض اوقات وہ اپنے نمونوں پر اپنا اصل نسف بھی اس طرح لکھتا تھا۔ میر حسین الحسینی المشتہر بمیر کلنگی النسفی۔ اس کی تاریخ وفات مناقب ہنروران کے مطابق ۹۸۳ھ ہے۔

اس کے فنی کارناموں میں گلستانِ سعدی، یوسف زلیخا، جامی، بوستانِ سعدی، دیوان حافظ وغیرہ ہیں۔ ان کے ساتھ مقامِ کتابت بخارا بھی درج ہے۔

ایک نسخۂ بوستانِ سعدی طہران میں ہے جس کا ترقیمہ یوں ہے:

"علی ید اضعف العباد میر حسین الحسینی الکاتب الکتابدار السلطانی فی بلدہ بخارا"

ایک نسخہ دیوان حافظ کا حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں ہے، یہ فن کا بہت ہی شاندار نمونہ ہے۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے:

"العبد میر حسین الحسینی المشہور بمیر کلنگی الراجی فی سنہ ثمان وسبعین وتسعمائہ من الہجرۃ النبویہ فی دار الخلافہ بخارا حمیت عن الافات"

ایک اہم نسخہ بیاض اشعار ہے جس کا ترقیمہ یہ ہے:

"العبد میر حسین الحسینی المشہور میر کلنگی تحریر فی ۹۸۲ھ"

ڈاکٹر مہدی بیانی نے اپنی تالیف احوال و آثار خوش نویسان میں اس کے مشہور نمونوں کی تعداد قریب بیس مختلف کتب خانوں سے درج کی ہے جن کو میں نے متذکرہ بالا سطور میں درج کر دیا ہے۔[1]

یہ ممکن ہے کہ کسی مجموعے میں اس کے دیگر نمونے بھی موجود ہیں جن سے یہ شہادت میسر آ جائے کہ وہ بعہد اکبر ہندوستان میں موجود تھا۔ فی الحال ایسی کوئی شہادت موجود نہیں۔ صرف آئینِ اکبری کے حوالے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ آخیر عمر میں ہندوستان آ گیا تھا۔ بعضوں نے اس کی وفات ۱۰۰۶ھ بھی لکھی ہے۔

اتفاق سے میر سید حسین کلنگی کی قلم کا لکھا ہوا ایک مخطوط رباعیات میر سید جامہ باف خفی قلم ہی کتابخانہ مرحوم سید نصر اللہ تقوی طہران میں ہے جو لاہور میں لکھا گیا تھا۔ اس مخطوطے سے اس کی موجودگی لاہور میں بعہدِ بادشاہ اکبر واضح ہو جاتی ہے۔ ابو الفضل نے اکبر کے عہد میں نستعلیق لکھنے والوں میں میر حسین الحسینی "المشتہر بمیر کلنگی" کا نام بھی درج کیا ہے تو اس امر کی توثیق ہو جاتی ہے کہ وہ اس عہد میں ہندوستان کے شہر لاہور میں موجود تھا۔ ہم نے اس کا ذکر لاہور کے تحت بھی کیا ہے۔[2]

علی رضا تبریزی بزرگ ترین خوش نویسان عہدِ صفوی میں سے تھا اور وہ تبریز کا باشندہ تھا

---

(۱) مہدی بیانی ص ۱۶۴ - ۱۶۶ -

(۲) آئینِ اکبری ص ۱۱۵ و مہدی بیانی ص ۱۶۶

نے ابتدائی تعلیم تبریز میں ملا علا بیگ تبریزی کے ہاں حاصل کی تھی اور وہیں اسے کتابت کی طرف بھی رغبت ہوئی۔ اس کے بعد وہ تبریز سے قزوین آ گیا اور قزوین کی مسجد جامع میں مسکن اختیار کیا اور وہاں ملازمت فرہاد خاں قراماں امرائے دربار شاہ عباس ماضی میں داخل ہو کر کتابت میں مشغول ہوا اور یہیں سے یہ امیر بوجہ تربیت و رعایت اسے ماژندراں اور خراسان اپنے ہمراہ لے آیا۔ شاہ عباس کو آپ کے جوہر کا علم ہوا تو اصفہان میں دربار صفوی سے منسلک ہو گیا۔ یہاں اسے شاہ عباس کے سفر و حضر میں رفاقت کا موقع ملا۔ اسی وجہ سے وہ اکثر اپنی کتابت کے نمونوں کے سامنے لفظ "عباسی بھی لکھتا تھا۔[1]

وہ زیادہ تر خط نسخ و ثلث لکھنے میں ماہر تھا کیونکہ اسی نے اس عہد کی عمارات کے کتبات لکھے تھے مگر خطِ نستعلیق میں اس نے میر علی ہروی کے نمونوں سے مشق کی تھی۔ جیسا کہ مراۃ العالم میں لکھا ہے کہ ملا میر علی کے مرقعے اور اس کے خط سے جو اسی طریق سے جمع کیے ہوئے تھے جس ترکیب سے ملا میر علی نے ان کو لکھا تھا ملا میر علی رضا نے اسی طرح لکھا تھا اور تمام مرقعے کو اسی دستور کے مطابق مجلی کیا گیا۔ جس کے اوّل دو صفحے طریقہ اویس خط ملا کے تھے، اور اس کے دائیں طرف دو نمونے ملا علی رضا کے تھے تا کہ داد خوش نویسی ادا کریں۔ اس لحاظ سے اکثر لکھنے والوں نے علی رضا کو میر علی ہروی کا تلمیذ قرار دیا ہے۔ علی رضا نے میر علی کی روش اختیار کر لی تھی۔ بعضوں نے اس کے نستعلیق خط کا میر عماد سے بھی مقابلہ کیا ہے۔[2]

علی رضا عباسی کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے مگر یہ صحیح ہے کہ اس نے طویل عمر یک صد و بیست سال پائی تھی۔ غالباً ۱۰۴۰ھ میں فوت ہوا، از روئے خطاطی و ہفت قلم بھی مشہور تھا۔ کتاب خانہ سلطنتی طہران میں اس کے لکھے ہوئے نستعلیق خط کے اکثر نمونے ملتے ہیں جن پر لکھا ہے: "کتبہ العبد الافقر الاحقر المذنب علی رضا عباسی غفر ذنبہ ۱۰۰۸ء وغیرہ" اور آستانۂ قدس مشہد پر جو کتبات لکھے وہ بہت مطلا و مذہب کیے ہوئے ہیں۔

---

(۱) مہدی بیانی ص ۴۵۶۔

(۲) اورنٹیل کالج میگزین۔ اگست ۱۹۳۴ء ص ۵۳۔

بابا شاہ اصفہانی نستعلیق لکھنے والوں میں ایک خاص امتیاز رکھتا تھا اور کوئی اس مقام تک کم پہنچا ہے۔ صاحب مناقب ہنروراں نے بیان کیا ہے کہ اس کا خط درجۂ اعجاز رکھتا ہے۔[1]

صاحب ریاض الشعراء نے آپ کو کوہ پایہ عراق سے تصور کیا ہے اور اصفہان میں محض نشو ونما ہوئی تھی، اسے شاگرد میر علی شمار کیا ہے۔ اور آٹھ سال کی عمر سے میر علی کے ہاں مشق خط کرتا رہا مگر صاحب مناقب ہنروراں نے ان سے ۹۹۵ھ میں ملاقات کی تھی جبکہ وہ جوان تھا۔ وہ اپنے حالات کی وجہ سے "رئیس الرؤسا" کے لقب سے ملقب تھا۔ ان سے محمد قطب الدین یزدی شاگرد مالک دیلمی اور مؤلف رسالہ قطبیہ نے بھی ۹۰۵ھ میں اصفہان میں ملاقات کی تھی۔ اسکندر بیگ منشی نے بھی آپ کا ذکر عالم آرائے عباسی میں خطاطوں کے ذکر کیا ہے۔ اس نے تعلیم خط کے متعلق ایک بے نظیر رسالہ نظم کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے حروفِ مقطعات کے قواعد کو بھی اسی طرح نظم کیا تھا۔ اس کا انتقال ۱۰۱۲ھ میں ہوا اور مشہد رضوی میں دفن ہوا۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ وہ بغداد میں دفن ہوا۔ وہ خطاط کے علاوہ مصور بھی تھا۔ ۱۹۳۱ء میں جب لندن میں بین الاقوامی ایرانی فنون کی نمائش ہوئی تو وہاں جامی کی تصنیف "سلسلۃ الذہب" کا ایک مصور نسخہ آیا تھا جسے بابا شاہ نے ۹۷۷ھ میں لکھا تھا۔ یہ نسخہ کتابخانہ سلطنتی طہران میں محفوظ ہے۔ وہ شاعر بھی تھا۔ خلاصۃ الاشعار میں اس کے چند اشعار و رباعیات وغیرہ ملتے ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے کہ بابا شاہ نے یہ اشعار خود خوش خط لکھ کر مجھے ارسال کیے تھے۔ ہفت اقلیم کے مصنف امین رازی نے بھی لکھا ہے کہ آپ کے خط میں غایت درجہ عزوبیت تھی اس نے زندگی میں عراق و عجم کی خوب سیاحت کی تھی۔ بابا شاہ نے ایک رسالہ "آداب المشق" کے نام سے خطِ نستعلیق کے متعلق بھی لکھا تھا جو بعضوں نے میر عماد کی طرف بھی منسوب کیا ہے مگر وہ بابا شاہ ہی کا ہے۔ اصل نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ہے۔ کچھ عرصہ ہوا مولوی محمد شفیع مرحوم نے اس کا متن چھاپ دیا تھا جو اس وقت راقم کے پیشِ نظر ہے۔ اس کے ترقیمے میں لکھا ہے:

"کتبہ و مصنفہ بابا شاہ الاصفہانی غفر اللہ ذنوبہ"

---

(۱) اورینٹل کالج میگزین - مئی ۱۹۵۰ء۔

یہ نسخہ پہلے بیجاپور کے شاہی کتب خانے میں تھا۔ پھر ۱۰۹۰ھ سے مغلیہ کتاب خانے میں آگیا تھا۔ بہر حال یہ متن بہت ہی اہم ہے۔ اس کے متن میں اس نے ابتدا میں مولانا سلطان علی مشہدی کا ذکر کیا ہے اور آگے چل کر مولانا میر علی افضل الکتاب کا ایک مندرجہ ذیل قطعہ پیش کیا ہے:

پنج چیز ست کہ جمع نگردد با ہم | ہست خطاط شدن نزد خود امر محال
دقت طبع و ہولی زخط و قوت دست | طاقت محنت و اسباب کتابت بکمال
گر ازین پنج یکی راست قصوری حاصل | ندہد فائدہ گر سعی نمائی صد سال

اسی طرح باباشاہ کے خط کے بہت سے اور نمونے آج بھی محفوظ ہیں جن میں سے ہم نے سلسلۃ الذہب جامی کا حوالہ اوپر دے دیا ہے۔ ایک نمونہ بصورت قطعہ خزینہ اوقاف استنبول میں موجود ہے۔ جس پر لکھا ہے "کتبہ العبد المذنب باباشاہ العراقی غفر ذنوبہ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق عراق سے بھی تھا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

سیاسی انقلاب اور نستعلیق:

وسط ایشیا میں سیاسی اور مذہبی بحران دراصل سلطان حسین میرزا بایقرا کی وفات (۹۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوا جبکہ اس کی اولاد میں سے کوئی بھی اس کی چھوڑی ہوئی سلطنت کو مرحوم کی روایات کے مطابق برقرار نہ رکھ سکا۔ اس کا دربار ہرات تمام وسط ایشیا میں شان و شوکت سے بھرپور اور علم و فن کا مرکز تھا، اس کی وفات کے بعد وسط ایشیا دراصل صوبوں اور علاقوں میں تقسیم ہوا جب کہ محمد شیبانی خاں ازبک نے جسے عام طور پر شیبک خاں بھی لکھا جاتا ہے، خراسان پر یورش کی اور ہرات پر ۹۱۳ھ میں قابض ہوگیا۔ اس کا سلسلۂ نسب براہِ راست چنگیز خاں سے ملتا ہے۔ اس نے سوائے بابر اور بدیع الزماں بن سلطان حسین میرزا کے باقی سب شہزادوں کے خراسان سے باہر کر دیا — بدیع الزماں بھاگ کر شاہ اسمٰعیل کے پاس تبریز آگیا تھا اور خود شیبانی خاں نے ۹۱۵ھ میں کرمان پر حملہ کرکے شاہ اسمٰعیل کو ناراض کر لیا تھا۔ دونوں میں آخر ۹۱۶ھ میں جنگ ہوئی کیونکہ دونوں کے درمیان ہتک آمیز لہجے میں خط و کتابت بھی ہوئی تھی۔ شاہ اسمٰعیل نے خراسان پر چڑھائی کر دی اور مرو کے

قریب مقام طاہر آباد پر دونوں میں فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں ازبکوں کو شکستِ فاش ہوئی اور شیبانی خاں مارا گیا۔ اس کی عمر اس وقت اکسٹھ سال تھی۔ اس نے گیارہ سال حکومت کی۔ وہ مذہباً کٹر سُنّی تھا اور شیعوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اس وجہ سے شاہ اسمٰعیل نے بوجہ اپنی شیعت کے اس کے جواب میں ایسا ہی کیا۔ پھر بھی اس وقت ایک رسمی صلح ہو گئی تھی مگر دلوں میں رنجش باقی تھی آخر کار ازبکوں نے غجدوان (نزد بخارا) کی جنگ میں اپنا انتقام لے لیا۔ جس میں بابر اور اس کے ایرانی رفیقوں کو شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں شیعوں کے اکثر اکابر اور عمائد جن میں نجم ثانی بھی تھے، قتل کر دیے گئے۔ حالات سے متاثر ہو کر بابر نے بھی مصلحتاً شیعیت کی طرف میلان ظاہر کیا تھا، جس سے اس کی وسط ایشیائی سنی رعایا میں کسی قدر بے چینی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

بابر، ۹۱۷ھ میں تھوڑی مدت کے لیے سلطنت صفویہ کا باجگزار ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں اس نے اپنے دارالسلطنت سمرقند میں آئمہ اثنیٰ عشرہ اور شاہ اسمٰعیل صفوی کے نام پر اپنے سکّے مضروب کرائے اور اپنے علاقے میں شیعی طور و طریق رواج دیے۔ بابر کو اپنے والد عمر شیخ میرزا کی وفات کے بعد ماورا النہر میں اپنی آبائی سلطنت حاصل کرنے کے لیے مدت تک سعی و کوشش کرنی پڑی، مگر اسے ازبکوں کے مقابلے میں ہمیشہ ناکامی ہی ہوتی رہی۔ اسی اثنار میں جب شاہ اسمٰعیل نے ازبکوں کو، ۹۱۷ھ میں شکست دی تھی تو بابر اس وقت کابل میں تھا۔ اس نے شاہ اسمٰعیل سے مدد طلب کی تو احمد بیگ اور شاہ رُخ افشار وہاں شاہ اسمٰعیل کے حکم سے آ گئے تھے۔ بابر نے ان کی مدد سے سمرقند پر پھر قبضہ کر لیا اور اپنے آبائی تخت گاہ سمرقند میں واپس آ گیا تھا۔ بابر نے اپنی توزک سے یہ تمام واقعات قلم انداز کر دیے ہیں۔ عام طور پر ہندوستان کے مؤرخین بابر کو سمرقند کو خود مختار حاکم بتاتے ہیں اور شاہ اسمٰعیل کے ساتھ اس کے تعلقات کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ البتہ احسن التواریخ حسن شاملو اور تاریخ رشیدی مؤلفہ مرزا حیدر دوغلات نے، جو شہنشاہ بابر کا خالہ زاد بھائی تھا، بیان کیا ہے مگر جب بابر نے ہندوستان فتح کیا اور مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی اور اپنے سکے مضروب کیے تو ان پر اربعہ خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی درج کیے ہیں۔

اس کے مقابلے میں جب ہم اس زمانے میں صفویوں اور عثمانیوں کے تعلقات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کی زیادتیوں کی وجہ سے اسلام کا شیرازۂ اتحاد پراگندہ ہوگیا تھا اور اسلامی قوت میں نمودار ہوگیا تھا میں یہاں محض جنگ چالدراں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ں نام کے مقام پر ۹۲۰ھ میں تبریز سے تقریباً بیس فرسخ دُور، ترکوں اور ایرانیوں میں ہوئی۔ اس جنگ میں کئی ہزار ہر دو جانب سے کھیت رہے۔ لیکن بالآخر میدان ترکی توپ خانہ کے ہاتھ رہا اور شاہ اسمٰعیل کو پسپا ہو کر پیچھے ہٹ جانا پڑا اور ۱۶ رجب ۹۲۰ھ کو یہاں ترکوں کا قبضہ ہوگیا۔

جان سکولم نے تاریخِ ایران میں لکھا ہے کہ شاہ اسمٰعیل کو اس شکست کے بعد پھر مسکراتے کبھی نہیں دیکھا گیا اور ملاطفت آمیز پر معذرت خط سلطان سلیم کو ترکیہ ارسال کیا۔ سلیم نے گو اس کا کوئی جواب نہیں دیا مگر اس نے فوراً ترکی زبان میں عبید خاں ازبک کو لکھا اور ترغیب دی کہ شیعوں کو چین سے نہ بیٹھنے دو، جس کا نتیجہ ہے کہ ازبکوں اور صفویوں میں ہمیشہ ہی جنگ و جدال رہا۔

اس تمام متذکرہ بالا سیاسی کشمکش کا یہ نتیجہ ہُوا کہ وسط ایشیا جو ۹۱۱ھ تک ایک عظیم تیموری سلطنت کی صورت میں منسلک تھا اس وقت اس کا مرکز ہرات تھا، سلطان حسین میرزا کی وفات کے فوراً بعد یہ تمام ماحول اس طرح منتشر ہُوا کہ صفویوں کی سلطنت ایران مستقل طور پر مستحکم ہوگئی اور اس کا اوّل مرکز تبریز قرار پایا تھا۔ اگرچہ آج تہران ہے۔ ماوراءالنہر میں ایک الگ سلطنت ازبکوں کے تحت بخارا میں قائم ہوئی۔ ترکیہ پہلے بھی الگ تھا لیکن اب اس کے تعلقات وسطِ ایشیا سے بالکل ختم ہوگئے۔ اِدھر ہندوستان میں جو اس وقت لودھیوں کے زیرِ نگیں تھا۔ ظہیر الدین بابر نے کابل کے راستہ سے بجور واٹک اور بھیرہ کو عبور کر کے سلطان ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی جو یہاں چار صدیوں سے زائد برسرِ اقتدار رہی۔

روایات میر علی الکاتب:

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہرات کی سلطنت کے خاتمے کی وجہ سے تمام ماہرین کتّاب، مصوّر، اور وراق وغیرہ جو دربار ہرات سے منسلک تھے، اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ

میر علی ہروی بخارا میں آگیا تھا۔ بہزاد مصوّر اور محمود شاہ نیشاپوری کاتب تبریز میں آگئے تھے۔ کئی ہنرمندوں کو شاہزادہ بدیع الزمان اپنے ہمراہ لے کر جان بچانے کے لیے ترکیہ روانہ ہوگیا۔ اسی طرح کئی ہنرمند بابر اور اس کے لڑکے ہمایوں کے ہمراہ ہندوستان بمقام آگرہ آگئے تھے۔

غرضیکہ اس سیاسی انقلاب کے بعد خطِ نستعلیق کا دائرہ مزید وسیع ہوگیا۔ اور بے شمار ماہرین مختلف علاقوں میں میسّر آگئے۔ ان کی فنی روایات زیادہ تر وہی تھیں جو ہنرمندانِ ہرات کی تھیں۔ اگرچہ طرزِ نستعلیق کی ابتدا آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر بغداد میں میر علی تبریزی کے ہاتھوں سلطان احمد جلائر کے دربار میں فارسی مخطوطوں کے لکھنے کے لیے ظہور میں آئی تھی لیکن ہرات اس کے فروغ و ترقی کا اہم ترین مرکز بن گیا تھا۔ یہاں خطِ نستعلیق کو جو ترقی ہوئی اس کی روداد ہم نے دسویں صدی ہجری کے نصف اوّل تک بیان کر دی ہے۔ اب ہم ذیل میں نستعلیق کی سرگزشت دسویں صدی کے نصف آخر سے بالخصوص پاک و ہند میں اور ساتھ ساتھ دوسرے مقامات پر گیارھویں صدی تک بیان کرتے ہیں۔

متذکرہ بالا سیاسی انقلاب کے تحت ہم نے بیان کیا ہے کہ ۹۱۱ھ سے (وفات سلطان حسین کے بعد) کس طرح انقلاب رونپذیر ہوا اور یہ تمام فنی روایات ایران، ترکیہ اور ہند و پاک میں بابر کے آنے سے وسیع ہوگئیں اور بے شمار ماہرین اور ہنرمند ہند و توران کے مختلف علاقوں میں منصہ شہود پر آگئے۔ یعنی یہ فنی انقلاب عظیم میر علی ہروی الکاتب کی وفات بمقام بخارا کے بعد رونما ہوا۔ یعنی روایاتِ فن اس طرح مزید پھیل کر مستحکم ہوگئیں۔ ہمایوں بن بابر بادشاہ ۹۴۵ھ میں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر شاہ طہماسب صفوی کے ہاں ایران چلا گیا اور وہ وسط ایشیا اور ایران کے ماحول میں قریب دس سال رہا اور واپسی پر اپنے ہمراہ میر سید علی تبریزی، خواجہ عبدالصمد شیریں قلم و ملا فخر مجلّد جیسے ماہرِ فن لے آیا جنہوں نے اپنے اپنے ماحول کے مطابق مغل دربار میں بھی فنّی روایات کا اجراء احیا کیا۔ اس طرح براہِ راست رابطہ بھی قائم ہوگیا۔ اس فن کے خاص میدان میں یہ تمام جغرافیائی حدود بھی نظر نہیں آئیں گی بلکہ ایک یک جہتی نظر آئے گی۔ مغل دربار میں طرزِ نستعلیق نے ایک خاص

امتیاز حاصل کیا۔

جہاں تک روایات طریقہ نستعلیق اور کتابت کا تعلق ہے، مَیں اسے واضح کر دوں کہ اس میں میر علی الکاتب کا بہت زیادہ حصّہ ہے اور لوگ عام طور پر اپنا تلمذ فن اس سے زیادہ وابستہ کرتے تھے۔ بلکہ بعض ایسے قلمی مسودات یا مخطوطے بھی میسّر آ جائیں گے جن کا آغاز توران میں ہُوا۔ اور ان کی تکمیل ادھر ہند میں ہوئی۔ بلکہ اکثر خطاط خود اپنے کارناموں کو لے کر سلاطین اور شاہان ہند کے درباروں میں آئے تاکہ ان کی سرپرستی اور اعانت حاصل کریں۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق میں اکثر شواہد اور کارنامے ملیں گے مگر اس کے لیے تبریز، قزوین و اصفہان میں بعہدِ شاہ عباس ماضی اور بخارا میں بعد وفات میر علی کاتب شیبانیوں کے معاصر درباری اور دوسرے کتاب کے کارناموں کا جائزہ لینا ہوگا جو بالخصوص خطِ نستعلیق میں ماہر تھے۔

اس عہد کی ثقافت پر لکھنے والوں نے شاہ عباس کو "شاہ دنیا" اور خان بخارا کو "خان زمانہ" کر کے بیان کیا ہے۔ اور اکثر ماہرین کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس عہد میں ترکی ماہرین خط کی کتابت کے اکثر نمونے ملتے ہیں مگر وہ زیادہ تر تعلیق طرز کے ہیں جو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ تاہم موسیٰ بیگ جس کا اردبیل میں انتقال ہُوا نستعلیق لکھنے میں کمال رکھتا تھا۔ مولانا محمد رضا چرخ تاب مشہدی و عیسےٰ بیگ بن محمد شاطر۔ میر وجیہ الدین خلیل اللہ حسینی جو عم قاضی احمد قمی، میر محمد شریف، نیری۔ میر عماد سیفی، سیّد از قزوین جسے عام طور پر میر علی ثانی کہتے تھے (جس کا تذکرہ ہم یہاں الگ دے رہے ہیں) کیونکہ وہ عموماً میر علی کی طرزِ کتابت کا اتباع کرتا تھا۔ میر خلیل اللہ، مولانا باقر خوردہ کاشانی، حسین حکیم رکنا مسعود (جس کا ذکر ہم الگ تحت شاہجہاں کر رہے ہیں) مولانا شمس الدین محمد الکاتب لنسطامی، مولانا سلطان حسین تونی تلمیذ میر محمد حسین باقرزی، مولانا محمد ابن عقیل تلمیذ محمد حسین تبریزی، مولانا نظام الدین علی رضا تبریزی جو میر علی کے نمونوں کی نقل کیا کرتا تھا اور مولانا نعمت اللہ جو زیادہ تر نسخ لکھنے میں مشہور تھا۔

اسی طرح ابوالفضل نے آئین اکبری میں بھی آئین تصویر خانہ کے تحت میر علی ہروی کے ضمن میں مشہور ماہرین کتاب نستعلیق کا ذکر سلطان علی مشہدی کے ذکر کے بعد اس طرح کیا ہے کہ وہ

فروغ فہم عالی کی روش میں تغیر نمایاں ہو کر تصوف یادگار ہو کر رہ گیا اور لوگوں نے میر علی سے اپنے اور مولانا سلطان علی کے خط میں فرق دریافت کیا جس کو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے لیکن جو ماہرین کتابت آپ سے متاثر ہوئے ان میں شمس الدین کرمانی، مولانا جمشید نعمانی، سلطان حسین خجند مولانا عشی، غیاث الدین مذہب مولانا عبدالصمد، مولانا حسن علی مشہدی، میر معزی کاشی، میرزا ابراہیم اصفہانی اور آپ کا لڑکا محمد باقر جو ہند میں آگیا تھا کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے میر علی کے نمونوں سے کافی استفادہ کیا۔

ان تمام متذکرہ بالا کاتبوں کے نمونے ضرور کہیں نہ کہیں محفوظ ہیں جہاں ہماری رسائی نہیں ہے چنانچہ کچھ عرصہ ہوا نشریہ دانش کدہ ادبیات اصفہان کے شمارہ اوّل ۱۳۴۴ھ میں ایک نسخہ دیوان خطائی یعنی دیوان شاہ اسمٰعیل صفوی کا ایک نسخہ کا بیان مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا جس کے ترقیمہ میں یہ اطلاع ملتی ہے "کتبہ العبد الرغی بالقداۃ العشی الفقیر عیشی" مورخہ ۹۶۹ھ یہ نستعلیق کا بہت نایاب نمونہ ہے۔ راقم نے کچھ مزید نمونے اس کاتب عیشی کے دیکھے ہیں۔ مولانا عیشی نے تبریز و ہرات میں تربیت پائی۔ مشہد میں آکر مقیم ہو گیا۔ کتاب خانہ میرزا ابراہیم صفوی میں ہنرمند تھا۔ اشعار کہتا تھا۔ ۹۸۰ھ میں فوت ہوا۔ صاحب مناقب ہنروراں نے بیان کیا ہے کہ مولانا عیشی شاگرد محمد قاسم شادی شاہ کا تھا اور ایک لحاظ سے استاد سے بہتر لکھتا تھا۔

محمد حسین تبریزی :

عام طور پر دسویں صدی ہجری کے دوران اکثر بڑے خطاطوں کے تذکرے میں ان کا تلمیذ محمد حسین تبریزی بیان کیا جاتا ہے۔ مگر محمد حسین تبریزی کا تذکرہ بذات خود ایک جگہ میسر نہیں ہے۔ بہر حال یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دراصل آذربائیجان سے تعلق رکھتا تھا اور شہر تبریز میں پیدا ہوا تھا اور ماحول علماء و اجلہ فضلاء و نخبہ خوش نویساں عصر و سرآمد ہنرمندان زمانہ تھا۔ مناقب ہنروراں میں عالی آفندی نے اس کا ذکر کیا ہے[1] کہ اسے قدرت تحریر و قوت قلم اور

(۱) مناقب ہنروران ص۵۴۔

مختلف علوم کے علاوہ اشعار سے بھی شغف تھا۔ چنانچہ اسے وحید زمان شمار کیا ہے۔ اس کے خط میں دو شاگرد زیادہ تر مشہور ہوئے۔ ایک میر عماد قزوینی اور دوسرا علی رضا عباسی تبریزی جنہوں نے اپنے استاد محمد حسین کے نام کو تازہ کیا۔ وہ ابتدا میں علم ادب اور لُغت عرب سے مستغنی ہو کر کتابت کی طرف متوجہ ہُوا اور روز بروز ترقی کرتا رہا۔ اس فن کے حاصل کرنے کے بعد وہ نچلا نہیں بیٹھا بلکہ استاد میر سید احمد مشہدی، جو استاد عصر مشہور تھا، کے پاس خط کی تعلیم لینے خاص طور پر مشہد میں آیا۔ اور مدت دراز تک اس کے ہاں مشق کی۔ حتیٰ کہ وہ زمانے میں مشہور ہُوا۔ اور اس کے "تلامذہ اس کے ہاں تعلیم خط کے لیے جمع ہونے لگے اور اس سے کسب فیض سے مستفید ہوئے۔ اکثر تلامذہ دُور دُور سے سفر کر کے اس کے ہاں آئے تھے۔ اس نے میر عماد اور علی رضا عباسی ہر دو کی نسبت سے قلم کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں۔ مندرجہ ذیل دو اشعار بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں:

بجہتہ میر عماد : قلم راچہ داندا ہر بوالہوس — قلم زن شناسد قلم را و بس

بجہتہ علی رضا : فرا پیش یک مرد صاحب قلم — نیاید صد پہلوے تیغ زن!

تبریز کی اکثر عمارات پر اس کے لکھے ہوئے کتبات موجود ہیں جن میں سے مساجد، معابد کے محراب، مینار اور گنبد شامل ہیں۔ گلشن ہنر کے بیان کے مطابق اس کے باپ کا نام مولانا عنایت اللہ تھا۔ اس نے مشہد مقدس میں آ کر امیر سید احمد مشہدی سے تلمذ حاصل کیا تھا جو بذاتِ خود میر علی ہروی کا تلمیذ تھا۔ اس وجہ سے اس کو بالواسطہ میر علی سے تلمذ کا فخر حاصل ہے۔ وہ مشہد سے عراق گیا تھا مگر شاہ اسمٰعیل صفوی ثانی کے عہد میں اسے مدار کا عہدہ ملا۔ یعنی سرکاری عمارتوں پر کتابت لکھنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ محمد حسین تبریزی کے قلم کے لکھے ہوئے اکثر نمونے استنبول میں ٹوپو گپو سرائے کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں۔

راقم نے انہیں خوب دیکھا اور مطالعہ کیا ہے۔

میر عماد الحسنی سیفی:

میر عماد ایرانی الاصل تھا۔ نستعلیق لکھنے والے ہزارہا خوش نویس پیدا ہوئے جنہوں نے اس طرز خط کو حد اعجاز تک پہنچانے کی پوری سعی کی اور اپنے خط کے نمونے بطور یادگار چھوڑ گئے مگر میر عماد

لطافت قلم و قدرت کتابت میں ید بیضا تھے۔ آپ کا خط بغیر کسی اصلاح کے استوار اور خوش اندام تھا۔ خواہ آپ نے خفی یا جلی لکھا، اس میں ایک شیرینی تھی۔ میر عماد کو شعر و شاعری کا بھی مذاق تھا۔ آپ کے اکثر قطعات وصف خط میں ملتے ہیں۔ چنانچہ ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

تا کلک تو در نوشتن اعجاز نماست　　　بر معنی اگر لفظ کتر نا رواست

ہر دائرہ ترا فلک حلقہ بگوشش　　　ہر مد ترا مدت ایام بہاست

عبدالباقی نہاوندی مؤلف مأثر رحیمی نے میر عماد سے ۱۰۰۷ھ میں ایران میں ملاقات کی، جس کا ذکر اس نے اس طرح کیا ہے:

"سیادت و نقاہت پناہ وحید الزمانی میر عماد قزوینی کہ در نسخ تعلیق خط نسخ بر خطوط استادان سابق کشیدہ قطعہ نوشتہ نزد لیبہ کمینہ بود۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ میر عماد کا شہرہ بحیثیت خطاط اس کے اپنے زمانے میں بھی دوسرے ممالک کی اطراف تک گونج رہا تھا اور آپ کے قطعات لکھے ہوئے ایران، توران اور ہندوستان و ترکیہ تک گراں قیمت پر خریدے جاتے تھے اور شاہان زمانہ ان کو اپنے کتاب خانے میں فخریہ رکھتے تھے۔

مستقیم زادہ نے اپنی "تالیف تحفۂ خطاطین میں میر عماد کا نام" محمد" اور آپ کے والد کا نام "حسن" بیان کیا ہے۔ مگر عبدالحمید ایرانی اور موسیو کلیمان ہوار فرانسیسی نے بیان کیا ہے کہ میر بمناسبت لقب "عماد الملک" تھے۔ چنانچہ اس نے خود اس لقب کو اس طرح اپنے ایک نمونہ پر لکھا ہے:

"کتبہ الفقیر الحقیر المذنب عماد الملک الحسنی السیفی غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ فی ۱۰۲۳ھ۔"

تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق میر عماد کو ۱۰۲۴ھ میں اصفہان میں قتل کرا دیا گیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ترسیٹھ سال بیان کی جاتی ہے۔ اس طرح آپ ۹۶۱ھ میں قزوین میں پیدا ہوئے تھے۔ خط میں آپ کے اوّل اساتذہ عیسیٰ رنگ کار اور اس کے بعد مالک دیلمی بیان کیے جاتے ہیں۔ شاہ

طہماسپ اوّل کی وفات کے بعد آپ امام زادہ کی تولیت پر گنا باد میں گماشتہ تھے جہاں کئی سال رہے۔ ۹۸۴ھ میں میر عماد گنا باد گئے تھے اور وہاں عیسیٰ زنگ کار سے تعلیم کتابت حاصل کی تھی۔ مالک دیلمی کی وفات ۹۶۶ھ میں ہوئی۔ اس اعتبار سے میر عماد مشکل سے اس وقت عمر کے پانچ مرحلے طے کر رہا تھا۔ میر عماد کے اساتذہ میں ملّا محمد حسین تبریزی کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے اور میر قزوین سے نکل کر تبریز اسی کے ہاں تعلیم کے لیے گئے تھے۔ جہاں تعلیم خط حاصل کی۔ گلستان ہنر کے بیان کے مطابق میر حجاز بھی گئے اور واپس آ کر شاہ عباس صفوی کے زمانے میں چند سال کے لیے آپ سمنان میں حکومتِ فرہاد خاں و دامغان و بسطام و طبرستان و خراسان میں ہمراہ ملازمت رہے۔ جب ۱۰۰۷ھ میں فرہاد خاں از دست اللہ وردی خاں مارا گیا تو میر عماد خراسان سے قزوین یا گیلان پھر واپس آ گئے۔ مصنّف گلستان ہنر کے مطابق قزوین میں رہے اور شاہ عباس کی ملازمت سے محترز رہے مگر اصفہان آ کر شاہ کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ میر عماد ترکیہ بھی گئے مگر جلد واپس آ گئے تھے۔ غرضیکہ میر عماد اصفہان میں سولہ سال مقیم رہے اور یہاں تلامذہ کی ایک خاصی تعداد تیار کی جن میں سے اکثر اساتذۂ خط ہوئے ہیں۔ ان میں قابل ذکر نور الدین محمد لاہیجی، عبدالرشید دیلمی، میر ابراہیم پسر میر خود، ابو تراب اصفہانی، عبدالجبار اصفہانی، محمد صالح خاتون آبادی، درویش عبدالجبار اقی، گوہر شاد دخترِ میر خود، شامل ہیں۔ ان میں سے ہر کاتب اپنے اپنے مقام پر امامت کا درجہ رکھتا ہے۔ ان میں سے اکثر کے تذکرہ کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ بظاہر میر عماد اصفہان میں دربار شاہ عباس سے منسلک تھے۔ اور بے شمار قطعات وغیرہ اس عرصے میں انجام پائے اور اکثر نمونوں پر شاہ عباس کی مدح میں اشعار بھی ملتے ہیں۔ اس مقبولیت شاہ کی وجہ سے اکثر لوگ حاسد ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں آپ کا مدِ مقابل کاتب علی رضا عباسی تھا جو عداوت میں دریغ نہ رکھتا تھا۔ شاہ نے میر کے لیے ستر تومان ارسال کر کے دریافت کیا کہ اگر شاہنامہ درخواست کی کہ ایک سال کے بعد کسی کو ارسال کر کے دریافت کیا کہ اگر شاہ نامہ لکھا جا چکا ہے تو ارسال کر دیا جائے۔ میر نے یہ تسلیم کیا کہ شاہ نامہ کے اوّل ستر اشعار لکھے ہیں اور کہا کہ وجہ سرکاری اس سے زیادہ کفایت نہیں کرتی۔ جب یہ پیغام شاہ

نے سُنا تو سخت ناراض ہُوا اور ان اشعار کو واپس کر دیا۔ میر نے اسی مجلس میں ان اشعار کو قینچی سے الگ کر دیا اور اپنے تلامذہ میں ان کو بانٹ دیا اور کافی مدّت تک کتابت نہ کی۔ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ہر بیت کے مقابلے میں ایک تو فہرست کا مان ہونا چاہیئے۔ اس طرح ستّر تومان شاہ کے بھیجے ہوئے حاصل ہو چکے ہیں۔ جب شاہ کو اس ماجرا کی اطلاع ہوئی تو رنجیدہ خاطر ہُوا۔ اگرچہ یہ روایت ایک افسانہ معلوم ہوتی ہے لیکن چونکہ متواتر بیان کی جاتی ہے اس لیے اسے یہاں بیان کیا گیا۔

میر عماد سنّی مذہب سے وابستگی کی وجہ سے مشہور تھا اور ادھر شاہ عباس کا شیعیت میں ظاہری طور پر درجہ غلو تک پہنچا ہُوا تھا جس کی وجہ سے انتہا قتلِ میر تک پہنچی۔ بلکہ بعضوں نے باختلاف روایت بیان کیا ہے کہ شاہ عباس نے کہا:

"کسی نیست مرا از دست ایں مرد خلاص کند"

یا

"کسی نیست مرا از دست ایں سنّی نجات دہد"

عالم آرائے عباسی میں لکھا ہے:

"از غلو تشیع یا رفع مظنۂ تسنن کہ عامہ مردم قزوین بداں متہم ہستند"

شب کو میر غسل جمعہ کے لیے حمام کی طرف نکلا اور مقصود بیگ کی دعوت پر اس کے مکان پر آیا تو اسے وہاں تاریکی میں قتل کر دیا گیا۔ جب صبح ہوئی اور واقعہ سے آگاہی تو شاہ کو بہت رنج و افسوس ہُوا۔ شاہ نے حکم دیا کہ میر کے قاتل کو باقاعدہ سزا دی جائے۔ مگر لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ یہ قتلِ میر، شاہ کے اشارے کے بغیر نہیں ہُوا تھا۔ علی قلی والہ نے بمناسبت واقعہ اس شعر کو ریاض الشعراء میں درج کیا ہے:

خوش آں کہ شب کشی و روز ایم بر سر کہ آہ ایں چہ کس است و کہ کشتہ است اورا

قتل سے میر کا جسدِ خاکی زمین پر تھا۔ کسی کو جرأت نہ تھی کہ اسے اٹھائے۔ حتیٰ کہ ابو تراب

خوش نویس شاگرد اور خلیفہ میر عماد نے اس کام کو انجام دیا۔ شیعہ لوگوں نے شاہ کے حکم سے جنازۂ میر کی تعظیم کی اور اس کے تلامذہ، امراء و شاہزادگان نے اس میں شرکت کی اور اس کے جنازہ کو مسجد مقصود بیگ واقعہ دروازہ طوقچی میں سپردِ خاک کیا گیا۔ یہ مسجد جو مسجد بیگ وزیر بیوتات کی طرف منسوب ہے، آج بھی اصفہان میں موجود ہے۔ میر کے قتل کی خبر فوراً ترکیہ، ہند، ایران و توران میں پھیل گئی۔ بعض شہروں میں آپ کے قتل پر مجالس سوگوار منعقد ہوئیں۔ جہانگیر بادشاہ نے ہندوستان میں افسوس ظاہر کیا اور تعزیتی مجلس بھی منعقد کی۔ متذکرہ تلامذۂ میر نے وفات کے بعد مرثیہ کہا اور میر کی قبر پر سنگِ لوح بھی نصب کیا۔ متذکرہ بالا تلامذۂ میر میں سے میر ابراہیم اور گوہر شاد آپ کا لڑکا اور لڑکی تھے۔ اس کے بعد میر کے تمام عزیزوں کو ترکیہ اور ہندوستان جلاوطن کر دیا گیا۔

میر بذاتِ خود آزاد مرد، بلند نظر تھا۔ اس نے خود رسالہ بعنوان "آداب المشق" لکھا، یا یہ رسالہ اس کی طرف منسوب ہے۔ اس نے نفحات الانس جامی اور تکملۃ النفحات عبدالغفور لاری و دیگر بے شمار کتب کی کتابت کی ہے۔ اس کے کارناموں میں عربی عبارت کو نستعلیق میں لکھنا۔ مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ کافی مشہور ہے۔ ایران میں اسے طبع کر دیا گیا ہے اور لطافتِ قلم و ندرتِ کتابت سے یدِ بیضا کا نسخہ بھی پیش کیا ہے۔ میر عبدالغنی تفرشی معاصر خوش نویس شاعر بھی تھا۔ اس نے ایک رباعی میں میر کی تعریف کی ہے۔ اسی طرح عبدالباقی نہاوندی مؤلف مآثر رحیمی نے میر سے ۱۰۰۰ھ میں ایران میں ملاقات کی تھی اور اس کے نزدیک میر عماد، نسخ تعلیق اور نسخ لکھنے میں سبقت لے گیا تھا۔

ابتدا میں میر نے بروش میر علی ہروی لکھنا شروع کیا۔ اسی وجہ سے احمد قمی نے گلشنِ ہنر میں لکھا ہے کہ وہ طریقہ خط میر علی کی تقلید اور پیروی کرتا تھا۔ حالانکہ بذاتِ خود میر کی وفات سے سولہ سترہ سال قبل فوت ہو چکا تھا۔ مناجات جو حضرت علی کی طرف منسوب ہے، اس کے دو مرقعے ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو میر علی اور دوسری میر عماد کی لکھی ہوئی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اور میر عماد نے اسے عمدگی سے ہو بہو نقل کیا ہے اور وہی خوبی اور کشش قائم رکھی ہے۔

جب میر عماد اصفہان آ گیا تھا تو اسے وہاں بابا شاہ کاتب کے قطعات سے واسطہ پڑا۔ اسے وہ

شیوہ پسند آیا اور اس نے اسی روش پر مشق کی اور اخیر عمر میں اس کے خط میں استواری میر علی اور نمک خط بابا شاہ اختیار کیا اور آج بھی نستعلیق طرز میں یہی دو اسلوب کار فرما ہیں۔ اس لحاظ سے اس کے قلم کے لکھے ہوئے بیشمار نمونے ملتے ہیں۔ ان میں تحفۃ الاحرار جامی، گلشن راز بسمسری، دیوان حافظ، گلستان سعدی، رباعیات عمر خیام وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اگر ہم ان تمام نسخوں کی تفصیل اور ان پر حواشی تحریر کریں تو بہت طویل بیان کی ضرورت ہے۔ بہرحال یہاں ہم میر عماد الحسنی کے ذکر کو ختم کرتے ہیں (شکل سرورق ۴۸، ۵۳)[1]۔

پاک و ہند میں اسلامی خط:

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ہند و پاک میں خط اسلامی کی ترویج مسلمانوں کی اوّل فتح سندھ ۹۲ھ سے شروع ہو گئی تھی جو لازم و ملزوم کی حیثیت ہے۔ جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو ساتھ ساتھ خط اسلامی اور انعقادِ ثقافت اسلامی کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا جو بذاتِ خود نہایت دلچسپ داستان ہے۔ اسی طرح خط کی مختلف طرزیں بھی جس طرح دیگر ممالک اسلامی میں رونما ہوتی رہیں اسی طرح ان پر یہاں بھی عمل ہوتا رہا اور ان کے ماہرین بھی پیدا ہو گئے تھے۔ یہاں پاک و ہند میں قدیم سے قدیم نمونے بھی جو یہیں کی پیداوار ہیں، میسّر آسکتے ہیں۔ راقم نے اکثر کا مشاہدہ اور مطالعہ بھی کیا ہے[2]۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ابتدا سے ماہرین فن کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔ یہاں میرا اشارہ زیادہ تر ان ابتدائی کتبات اسلامی کی طرف ہے جو ابتدائی اسلامی عمارتوں پر آویزاں کیے گئے۔ یہ کتبات ہر طرف پھیلے ہوئے آج بھی موجود ہیں۔

چونکہ ہم یہاں اپنی تحقیقات صرف خط نستعلیق کی عام سرگزشت تک محدود رکھتے ہیں۔ اس لیے خط کی

---

(۱) ہم یہ تمام بیان "میر عماد الحسینی" کا ڈاکٹر مہدی بیانی کے رسالہ بعنوان "احوال و آثار" میر عماد" سے لیا ہے۔ جو انہوں نے طہران میں جلسہ انجمن دوستداران کتاب" کے سامنے ۲۲ دیماہ ۱۳۳۰ کو پڑھا۔ اور طبع بھی ہوا تھا۔

(۲) اس کے لیے ملاحظہ ہو مصنّف کی تصنیف "برصغیر پاک و ہند میں خط اسلامی کا مختصر جائزہ یا بیان

ابتدائی بحث کو یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ خط نستعلیق کا اجرا آٹھویں صدی ہجری کے اختتام سے ہُوا اور اس کا عروج نویں صدی ہجری میں ہرات میں ہوا اور اس مرکز کے انقراض پر جس طرح ماہرین و علماء و صلحا دوسرے ممالک میں ہجرت کر گئے۔ اسی طرح ان میں سے اکثر ہجرت کرکے یہاں (پاک و ہند) بھی آگئے اور اس طرز کا اجرا یہاں بھی معاصرانہ طور پر ہو گیا۔ اس کی اکثر شہادتیں ہمیں اپنی تاریخ کی کتابوں سے بھی میسّر ہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اس زمانے میں یہاں بھی سلطنت میں وسط ایشیا اور ایران کی طرح انقلاب عظیم ہُوا۔ ظہیر الدین بابر بادشاہ نے یہاں آکر ۹۳۲ھ میں سلطنتِ مغلیہ قائم کی۔ بابر بذاتِ خود ایران و توران کے متذکرہ بالا انقلابات میں بھی ملوث تھا۔ ہند و پاک کے سیاسی اور ثقافتی تعلقات ایران و توران سے ہمیشہ خوشگوار ہی رہے۔ میرے نزدیک ہند و پاک میں ثقافت اسلامی کسی قدر مقامی ماحول کے تاثرات کے ساتھ وہی رہی جو ان اسلامی مُلکوں میں تھی کیونکہ ان سب کا مرکزی نقطۂ نگاہ "اسلام" تھا۔ خط بابر کے یہاں آنے کے بعد زیادہ منظم صورت نستعلیق میں رونپذیر ہُوا۔ اگرچہ اس کے اکثر نمونے ہندوستان میں صوبوں کی اکثر اسلامی سلطنتوں میں قبل عہد مغلیہ بھی میسّر ہیں۔

دکنی سلطنت بہمنیہ :

چنانچہ تاریخی حیثیت سے دکن اس ضمن میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ جہاں بہمنی سلطنت کا قیام ۷۴۳ھ میں مرکز سے منقطع ہو کر بحیثیت خود مختار اسلامی سلطنت ہو گیا تھا اس سلطنت کے براہِ راست تعلقات ایران و توران سے زیادہ تھے۔ یہاں بعض ماہرین اُدھر سے براہِ راست بھی آگئے تھے۔ اگرچہ خط اسلامی ابھی تک وہی نسخ، تعلیق و ثلث تک ہی محدود تھا جس کے بے شمار کارنامے ہر میدان میں میسّر ہیں۔ سلطنت بہمنیہ (۹۳۲ھ) تک برسرِ اقتدار رہی اس کے بعد دکن پانچ صوبوں یعنی عماد شاہی (تا ۹۸۰ھ) نظام شاہی (تا ۱۰۰۹ھ) برید شاہی (تا ۱۰۱۸ھ) عادل شاہی (تا ۱۰۸۲ھ) اور قطب شاہی (تا ۱۰۸۲ھ) میں تقسیم ہو گیا اور خط ساتھ ساتھ برابر ترقی کرتا رہا۔ اگرچہ صحیح نستعلیق خط کے نمونے یہاں ذرا کم میسّر ہیں مگر تبدیلی ضرور آچکی تھی۔ خاص کر سلطنت عادل شاہیہ میں جس کا بانی یوسف عادل شاہ ترکی الاصل تھا جو ۸۹۵ھ میں تخت نشین ہُوا تھا۔ علمی رجحان بہ نسبت دوسری سلطنتوں کے زیادہ رہا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ایران و توران کے ساتھ ساتھ معاصرانہ طور پر ہند و پاک میں بھی اسی طرح اسلامی خط کو برابر فروغ رہا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نویں صدی ہجری یا اس کے کسی قدر بعد کے زمانے سے یہاں نستعلیق خط کے شواہد میسّر آسکتے ہیں۔ اتفاق سے ایک عجیب و غریب کتبہ کولہاپور کے عجائب گھر میں سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد کا محفوظ ہے۔ جو سنگِ مرمر کی سِل پر کندہ ہے۔ اس کا خط نستعلیق ضرور ہے اور ساتھ ہی کتبہ کا اپنا ڈیزائن بھی بہت عجیب و غریب ہے۔ اس کے حاشیے پر سلطان محمود شاہ بہمنی کا نام اور حاکم ضلع عادل خاں غازی کے اسمار کندہ ہیں، جس نے اس کام کو مقام پنالہ میں انجام دیا۔ اس کا نام "ملک سکندر حیدری" بھی لکھا ہے۔ اور تاریخ بنا کر درمیان میں بصورت رباعی یوں لکھا ہے:

گر تو تاریخ حوض و عامراو — خواہی از من طلب بوجہ نکو

باب حوضی پنالہ تاریخش — ملک اسکندر رست عامراو

آخیر مصرع سے تاریخ بنا، ۸۹۱ھ برآمد ہوئی ہے۔ اسے مسٹر اے اے قادری نے طبع کیا ہے۔ افسوس کاتب کا نام نہیں دیا گیا۔[1]

عادل شاہی دربار اور دیگر صوبہ جات:

اگر ہم مختصر طور پر ہی دکن کی تمام علمی اور فنی کارروائیوں پر ایک نظر کریں تو نہایت بیش بہا علمی جواہر ریزے ملیں گے۔ یہ اپنے معیار میں کسی طرح بھی کم نہیں ہیں۔ چونکہ ہم یہاں محض خط نستعلیق کی سرگذشت بیان کر رہے ہیں، اس لیے وضاحت سے بیان کر دینا چاہیئے کہ دکن میں زیادہ تر خطِ نسخ، و ثلث ہی رہا۔ مگر آہستہ آہستہ خط نستعلیق کی طرف رجحان ہُوا۔ ابراہیم عادل شاہ اوّل بہت بڑا سلطان تسلیم کیا جاتا ہے جس کے زمانے میں کافی تعمیرات ظہور میں آئیں۔ اتفاق سے دکن کے ضلع رائچور میں اس کے زمانے کی عمارات برج محل، باؤلی، خسرو باغ وغیرہ پر پانچ کتبات ملتے ہیں جن میں سے ایک کتبہ

---

(۱) EIM ۱۹۶۴ء صد ۴۴۔

کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو طرزِ نستعلیق میں ہے۔ اس سے ایران و توران کے تأثرات کا بھی تعین ہوتا ہے:

معمار قضا چو ہست در حسِ عمل	بانی بنا نے بیگو برج حمل
تاریخ بناکش بے مثل آمدہ است	برج فلک دولت و اقبال ازل
بدورِ خسرو عادل کہ رزم بسعی از وشب	احمد حاجی گونا بادی مرتب شد

دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے سے تاریخ ۹۵۳ھ برآمد ہوتی ہے مگر کاتب کا نام نہیں دیا گیا۔[1]

سلاطین عادل شاہ کے عہد میں خاص کر سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کا زمانہ علوم و فنون کے ضمن میں بے مثال تصوّر کیا جاتا ہے۔ بادشاہ نے خود بحیثیت فن کار فن کی ترقی میں حصّہ لیا اور بے شمار ماہرین فن بھی ایران و توران سے آکر آپ کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ خاص کر آپ کے عہد میں بلکہ آپ کی ذاتی تصنیف "نورس نامہ" علم موسیقی میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ ملّا محمد نور الدین ظہوری نے بہت کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ "سہ نثر ظہوری" میں کاتب حضرت شاہ خلیل اللہ کا ذکر یوں ملتا ہے:[2]

"باجارہ قلم بدیع رقم اوست نازک خیالائی کہ حسن سخن رانکتہ میدانند دریں حسرت اند کہ بزبان قلمش نستعلیق حرف زنند در علم خط چناں ست کہ عمدًا نہ سہوًا العلم نصف الخط میتواں گفت۔ فراق نوخطاں رابمشغولی نظارہ خطش کہنہ میتواں کرد والحق ایں خط را بآں خط چہ نسبت کہ کشتگی ایں راز میست ست و آنرا آفیت ہر کہ ابجد خواں مفرورتش نشد سواد جریدہ ترکیبش روشن نگشت ہم فوارہ خامہ چہ بنفشہ زار ہا رسانیدہ۔ الخ"

سلطان ابراہیم کے عہد میں دوسرے کاتبوں پر خلیل اللہ کو فوقیت حاصل تھی۔ کیونکہ اس نے

---

(۱) EIM ۱۹۶۳ء ص ۶۲۔

(۲) سہ نثر ظہوری، مطبوعہ لکھنؤ، سنہ ۱۲۸۰ء ص ۵۷۔

نستعلیق لکھنے میں دوسروں پر سبقت کی تھی۔ وہ زمانۂ جوانی میں شاہ عباس والیٔ ایران کے ہاں گیا تھا۔ اور اس کا اتالیق مقرر ہوا تھا۔ جب شاہ نے خراسان سے نکل کر عراق کا ارادہ کیا تو خلیل اللہ بادشاہ ابراہیم عادل شاہ کے ہاں بیجاپور میں آگیا تھا۔ کیونکہ شاہاں صفوی بیجاپور کے سلاطین عادل شاہ کے دوست تھے۔ خلیل اللہ نے بیجاپور میں واپس آکر اپنی باقی زندگی یہیں گزاردی اور خوب نام پیدا کیا۔ چنانچہ ظہوری کی "سہ نثر" کا اقتباس ہم نے اوپر درج کر دیا ہے۔ بیجاپور میں اس نے "کتاب نورس" کو خوب شوق و ذوق سے کتابت کیا اور بادشاہ کی خدمت میں ۱۰۲۷ھ میں پیش کیا۔ جس نے اس کے اعلیٰ کارنامہ سے بے حد محظوظ ہو کر اسے "بادشاہ قلم" کا خطاب عطا کیا اور دربار میں تخت پر جگہ دی۔ جب یہ رسم ہوئی تو اسے اس کے مکان تک خدام کے ہمراہ ارسال کیا۔ اس رسم کی تاریخ "شاہ گردید بادشاہ قلم" سے نکلتی ہے۔[1]

سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار میں شاعر محمد باقر کاشانی کاتب بھی تھا جو فنی کتابت میں مشہور خطاط نظام الدین کاشانی کا تلمیذ تھا۔ مولانا باقر دراصل ابتدائی زمانہ ۹۷۵ھ میں صدرالدین محمد واعظ شیرازی کے کتاب خانے کا مہتمم تھا۔ اس کے بعد وہ فرہاد خاں کے ہاں مہتمم کتب خانہ بھی ہوا۔ جو شاہ عباس کا وزیر اعلیٰ تھا۔ جب وہ بیجاپور میں آیا تو یہاں بھی وہ اسی منصب پر متعین ہوا جہاں وہ اپنی وفات ۱۰۳۴ھ تک رہا۔ اس کے معاصر زمانہ کی تصنیف مآثر رحیمی میں اسے "خوشنویس" کے لقب سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے تعریف میں اسے "ریحان خط" بھی لکھا ہے مگر بدقسمتی سے اس کی کتابت کا کوئی نمونہ میسّر نہیں ہے۔[2]

عبداللطیف مصطفٰی ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد کا بہترین کاتب تھا۔ وہ کئی خط کی طرزوں میں لکھتا تھا۔ اس نے کتاب "نورس" کو خط نسخ و ثلث میں لکھا تھا جو آج کل اتفاق سے دفتر دیوانی

---

(۱) کتاب نورس (انگریزی) از ڈاکٹر نذیر احمد۔ نئی دہلی ۱۹۵۶ء۔ ص ۳۷۔

(۲) ایضاً ۔ ص ۳۷/۳۸۔

حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے۔ اس کے آخیر ترقیمہ میں یوں لکھا ہے:

"کمترین شاگرد عبد اللطیف مصطفیٰ۔"

اور اس کے اوّل صفحہ کے باہر نستعلیق میں ذیل کی عبارت ہے:

"کتاب نورس دو قلمی خط عبداللطیف - جلد زرد باترنج و برگ طناب و رنجرہ طلا- نوبستہ اوراق چہل جمع کتاب خانہ- عامرہ شدہ بتاریخ ۵ ماہ محرم ۱۰۲۲ھ۔"

ایک گول مہر میں جس میں یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں: عہد ابراہیم ثانی سال ۱۰۲۸ھ۔ اتفاق سے راقم نے بھی تاریخ روضتہ الصفا کا ایک نسخہ اس کاتب عبداللطیف کا ایک دفعہ مولوی عبدالحق کی لائبریری کے لیے حیدرآباد دکن میں حاصل کیا تھا۔ مگر نستعلیق طرز میں اس کا نمونہ میسّر نہیں ہے۔ اس کا لڑکا عبدالحلیم بھی کاتب تھا جو اپنے باپ سے بھی بڑا کاتب تھا۔ اس نے بھی خطِ نسخ و ثلث میں کتاب نورس کو لکھا تھا، جس کا ایک نسخہ پروفیسر حسین علی خاں کے کتب خانہ حیدرآباد میں موجود ہے۔ ممکن ہے کہ اس کا تعلق بھی شاہی دربار سلاطین عادل شاہ سے ہو۔ ان کے علاوہ عادل شاہی دربار میں عبدالرشید کاتب تھا جس نے کتاب نورس نامہ کو ۱۰۰۹ھ میں نسخ و ثلث میں لکھا تھا۔ ایک اور کاتب یوسف ابراہیم شاہی بھی تھا۔ اتفاق سے یہ سب نسخ و ثلث ہی لکھتے تھے۔ ڈاکٹر نذیر احمد، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے نورس نامہ پر محققانہ کتاب لکھی ہے۔[۱]

بیجاپور کے ضلع بلگام میں قلعے سے متعلق مندرجہ ذیل اشعار خطِ نستعلیق میں کندہ سنگ مرمر کی سل پر ملتے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۰۰۶ھ میں ان کو کسی عبدالعزیز کاتب نے عادل شاہی دور میں لکھا تھا:

---

(۱) کتاب نورس (انگریزی) از ڈاکٹر نذیر احمد۔ نئی دہلی ۱۹۵۶ء ص ۳۷/۳۹۔

زباں را فتادہ حصار از زمیں — بر بستند مضبوط اور متیں
شدہ مستعد از سرو بام تمام — ہنگام عبدالحسین امین
نوشتم حسابے ز تاریخ ہجرت — سنہ الف وستہ یقیں

مگر عبدالعزیز کے حالات میسّر نہیں ہیں[1] — ۱۰۷۶ھ کتبہ عبدالعزیز

دکن میں خطاطی کے ضمن میں یہ بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ عام طور پر یہاں فروغ ہوا۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ ابراہیم قلی قطب شاہ کا لڑکا عبدالقادر شجاعت، علم اور حسنِ خط سے آراستہ تھا مگر خالصتًہ خط نستعلیق کے نمونے متقابلتًہ کم میسّر آتے ہیں[2]

ہم نے اوپر میر علی ہروی کے بیان میں سیّد احمد الحسینی، میر حسین کلنگی، اس کی اولاد اور دیگر تلامذہ کا ذکر کیا ہے جو ہجرت کر کے دوسرے ممالک میں آ گئے تھے۔ چنانچہ برٹش میوزیم لندن میں چند تصاویر عادل شاہی سلاطین کی ہیں۔ ان کے پیچھے سیّد احمد الحسینی کے قطعات نہایت اعلیٰ لکھے ہیں۔ میر کلنگی کا لاہور میں لکھا ہوا نسخہ بھی موجود ہے۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ ملّا محمود سیاوش خوشنویسان سلطان مظفر ثانی گجراتی تھا۔ اس کے عہد میں شیراز سے گجرات میں آ گیا تھا۔ اسی طرح محمد مومن بن عبداللہ مروارید بھی یہاں ہجرت کر کے آ گیا تھا۔ سلطان مظفر خود بھی نسخ، ثلث، رقاع خوب لکھتا تھا۔ اس نے اکثر قرآنِ کریم لکھ کر حرمین شریفین ارسال کیے تھے۔ اس طرح ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی باہر سے ماہرین نستعلیق آ گئے تھے۔ مصنف ریحان نستعلیق نے جملہ خوش نویسان کے تحت لکھا ہے کہ[3]:

"مَیں نے علاؤالدین ہروی کے مکتوبہ خمسہ امیر خسرو کو دیکھا جو اساتذہ کے خطوط پر لکھا گیا تھا۔ اسے محمد معصوم نے جو اس وقت حکومت

---

(۱) کتاب نورس (انگریزی) از ڈاکٹر نذیر احمد۔ نئی دہلی ۱۹۵۶ء

(۲) تاریخ فرشتہ ص ۱۷۱/۲۔

(۳) ریحان نستعلیق ص ۲۳۔

جونپور میں تھا، خرید کیا۔ مصنف ریحان نستعلیق اس وقت مقام سلہٹ،
میں تھا۔ پھر کہتا ہے کہ میرے دادا مولانا فراہی کے پاس اس وقت اس
قدر دام نہ تھے کہ اس کو خرید سکتے۔ اس کے بعد خطاط شعراء کے ضمن میں
سلطان حسین جمشید کے ذکر میں اپنے والد کے متعلق یوں لکھتا ہے کہ
اس کے خط میں لکھی ہوئی تحفۃ الاحرار جامی کو میرے والد نے سی صدو
پنجاہ مثقال میں خرید کیا۔"

ریحان نستعلیق (تصنیف ۹۸۹ھ) سے متذکرہ بالا اقتباس سے دو امور پر روشنی پڑتی ہے۔ اوّل یہ کہ نستعلیق طرز پر لکھنے والے ماہرین خود یہاں آئے اور ان کے ساتھ اعلیٰ نمونے بھی یہاں قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے جن کو وہ ہمراہ لائے اور اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ان کی صحبت اور ان کی حوصلہ افزائی سے یہاں اس طرز کو خوب فروغ ہُوا۔ مگر ایک امر ضرور قابلِ ذکر ہے کہ عہدِ مغلیہ کے قیام سے پیشتر تمام صوبوں میں زیادہ تر خطِ نسخ ہی رائج رہا۔ اس کا ثبوت یہاں کی عمارتوں کے کتبات سے ملتا ہے۔ البتہ ایک امر کی وضاحت یہاں ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جب ہرات کے فنی ماحول کے انقراض کے بعد ہنرمند اور دیگر فضلا وہاں سے ہجرت کر کے اِدھر اُدھر پہنچے تو ان میں سے اکثر ہندوستان میں بھی آئے۔ چنانچہ مالوہ میں بمقام مانڈو شادیا آباد میں ایک نسخہ بوستانِ سعدی کا میسر آیا جو ۹۰۸ھ کا لکھا ہُوا ہے۔ اُسے ایک کاتب "شہسوار" نے لکھا ہے اور حاجی محمود نے اس کی تصاویر بنائی ہیں جو محققین کے نزدیک خالصًا دبستان سے ہرات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے باہر سرورق پر شمسہ میں لکھا ہے:

"برسم خزانہ سلطان الاعظم الاعدل الاکرم مالک الرقاب والامم ابوالفتح
عبدالقادر ناصر شاہ بن غیاث شاہ الخلجی خلدہ وملکہ"

جس سے بعض نے تصوّر کر لیا ہے کہ یہ نسخہ یہاں مانڈو میں تیار ہُوا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مصوّر یا کاتب یا گزرانندہ نے یہ نسخہ مانڈو میں سلطان ناصر شاہ کی خدمت میں پیش کر کے اس کے کتب خانہ میں شامل کر دیا اور تب دستور قدیم کے مطابق اس پر متذکرہ بالا عبارت لکھی گئی۔ اسی زمانے میں ایک مصوّر

کتاب بنام "کتاب نعمت نامہ ناصر شاہ" مقامی طور پر تیار کی گئی جو باورچی خانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا کسی قدر ناقص نمونہ اتفاق سے انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔ اس کا رسم الخط عام نسخ اور تصاویر تمام ہندی روایات پر ہیں۔

بابر اور ہمایوں - قیام عہد مغلیہ:

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ پاک و ہند میں نستعلیق طرز کا خط صحیح اجرا، بابر کی فتح ۹۳۲ھ کے بعد ہوا جب یہاں سلطنتِ مغلیہ قائم ہو گئی۔ بابر کو فنونِ لطیفہ سے بڑی وابستگی تھی۔ وہ اپنی تزک میں خطِ نستعلیق کے قبلۃ الخطاطین سلطان علی مشہدی کے بارے میں لکھتا ہے:[1]

> "یوں تو بہت سے خوشنویس تھے۔ مگر خط نسخ و نستعلیق لکھنے میں سب سے اوّل سلطان علی مشہدی تھا۔ اس نے مرزا (سلطان حسین مرزا) کے لیے اور علی شیر بیگ (میر نظام الدین علی شیر نوائی) کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ہر روز تین تیس مرزا کے لیے اور تین تیس علی شیر کے لیے لکھا کرتا تھا"

بابر کی ہدایت پر شہزادہ ہمایوں کے لیے واقعات بابری کا ایک مصوّر نسخہ کو علی الکاتب نے ۹۳۷ھ میں خطِ نستعلیق میں لکھا تھا۔ حسن اتفاق سے یہ نسخہ ریاست الور میں موجود ہے۔ راقم نے ۱۹۴۵ء میں اس پر ایک مضمون ریاست الور کی درخواست پر اسلامک کلچر حیدر آباد دکن میں لکھا تھا۔ بابر کا انتقال آگرہ میں ۹۳۷ھ میں ہوا، اگرچہ اسے اس کی وصیت کے مطابق کابل میں دفن کیا گیا۔[2]

جب ہم تزک بابری پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بابر جب ہندوستان فتح کرنے یا یہاں مقیم ہونے کے لیے آرہا تھا تو اس کا کتب خانہ اور اچھے کُتّاب بھی اس کے ہمراہ تھے کیونکہ بابر

---

(۱) اردو ترجمہ "تزک بابری" دہلی ۱۹۲۴ء۔ ص ۱۲۶۔

(۲) "اسلامک کلچر" سہ ماہی انگریزی رسالہ۔ حیدر آباد، دکن ۱۹۴۹ء ص ۳۰۰

سلطان حسین مرزا کی علمی مجالس اور قوم یوسف زئی پر یورش کا بیان کرتے ہوئے خواجہ محمد علی و درویش علی کتابداروں اور ملاّ مذہب کا ذکر کرتا ہے۔[1] اور پھر اکثر ایسی علمی مجالس خود بھی منعقد کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ماہرین اس کے ہمراہ تھے اور ہندوستان میں مغل دربار سے منسلک رہے۔ ان میں متذکرہ بالا علی الکاتب بھی تھا جس نے توزک کا متذکرہ بالا فارسی نسخہ شہزادہ ہمایوں کے لیے ۹۳۰ھ میں لکھا تھا۔ جب ہم توزک کا مزید مطالعہ کرتے ہیں تو بابر کے متعلق یہ بھی ملتا ہے کہ جب وہ توزک میں واقعات لکھتا تو باقاعدہ سطر تیار کرتا۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ آج میں نے واقعات لکھنے کے لیے گیارہ سطر کا مسطر بنایا۔ اس کے ہمراہ جو ماہرین کُتّاب تھے۔ ہم ان کا ذکر آگے چل کر کریں گے۔ جب ہندوستان کی فتح کا فتح نامہ مرتب ہو کر لکھا جانے لگا تو اسے شیخ زین" کاتب نے ہفتے کے دن تیرہویں جمادی الآخر ۹۳۳ھ کو لکھا تھا۔ اس سے واضح ہے کہ کتابت کے تمام لوازم بابر کے ہمراہ آئے تھے۔[2]

بابر کی توزک کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ جب اس نے ابراہیم لودھی کو شکست دی تو وہ سب سے پہلے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مزار کی زیارت کے لیے گیا۔ دوسرے روز خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہُوا۔ مگر جب ہم درگاہ نظام الدین کے کتبات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں خاص طور پر حضرت امیر خسرو کے مزار پر جو اسی احاطۂ نظام الدین کے حصۂ جنوب میں الگ مسقف حصے میں قبر جہاں آرا سے گزر کر اندر کی طرف ہے، کچھ کتبات ملتے ہیں، ان میں اوّل کتبے میں صاف لکھا ہے "بدوران بابر شہنشاہ" اور کاتبوں میں خاص ماہر اور برگزیدہ ہستیاں نظر آتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بابر خاص طور پر انتظام کر کے اپنے ہمراہ ماہرین کو لے کر گیا تھا۔[3]

چنانچہ احاطۂ حضرت نظام الدین اولیاء میں امیر خسرو کی قبر کی لوح پر نہایت اعلیٰ نستعلیق طرز میں

---

(۱) اردو ترجمہ "توزک بابری" صہ ۱۷۹-۱۸۰، صہ ۱۷۶، صہ ۱۸۶۔

(۲) " " " صہ ۲۶۷، ۳۱۱۔

(۳)

شہاب المعمائی الہروی کا لکھا ہوا مندرجہ ذیل کتبہ ہے؛

زمیں را از ہیں لوح شد سرفرازی   بدوراں بابر شہنشاہ غازی

میر خسرو خسرو ملک سخن !   آں محیط فضل و دریاے کمال

نژاد دلکشتر از ماء معین   نظم او صافی تر از آب زلال

بُلبل دستاں سرای بی قریں   طوطی شکر مقال بے مثال

از پئے تاریخ سال فوت او   چوں نہادم سر بزانوی خیال

شد عدیم المثل یک تاریخ او   دیگری شد طوطی شکر مقال

۷۲۵ھ   ۷۲۵ھ

زحرف وصل جاناں سادہ آید لوح خاک من

طریق سادہ لوح بس نشان عشق پاک من

مہدی خواجہ سیّد با جاہ و جلال   شد یابی ایں اساس نے وسہ سال

گتم سعی جمیل مہدی خواجہ   تاریخ بنای ایں چو کر وند سوال

حررہ شہاب المعمائی الہروی (۱)

بابر کے عہد میں آگرہ کے علاوہ بھی اکثر عمارات تعمیر ہوئیں جو آج بھی فتح پور سیکری، سمبھل، رہتک، اجودھیا، پالم، پیل خانہ بہم، سونی پت اور لاہور وغیرہ میں موجود ہیں۔ مگر سوا لاہور کی عمارات کے باقی سب پر کتبات آج بھی موجود ہیں اور ان کی تاریخ بنا عام طور پر ۹۳۳ھ سے شروع ہو کر آخیر سال ۹۳۷ھ تک ہے۔ مگر امیر خسرو دہلوی کی لوح مزار کے کتبے کے سوا، باقی ان سب کا رسم الخط نسخ ہے۔

درگاہ حضرت امیر خسرو احاطہ حضرت نظام الدین اولیاء میں مزید کتبات عہدِ اکبری کے ہیں جن کو ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں؛

---

(۱) واقعات دار الحکومت دہلی مصنفہ بشیر الدین احمد آگرہ ۱۹۱۹ء ص ۱۸۷۔

ای شربت عاشقی بجاست　　در دست زماں زباں بپاست

شد ملک خرید از تو منظوم!　　زانست کہ شد لقب نظاست

جاوید بقاست بندہ خسرو　　چوں شد بہزاد جاں غلامت

ای خسرو بے نظیر عالم　　باروضۂ تو مرا نیازست

تعمیہ نمود طاہراں را　　فیض ازلی ہمیشہ بازست

قائل ایں کلام و بانی ایں مقام طاہر محمد عماد الدین حسن ابن سلطان علی سبزواری فی ۱۰۱۴ھ

غفر ذنوبہ وستر عیوبہ الکاتب عبدالنبی ابن ایوب

مرا نام نیک از دو خواجہ عظیم　　دو شین و دو لام و دو قاف و دو جیم

اگر نام یابی تو زیں حرفہا!　　بدانم کہ ہستی تو مردے فہیم!

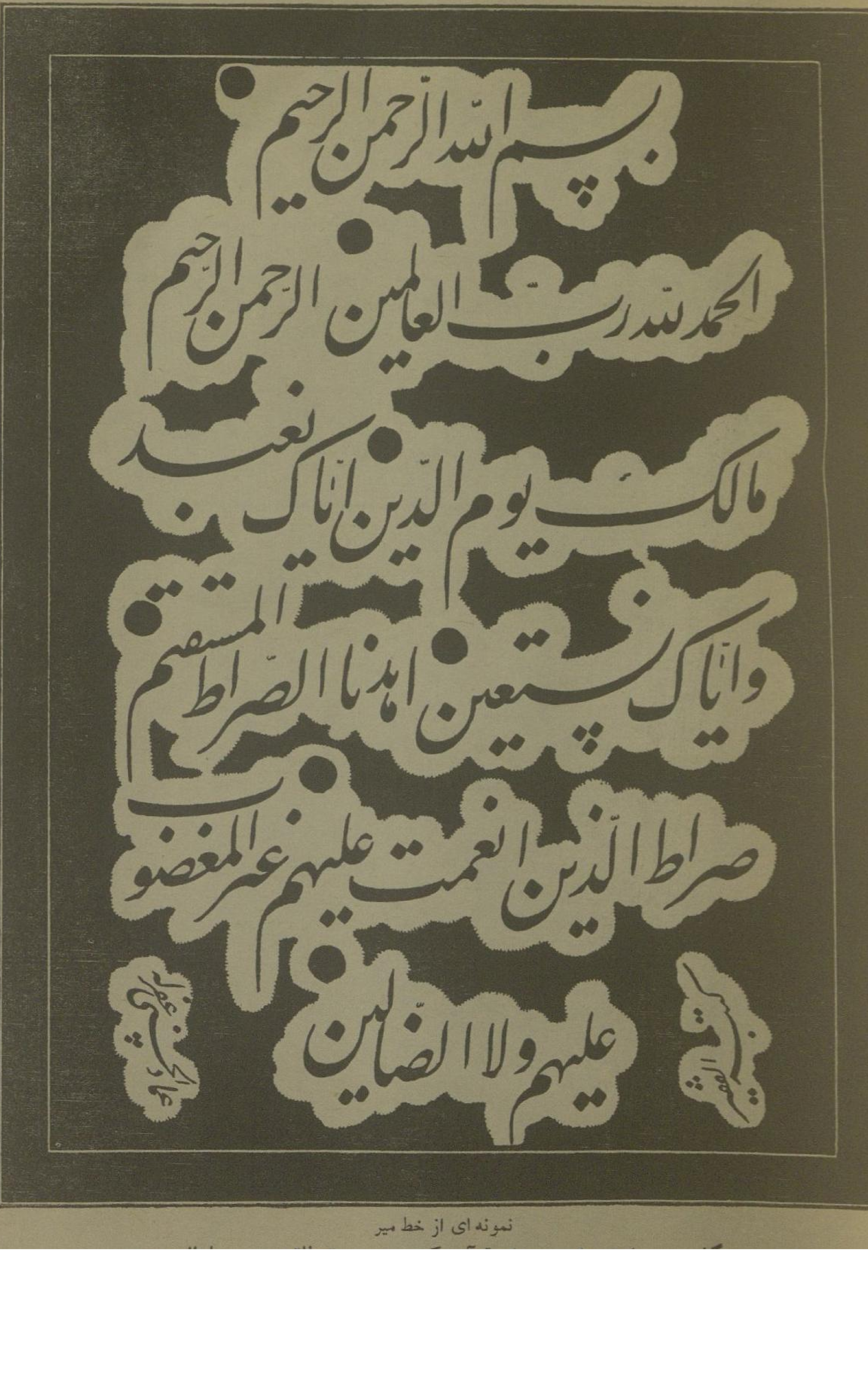
کاتب مذکورہ نبیرہ شیخ فرید شکر گنج ہے[1]

تاریخی اعتبار سے دو اور نستعلیق کتبات مقبرۂ عیسیٰ خاں ۹۵۴ھ اور خیرالمنازل ۹۶۹ھ ہیں، اگر ان پر کاتب کا نام نہیں۔ البتہ دوسرے کتبے خیرالمنازل کے آخیر یہ ضرور لکھا ہے "باہتمام درویش حسین" جو ممکن ہے کاتب بھی ہو۔ کیونکہ اس نام کے اکثر کاتب بھی ہو گزرے ہیں۔

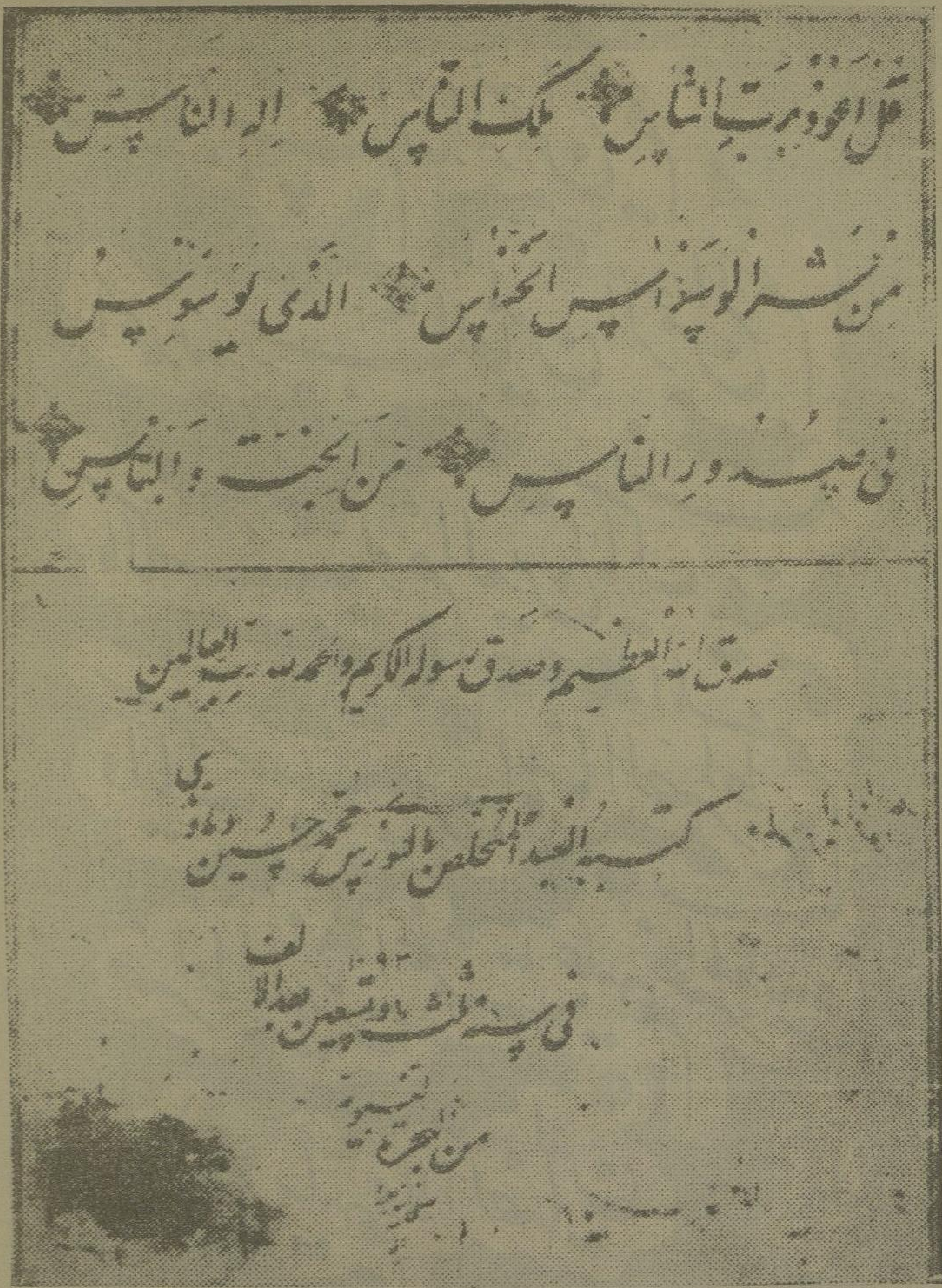
مزار حضرت امیر خسرو کے تمام کتبات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں اور کتبات بھی ہیں جو یا تو خط نسخ میں ہیں اور یا اکبر کے عہد کے بعد کے ہیں۔ ان میں کاتب شہاب المعمائی الہروی بہت مشہور کاتب ابتدائی عہد بابر سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر کتبہ کا مصنف طاہر محمد عماد الدین عہدِ اکبر کا مشہور مصنف تھا۔ جس نے ایک مخلص رزم نامہ فارسی میں کہا تھا اور کاتب کتبہ عبدالنبی ابن ایوب اپنے آپ کو نبیرۂ حضرت شیخ فرید شکر گنج کہتا ہے۔ ان کتبات میں مہدی خواجہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ شخص جسے عام طور پر سید مہدی خواجہ کرکے لکھا جاتا تھا، بابر کے ہمراہ پانی پت میں لودھیوں کے خلاف برابر لڑا اور فتح کے بعد اٹاوہ کا صوبیدار مقرر ہو گیا تھا۔

---

(۱)　واقعات دارالحکومت دہلی۔ مصنفہ بشیرالدین احمد۔ حصہ دوم۔ آگرہ ۔ ۱۹۱۹ء صہ ۸۱۸۔۸۱۹۔



نمونه ای از خط میر


قل اعوذ برب الناس * ملک الناس * اله الناس *
من شر الوسواس الخناس * الذی یوسوس
فی صدور الناس * من الجنة والناس *

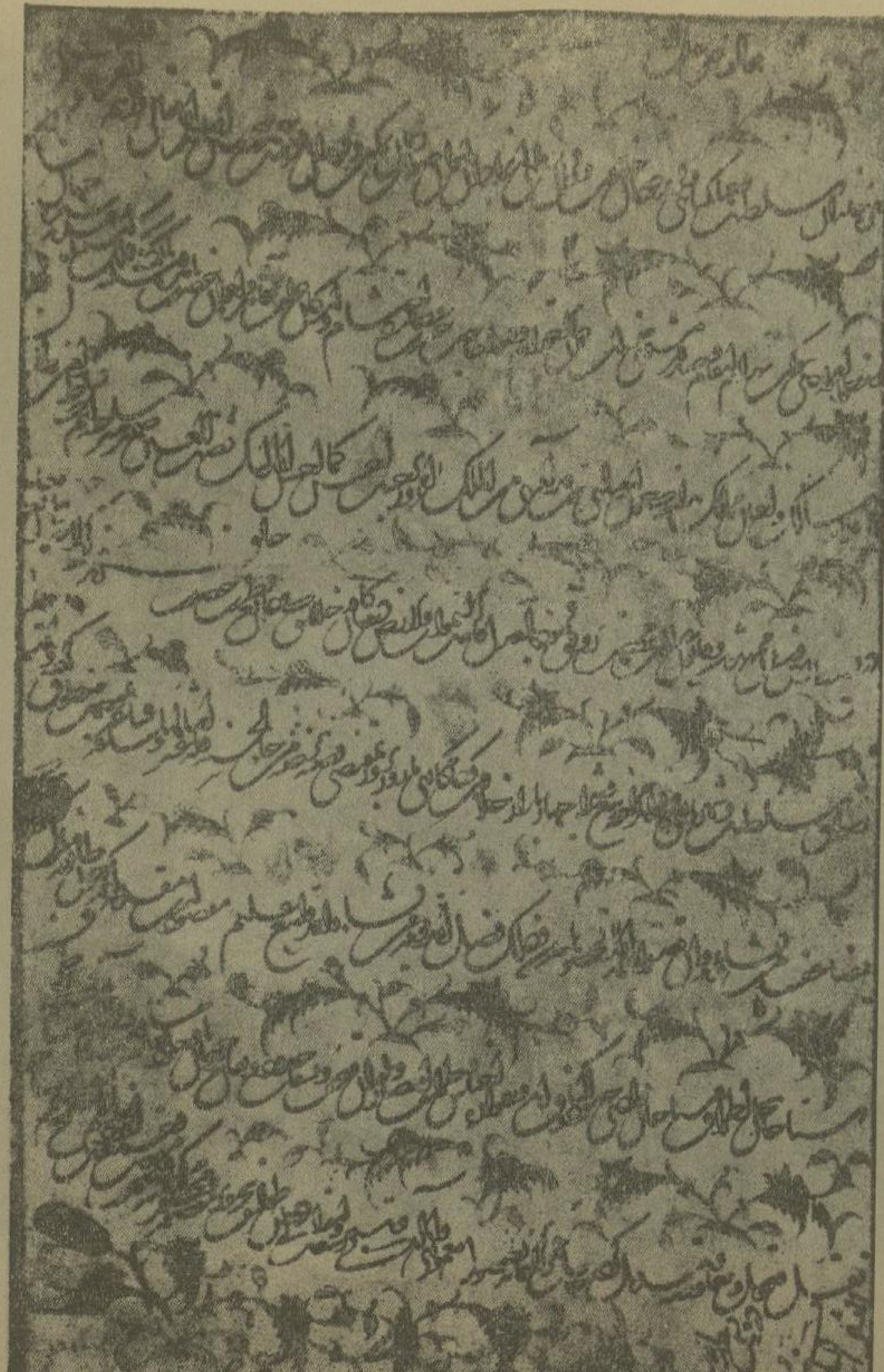
صدق الله العظیم و صدق رسوله الکریم و الحمد لله رب العالمین

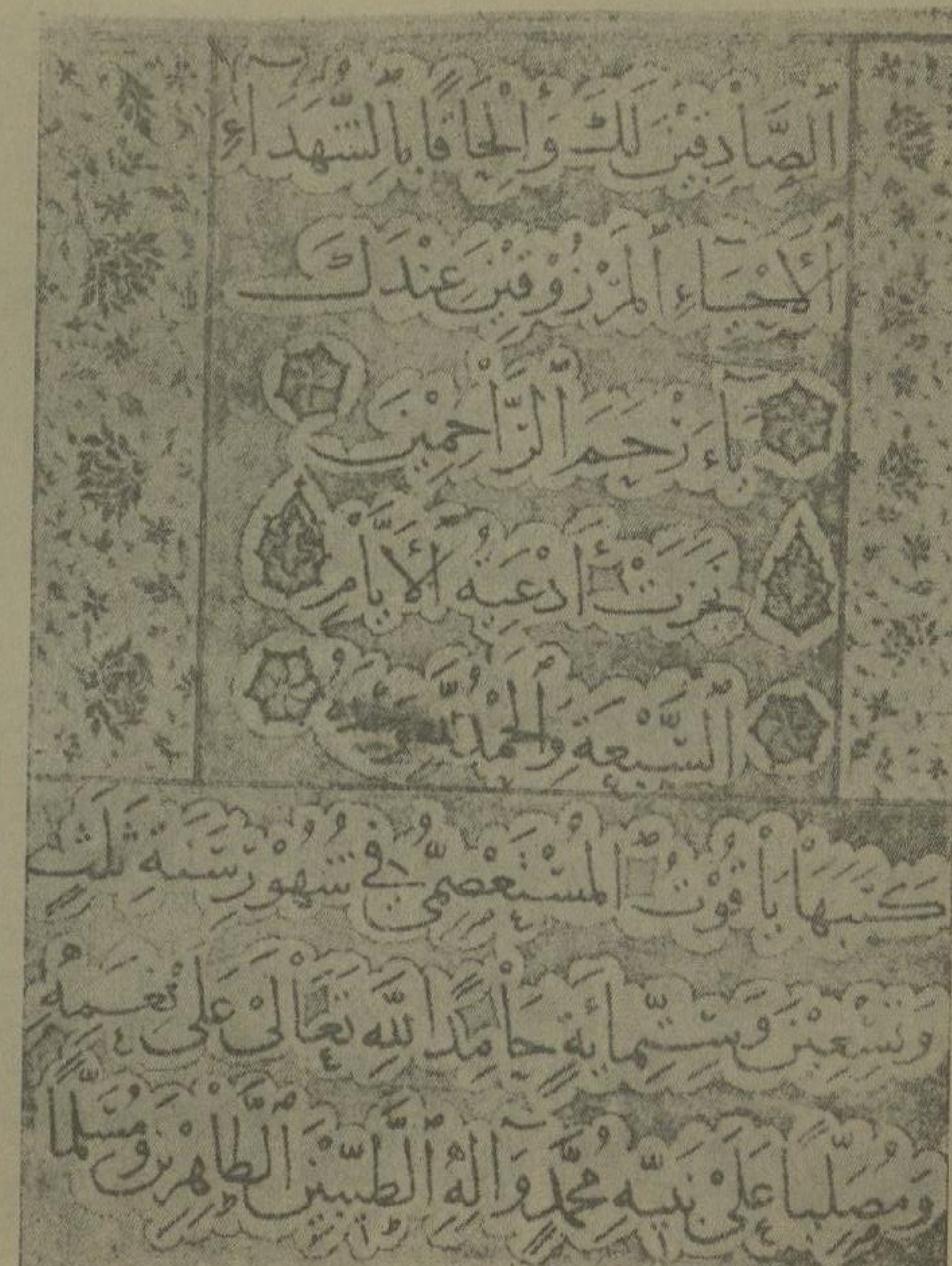
کتبه العبد المخلص بالنبی محمد حسین دماوندی

فی سنة ثلث و تسعین بعد الالف ۱۰۹۳

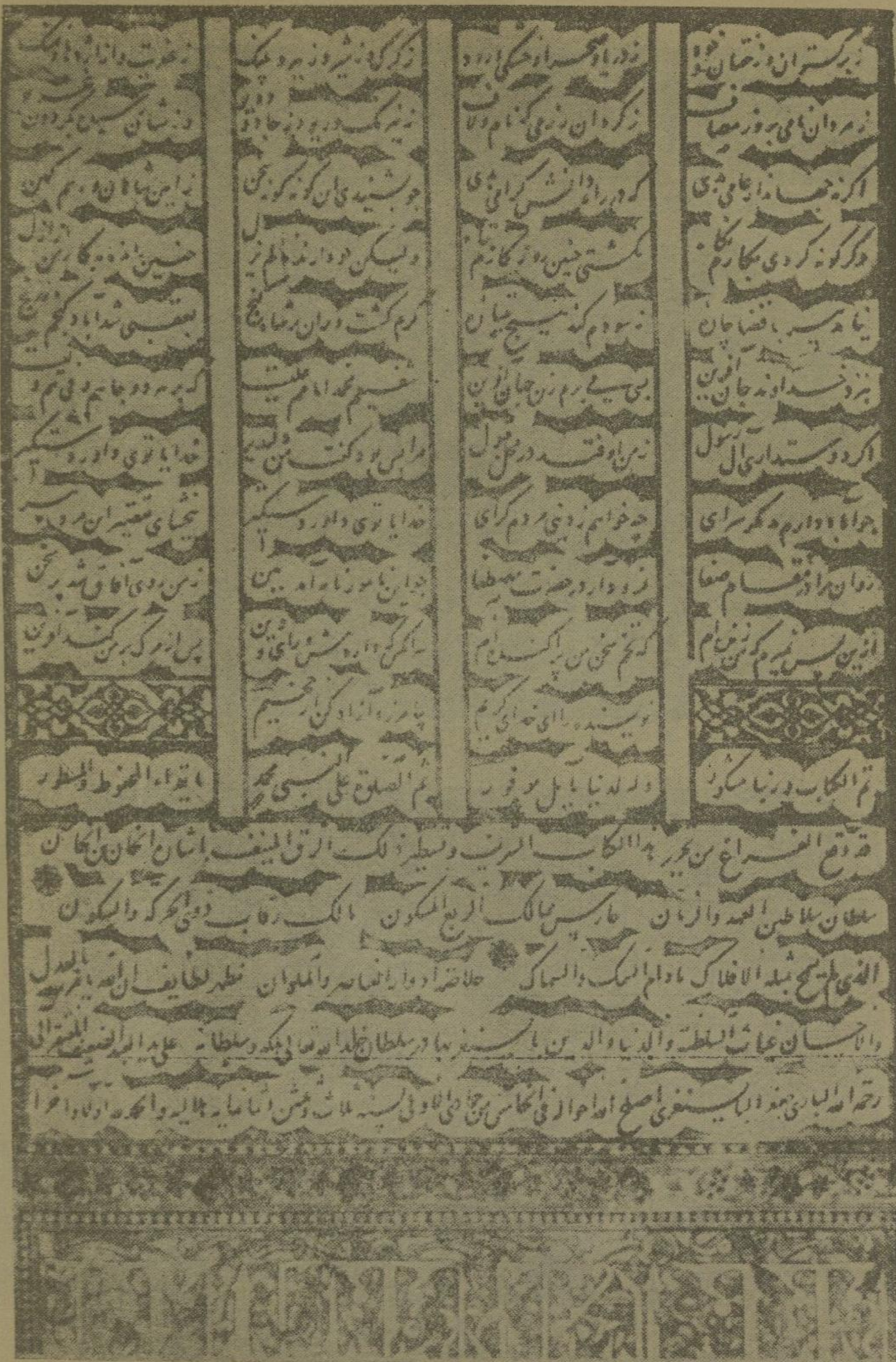
من الهجرة النبویة

(۷۲) سرگذشت خط نستعلیق - از قرآن کریم - سورة الناس - محمد حسین داماوندی



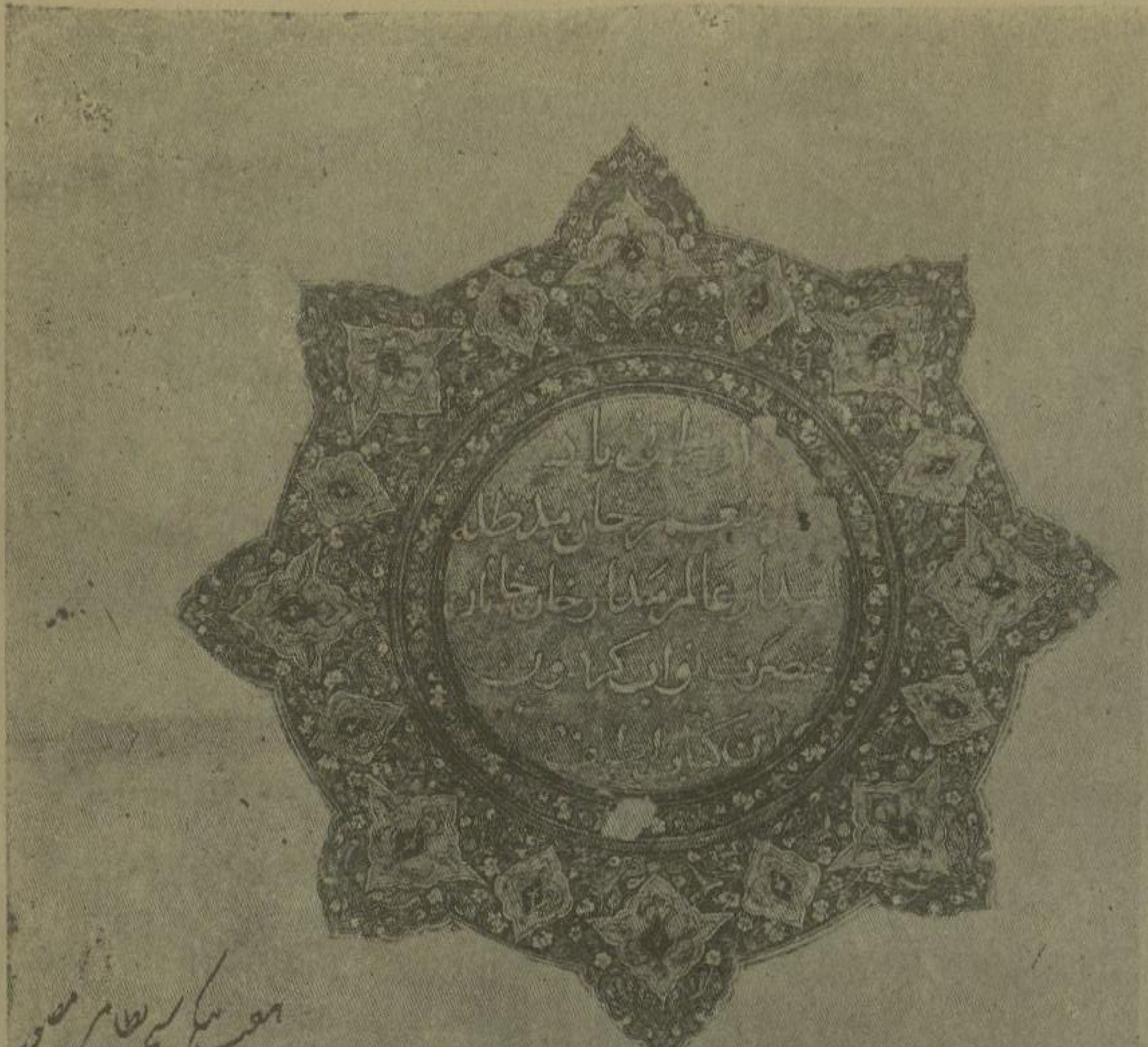

الصادقين لك والحاقا بالشهداء
الأحياء المرزوقين عندك
يا ارحم الراحمين
السبعة والحمد لله
كتبها ياقوت المستعصمي في شهور سنة ثلث
وتسعين وستمائة حامدا لله تعالى على نعمه
ومصليا على نبيه محمد وآله الطيبين الطاهرين ومسلما

(٢)


قد وقع الفراغ من تحریر هذا الکتاب الشریف و تسطیر ذلک الدرج اللطیف باسم الخاقان ابن الخاقان
سلطان سلاطین العهد والزمان حارس ممالک الربع المسکون مالک رقاب ذوی الحرکة والسکون
الذی امتزج بلده الافلاک ما دام السمک والسماک خلاصة ادوار العناصر والملوان مظهر لطایف الله بالعدل
والاحسان غیاث السلطنة والدنیا والدین بایسنغر بهادر سلطان خلد الله تعالی ملکه وسلطانه علی ید العبد الضعیف المحتاج الی
رحمة الله الباری جعفر البایسنغری اصلح الله احواله فی الخامس من جمادی الاولی لسنه ثلث وثلثین وثمانمایه حامداً لله و مصلیاً ...

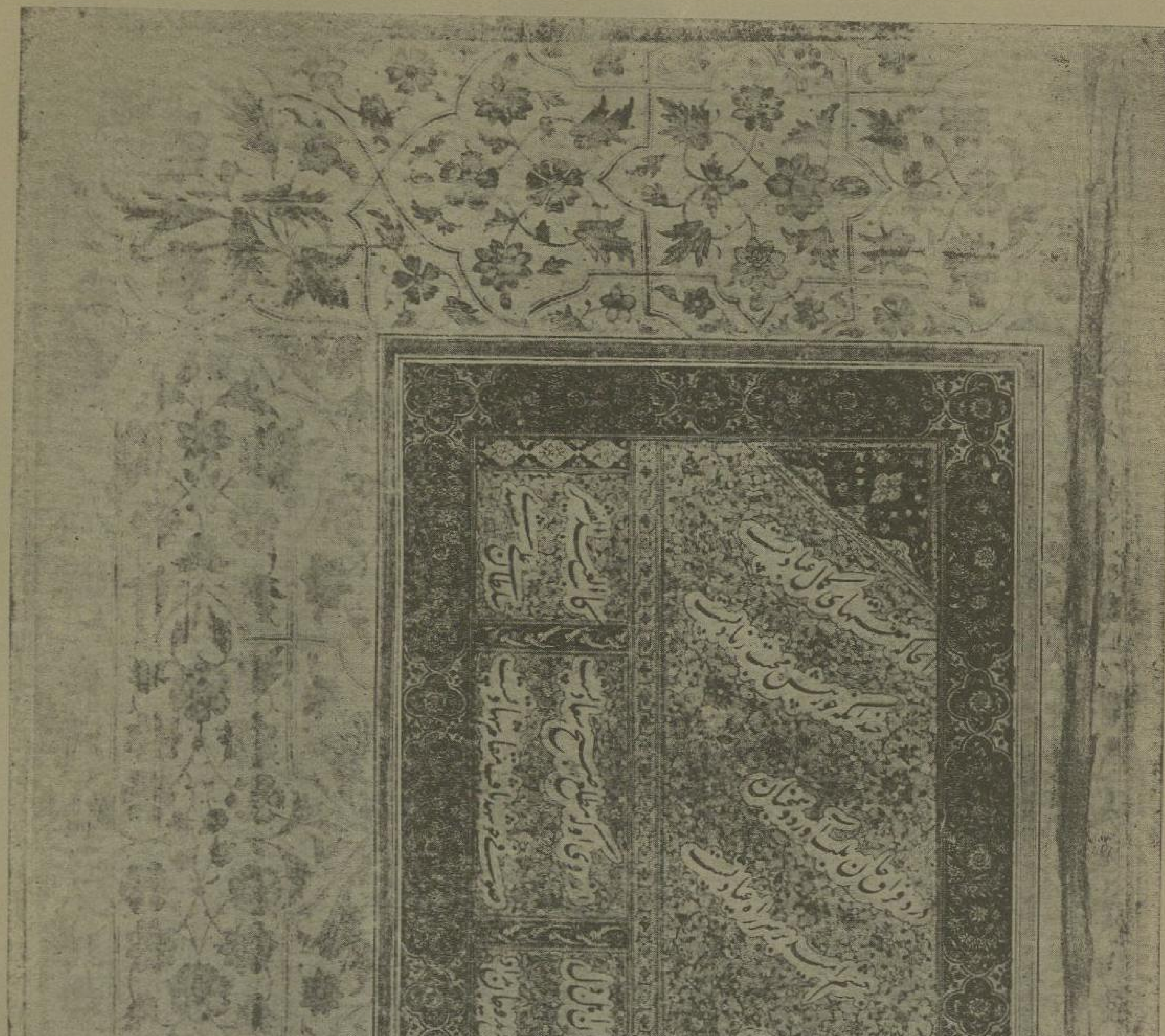


(٨)



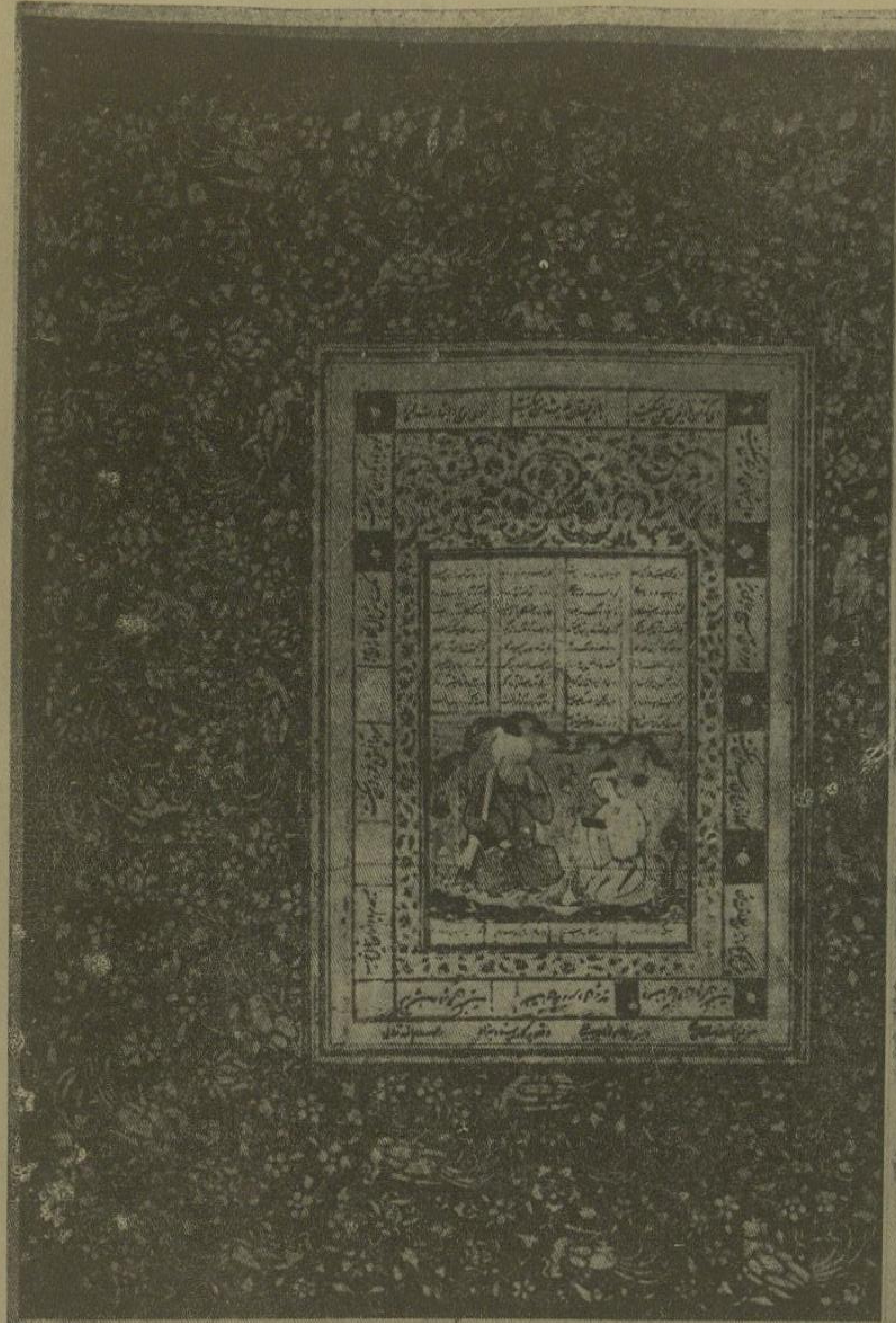


(٦) - (٧)

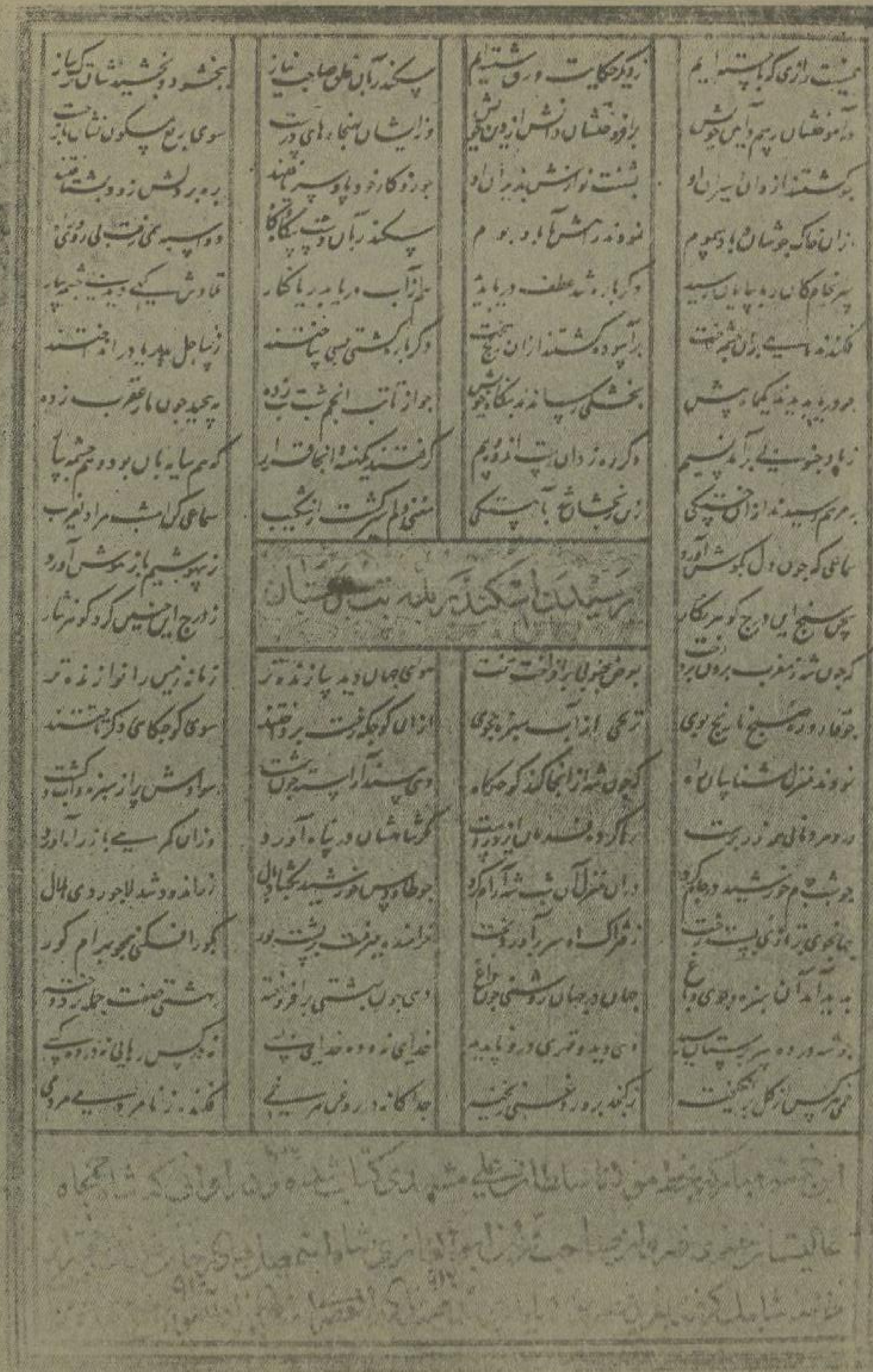




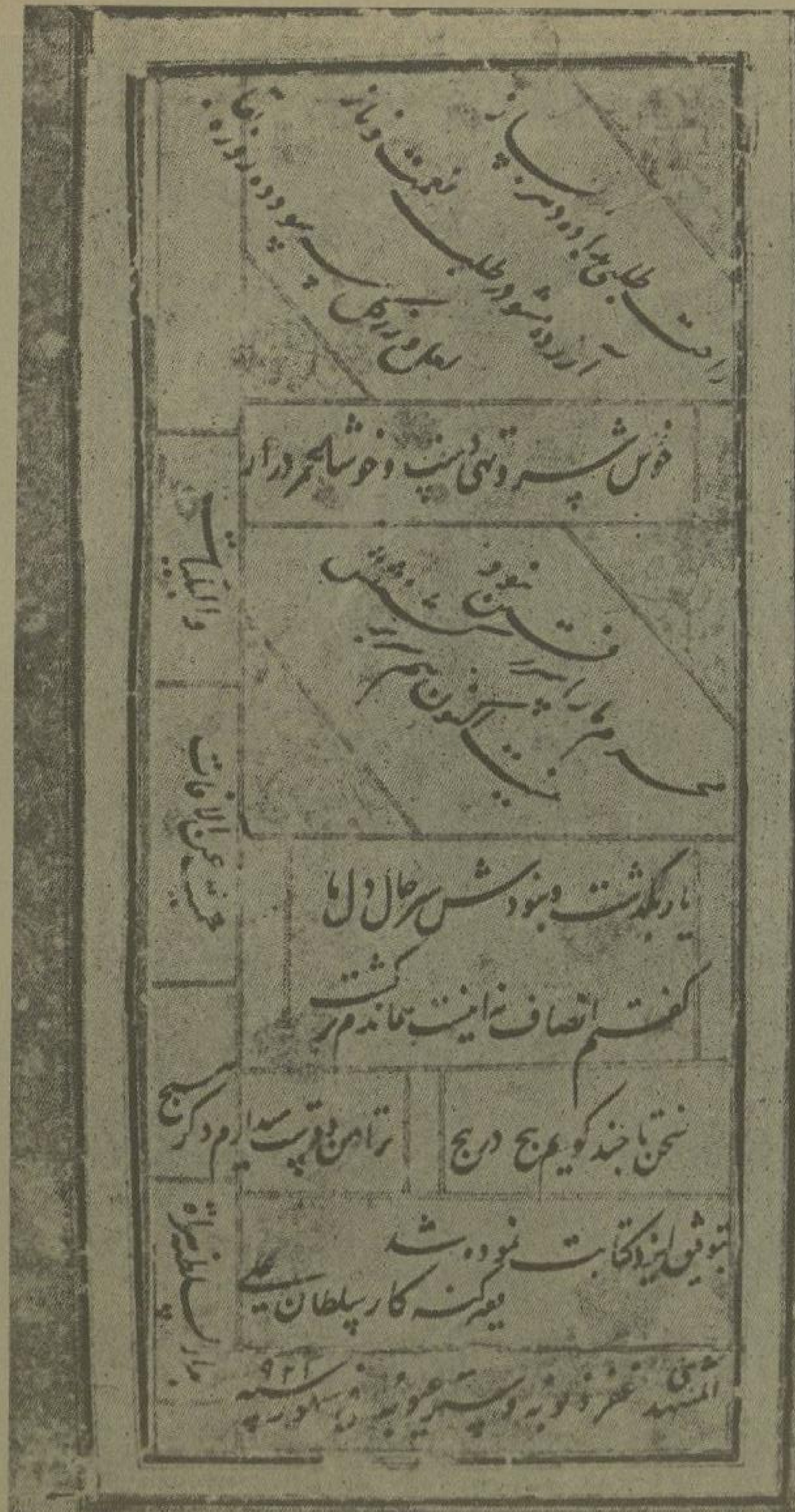
(١٠)



(١٢)



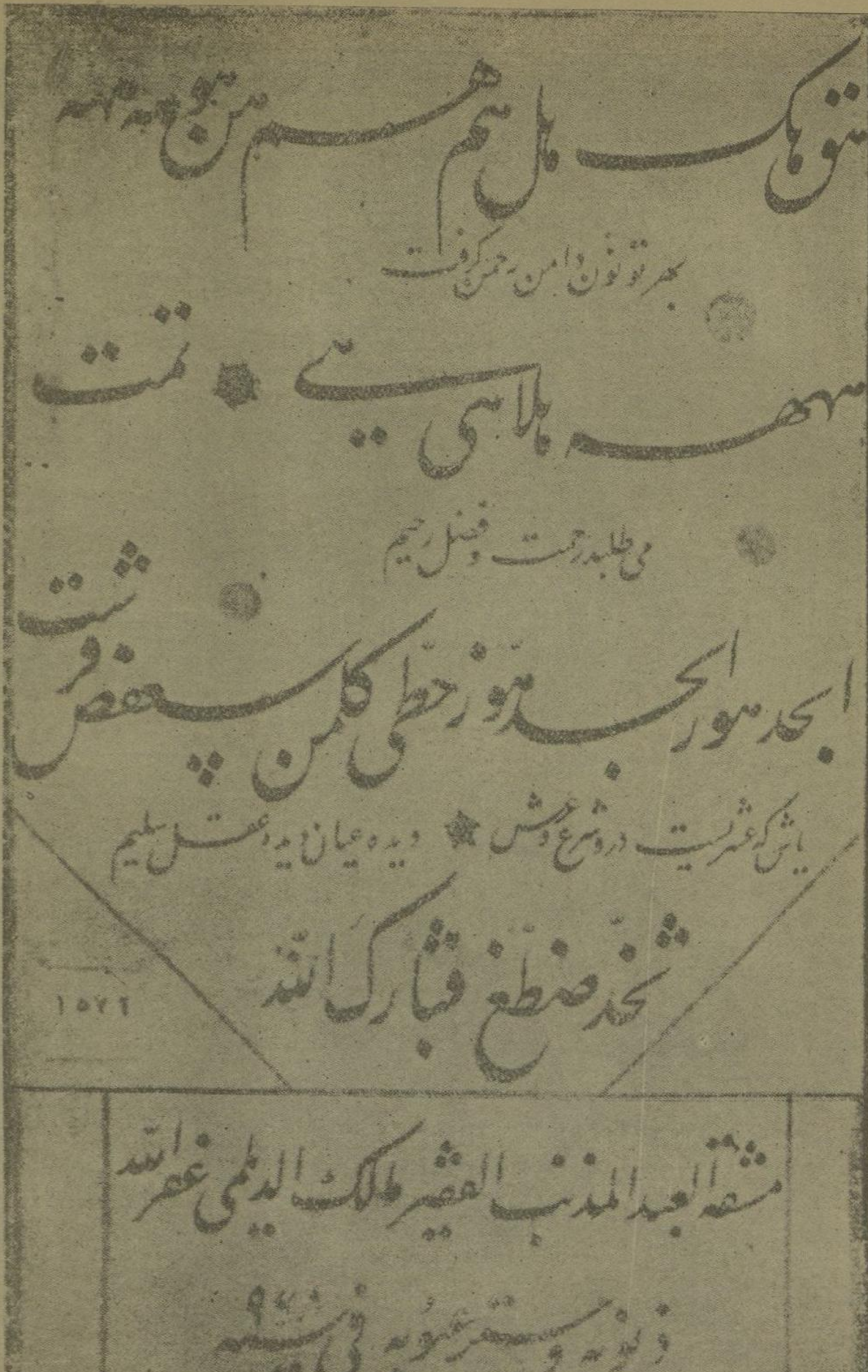
(١١)



(١٣)

(اله) (٥١)





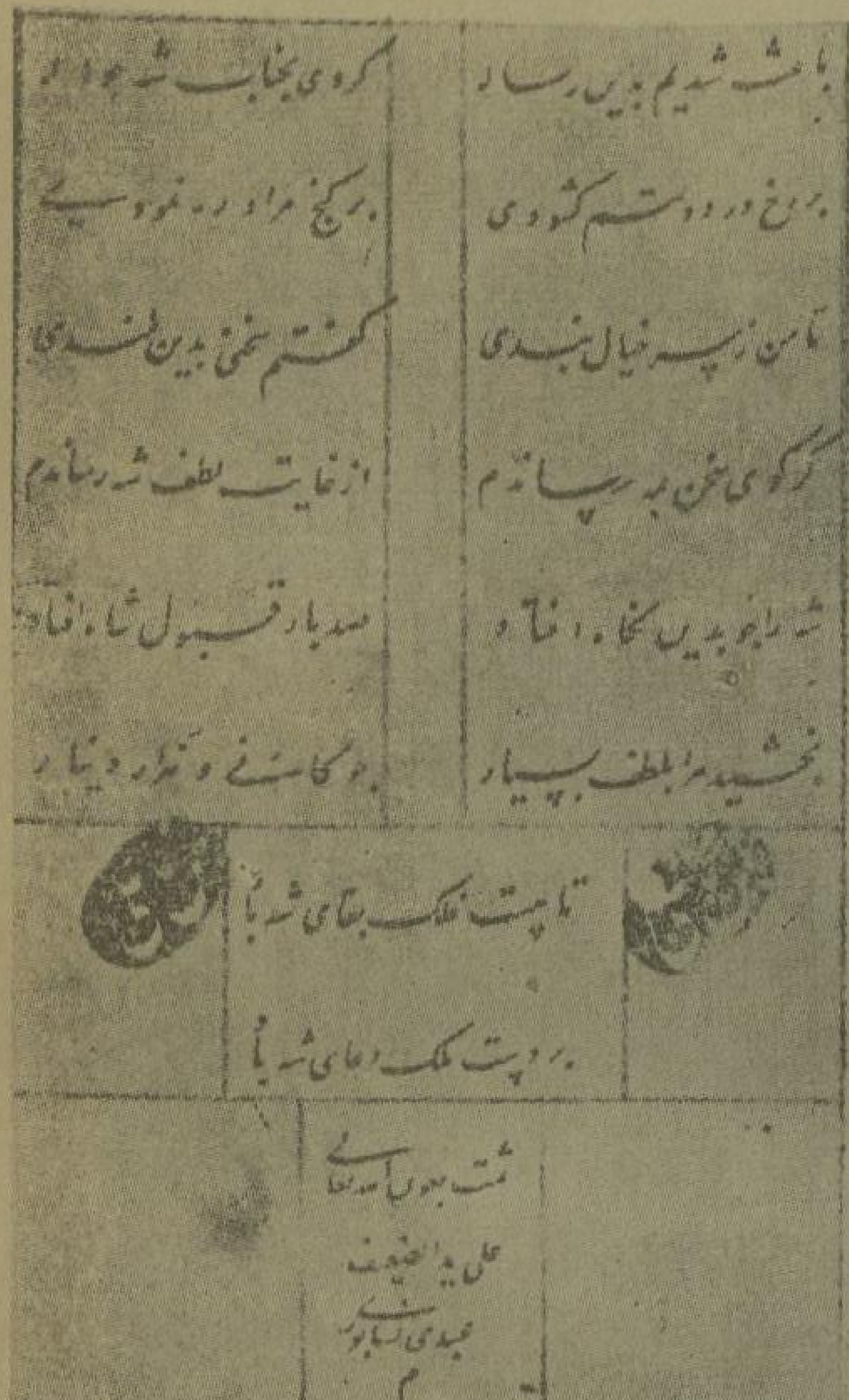
می طلبد رحمت و فضل رحیم
ابجد هوز حطی کلمن سعفص قرشت
دیده عیان دیده عقل سلیم
ثخذ ضظغ فتبارک الله
١٥٧٦
مشقه العبد المذنب الفقیر ملک الدیلمی غفر الله



(١٩)



(٢١)



(٢٠)



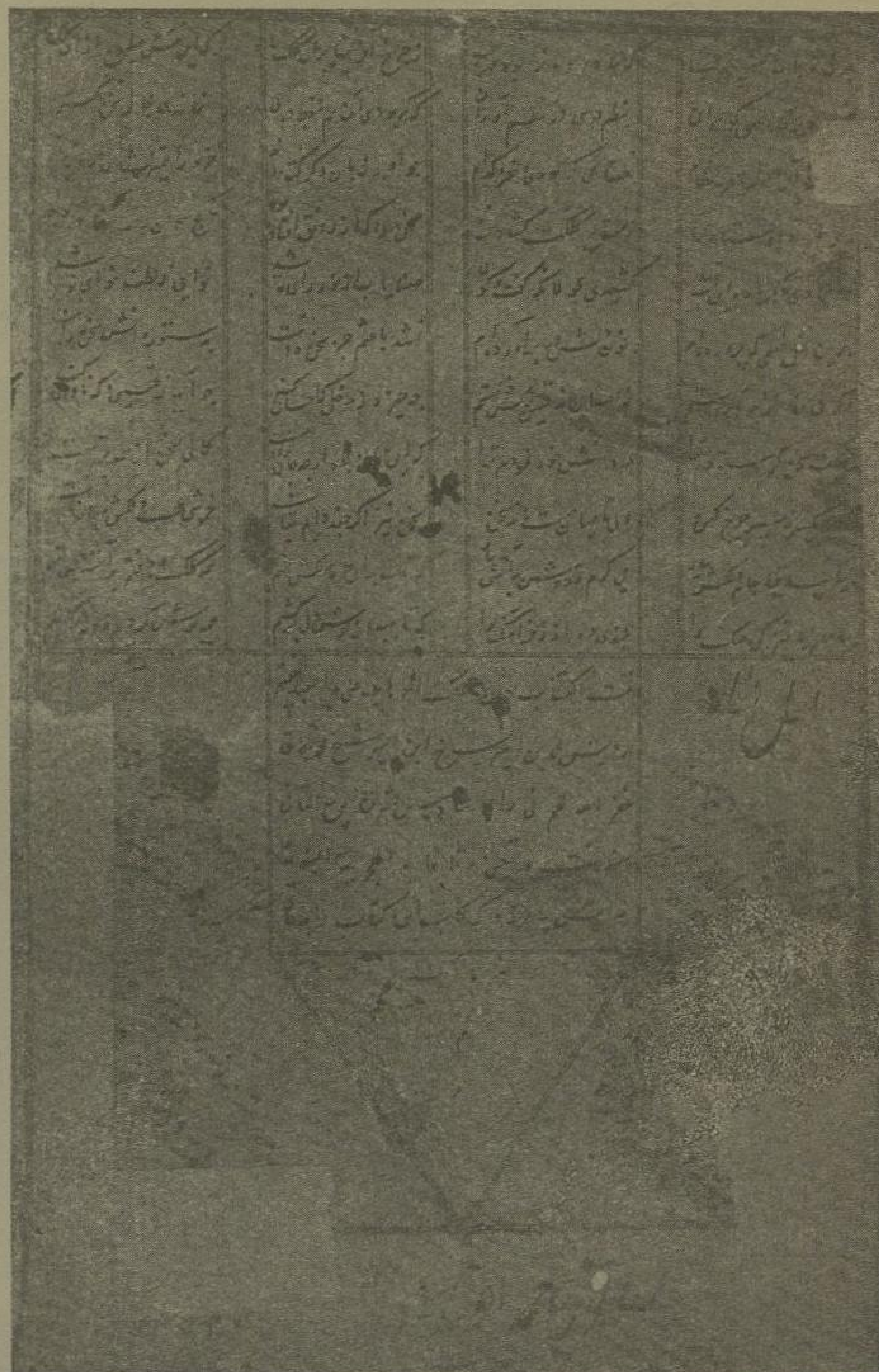
ای کاشکی که جای آرمیدن بودی
یا این ره دور را رسیدن بودی
کاشکی پی صد هزار سال از دل خاک
چون سبزه امید بر دمیدن بودی

وله

ای سوخته سوخته سوختنی
وی آتش دوزخ از تو افروختنی
تا کی گویی که بر عمر رحمت کن
حق را تو کجا برحمت آموختنی

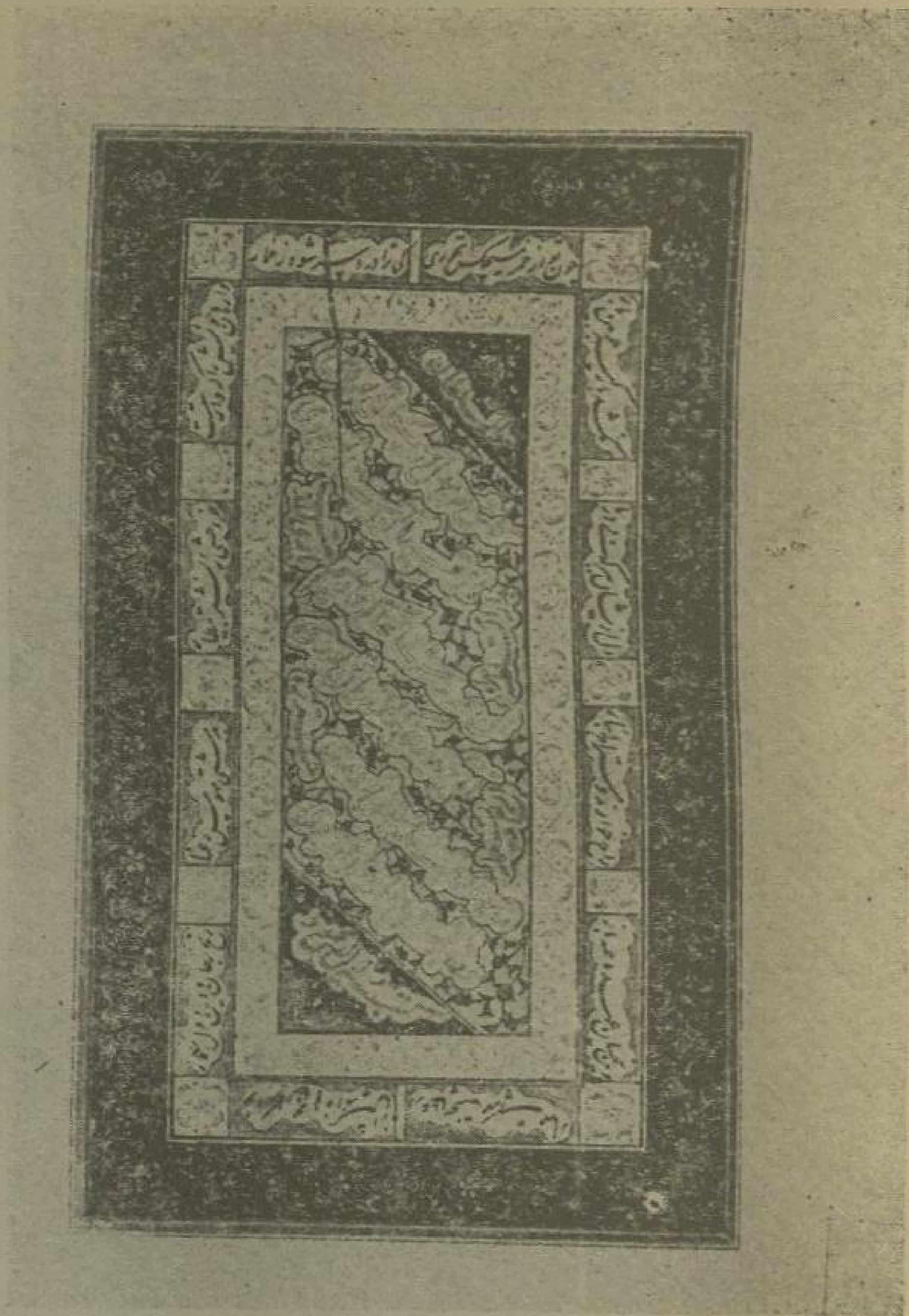
قد تمت المختصر رباعیات حکیم عمر خیام بعون الملک العلام بید الضعیف الفقیر عبد اللطیف
ابن عبد الله العباسی فی تاریخ عشرین شهر رجب المرجب سنة الف و
ثلثین من هجرة النبی صلی الله علیه و سلم
اللهم اغفر لکاتبه و لوالدیه

(٦٨)

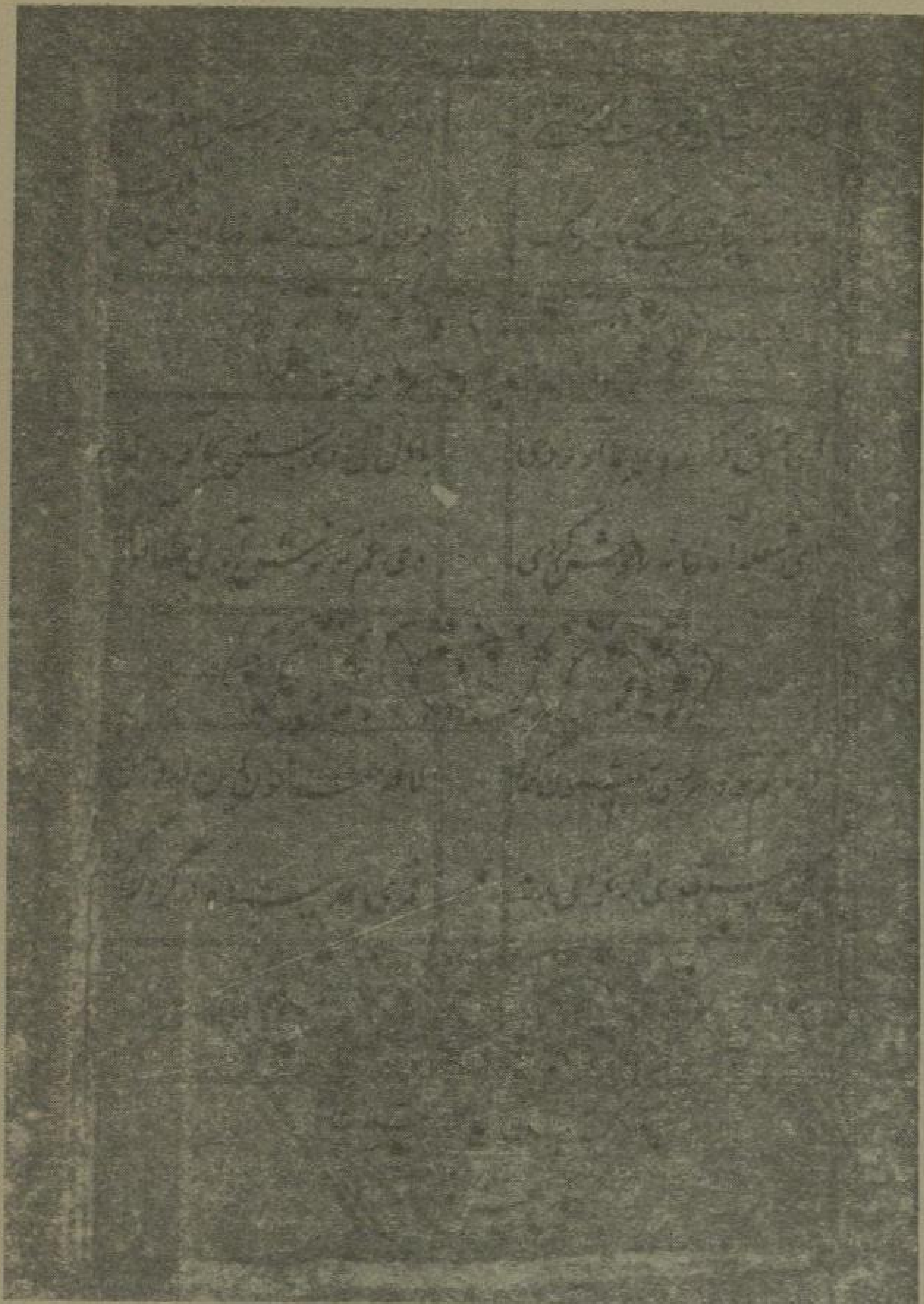


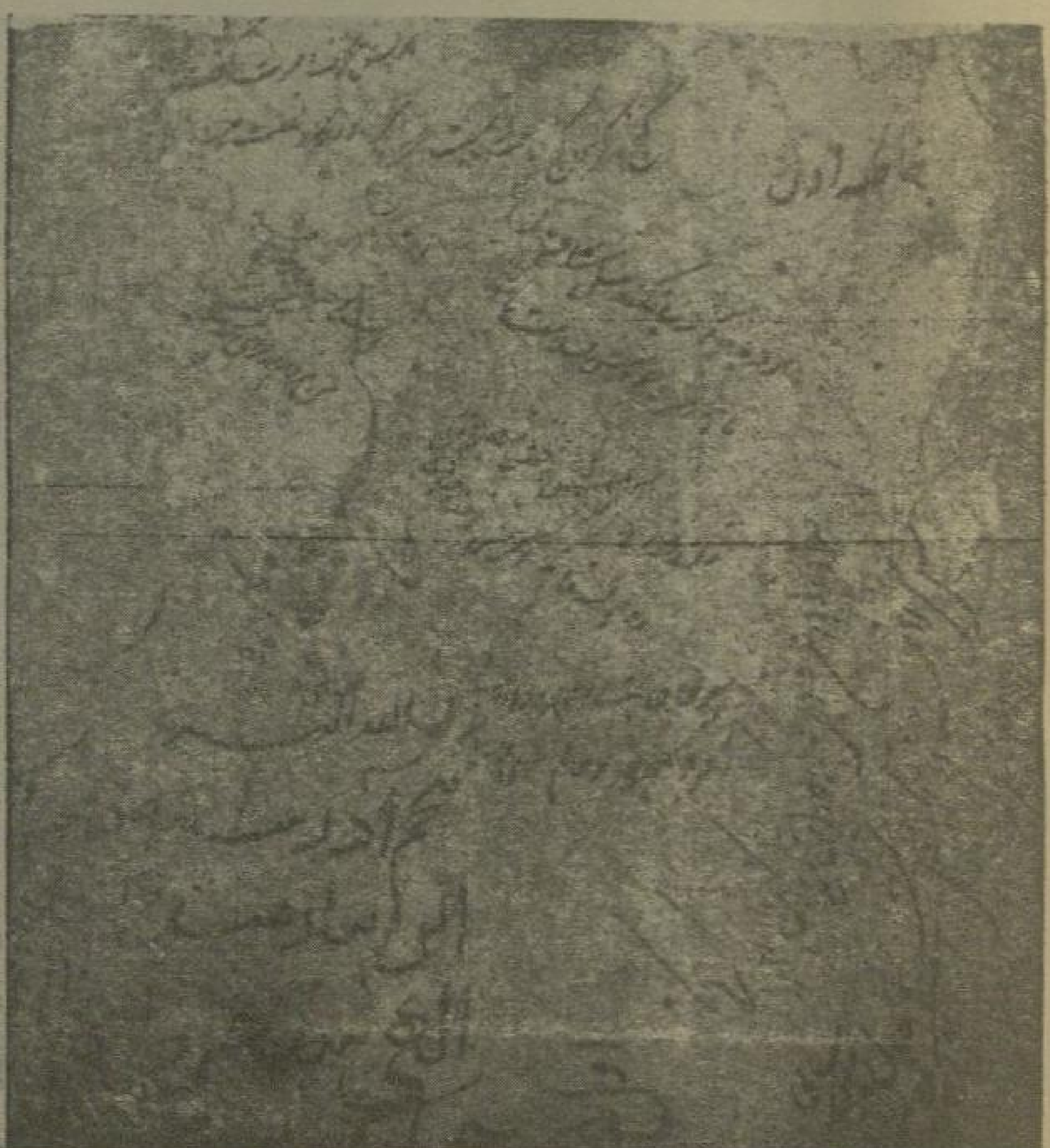
(٢٢)

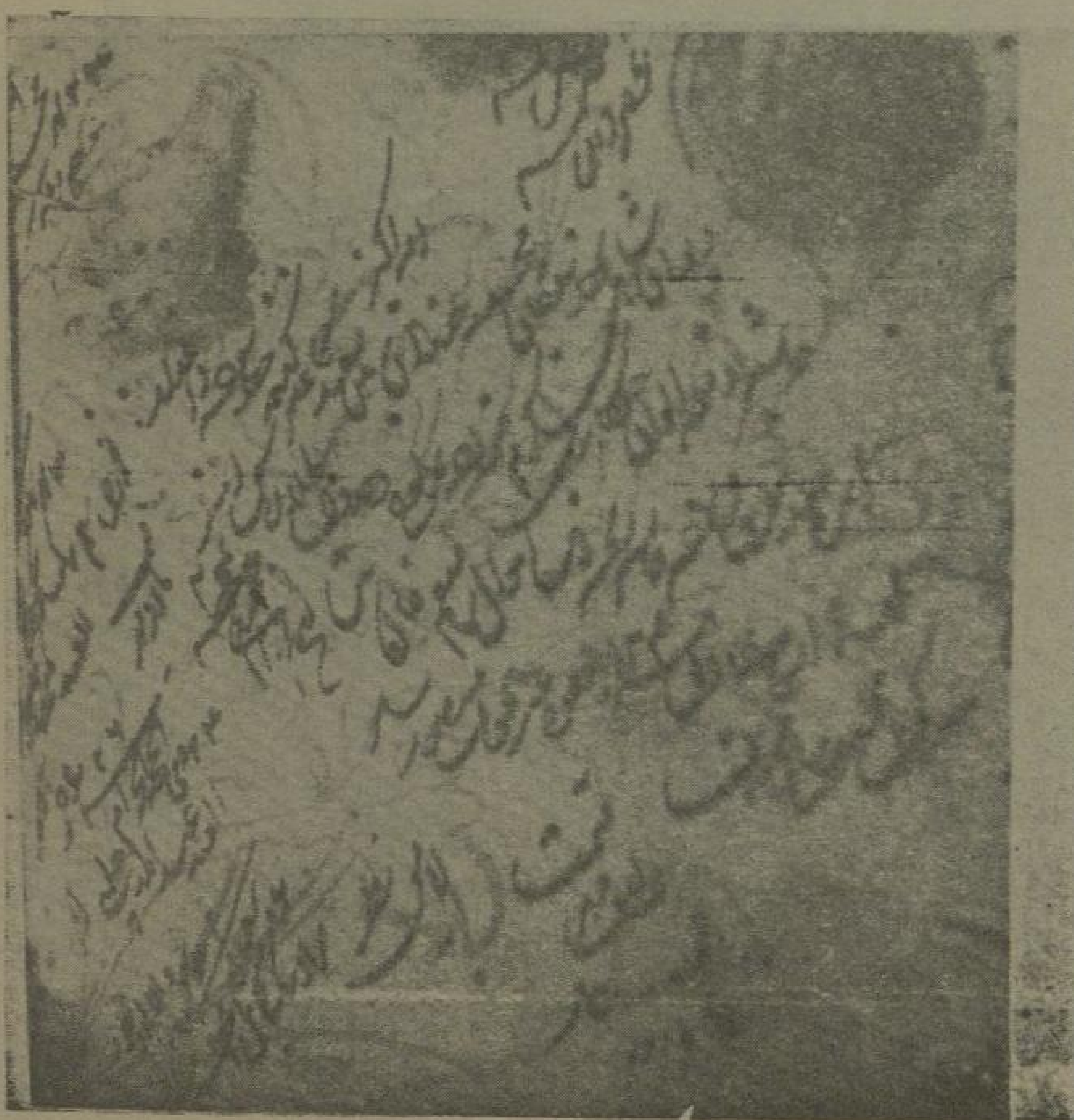
(۲۸) - (۲۵)

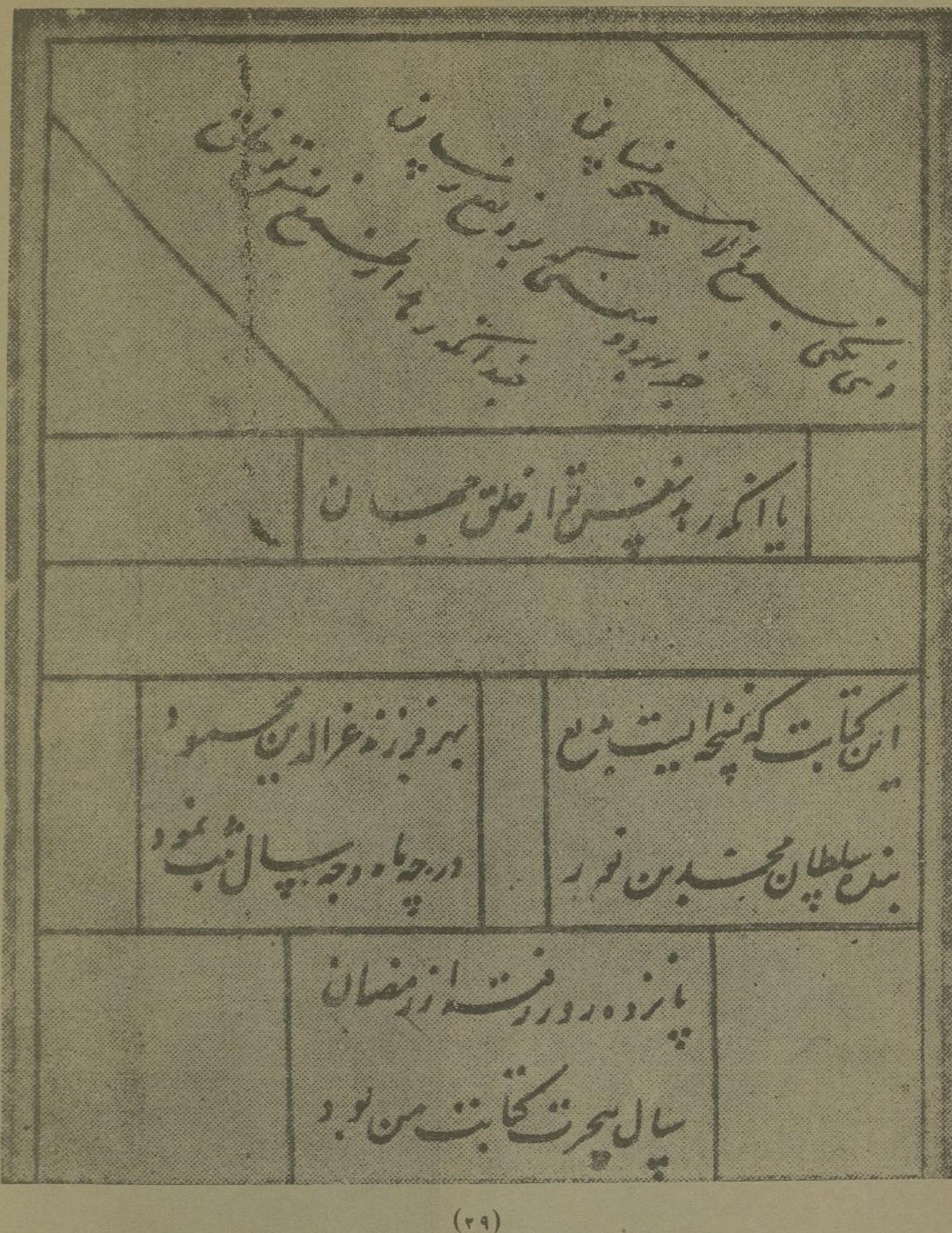


(۲۳)








زهی نیکی جامع الاسرار پنهان
خوشا روز و شبی نوربخش جهان
جدا آنکه رها از نسخ نسترن

یا اکرم بر نفس تو از خلق جهان

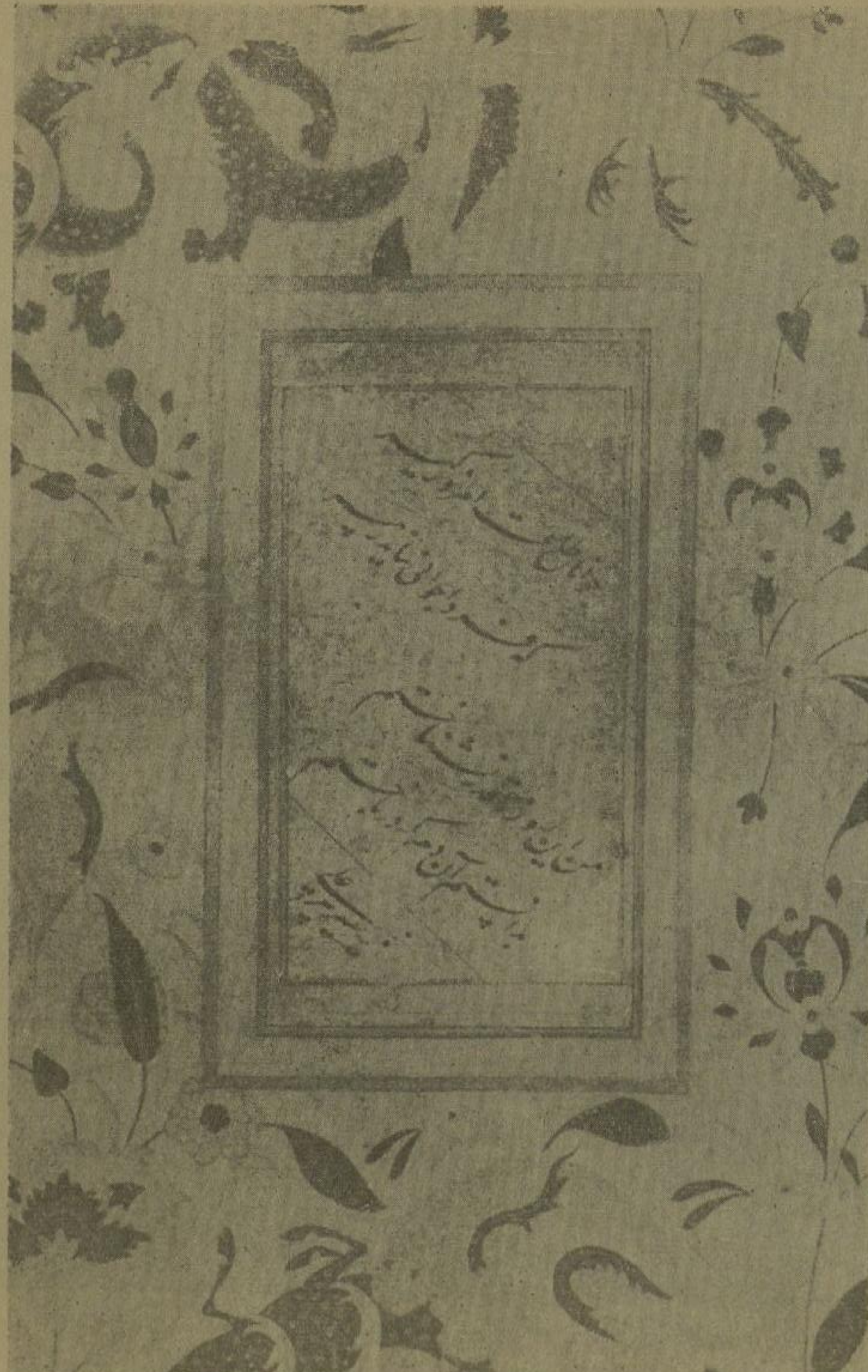
این کتابت که نسخه ایست بدیع
بهر فرزند عزالدین محمود

بنده سلطان محمد بن نور
در چه ماه و چه سال ثبت نمود

پانزده روز رفته از رمضان
سال هجرت کتابت من بود


یارب تو مرا توبه ده و عذر پذیر
ای توبه ده و عذر پذیر همه کس
ای واقف اسرار ضمیر همه کس
در حالت عجز دستگیر همه کس

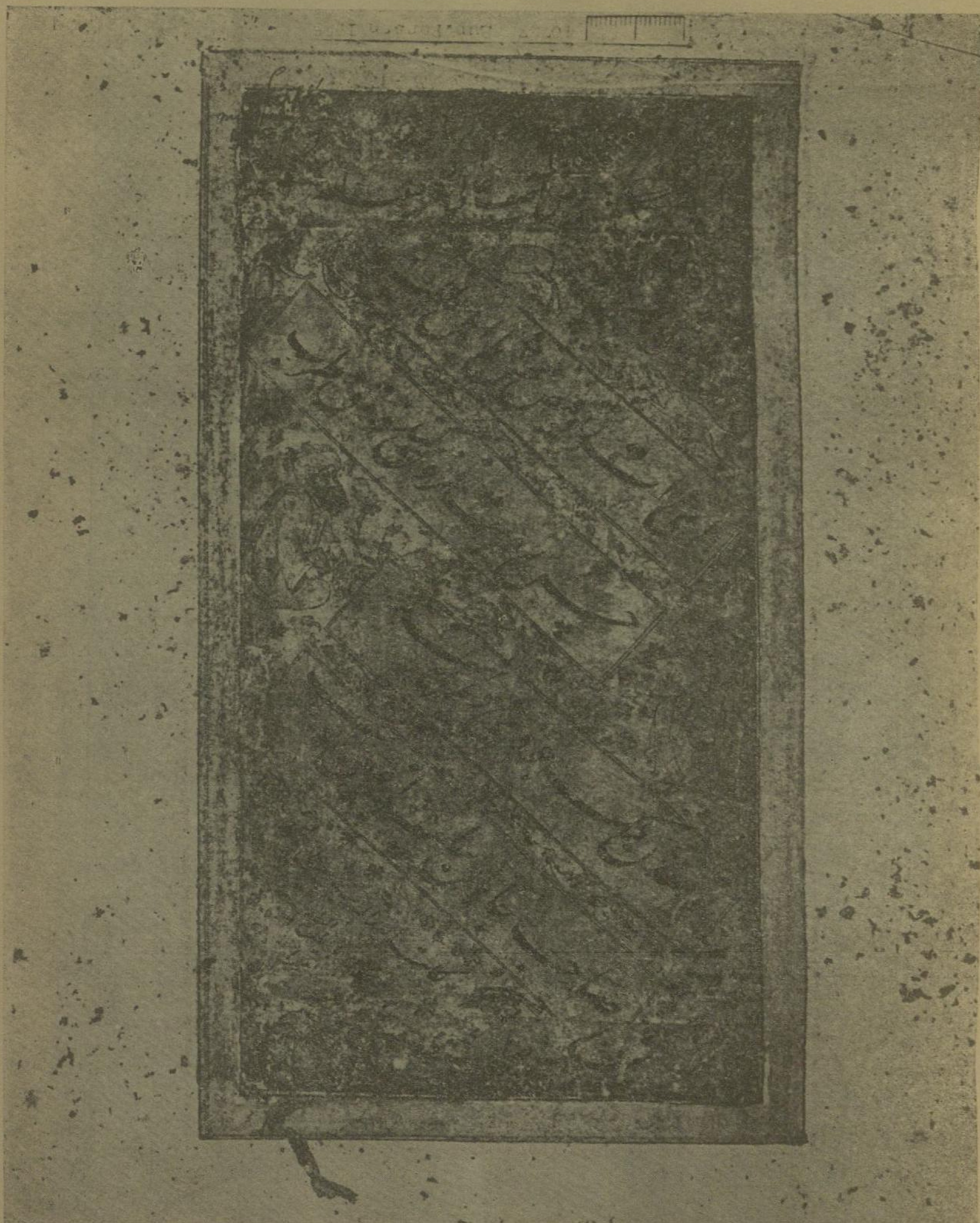
(۳۰)



(۳۱)



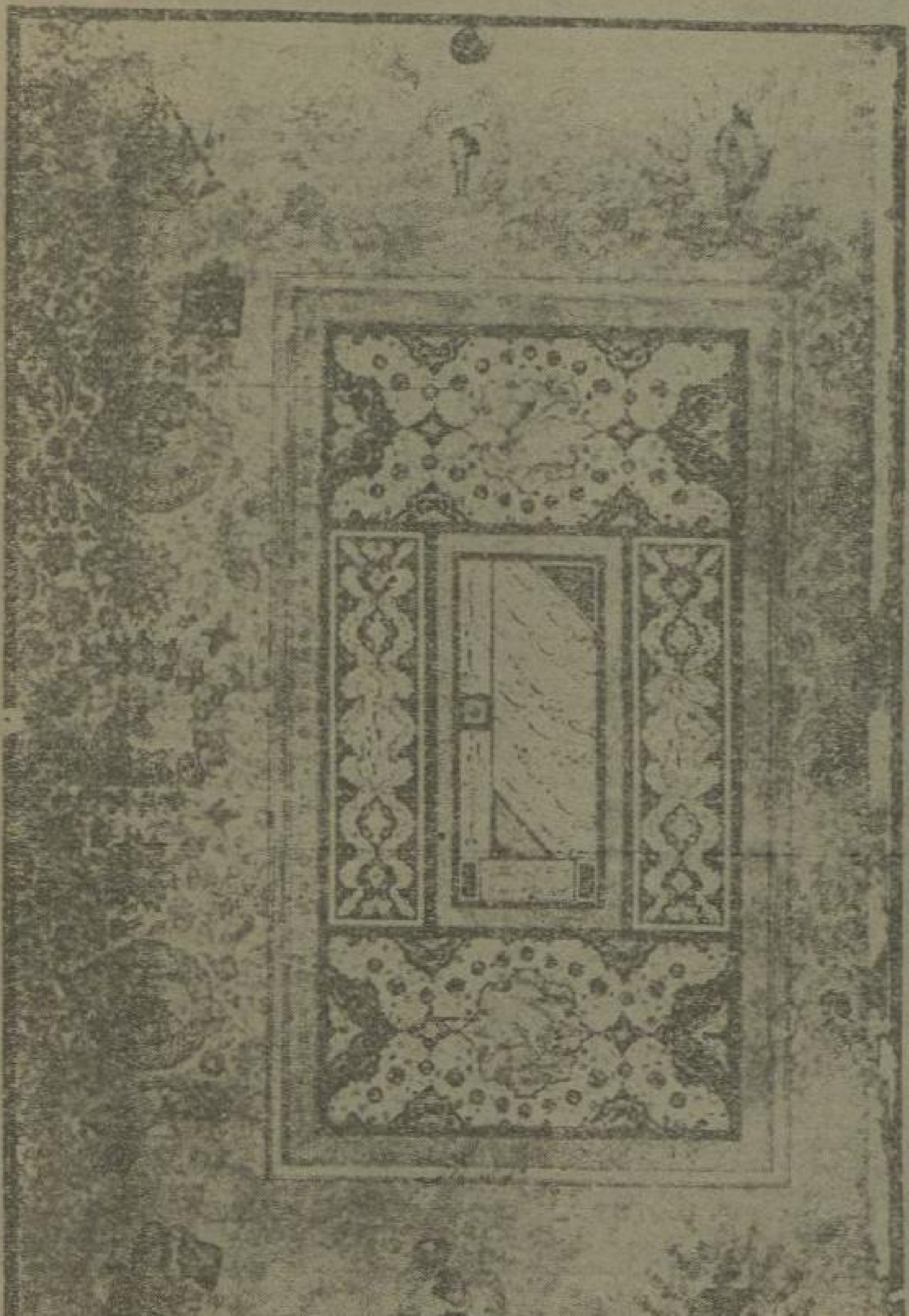
(۳۲)

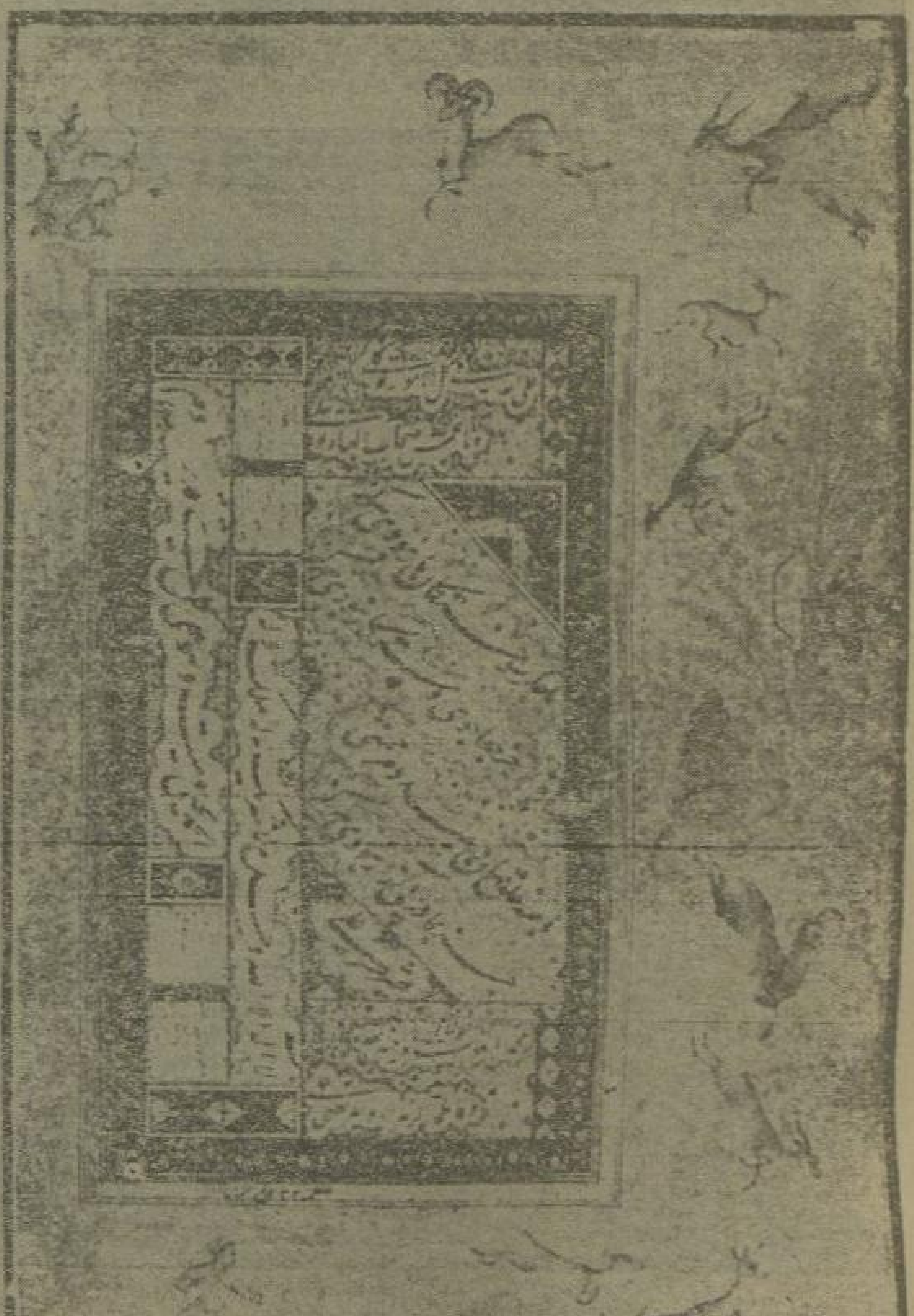




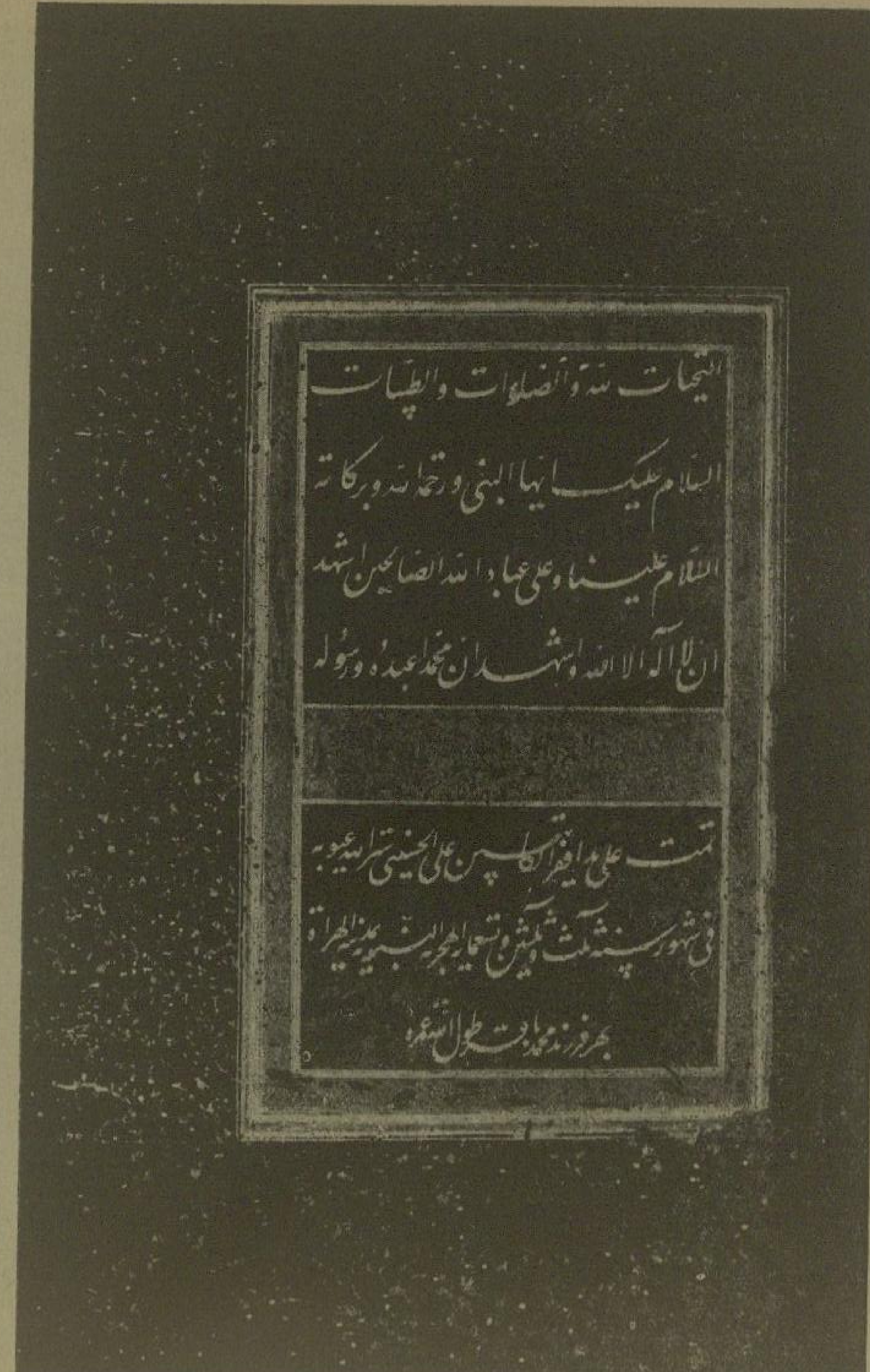
(۳۴)



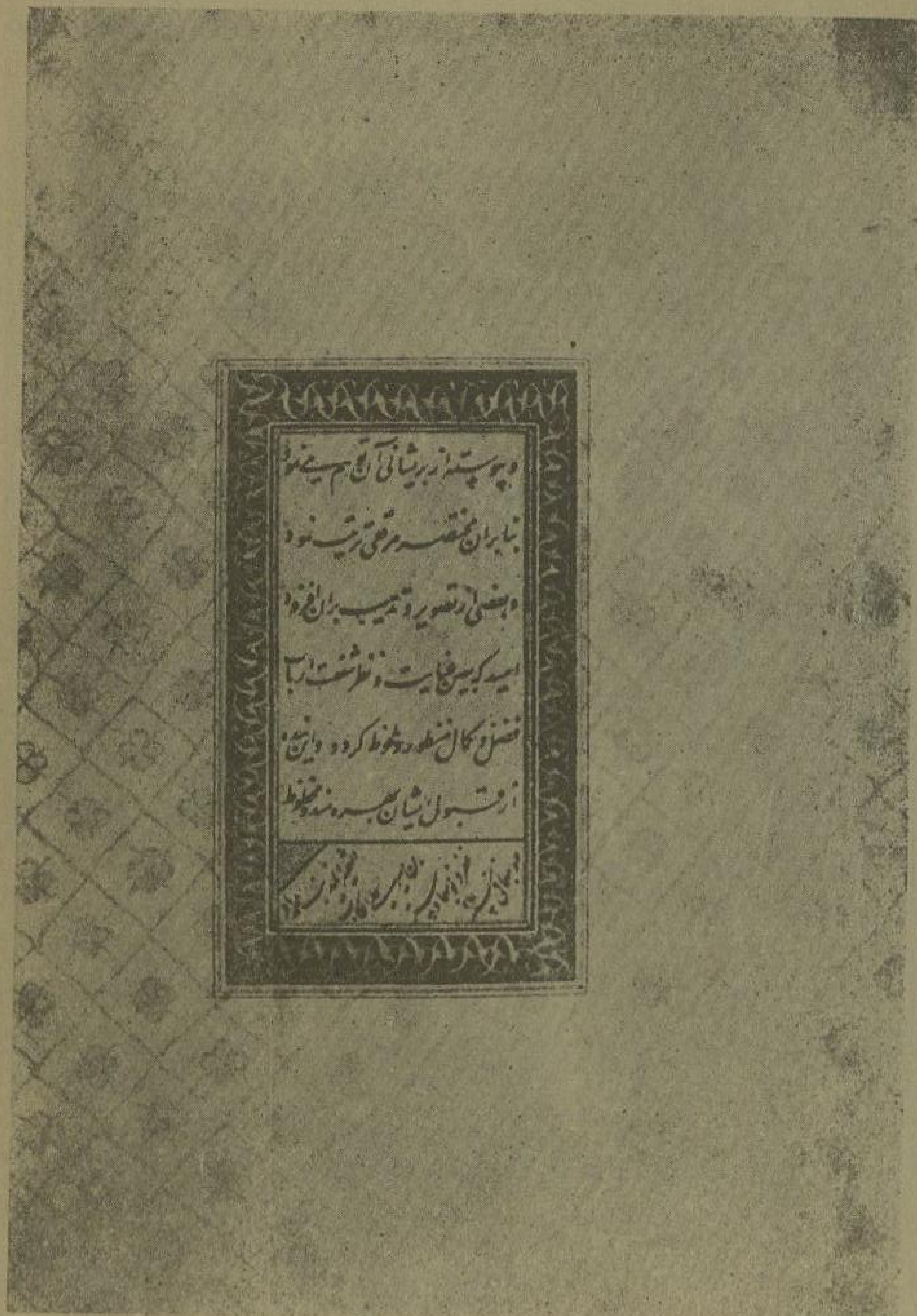




(۳۵) - (۳۶) - (۳۷)


التحيات لله والصلوات والطيبات
السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته
السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد
ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

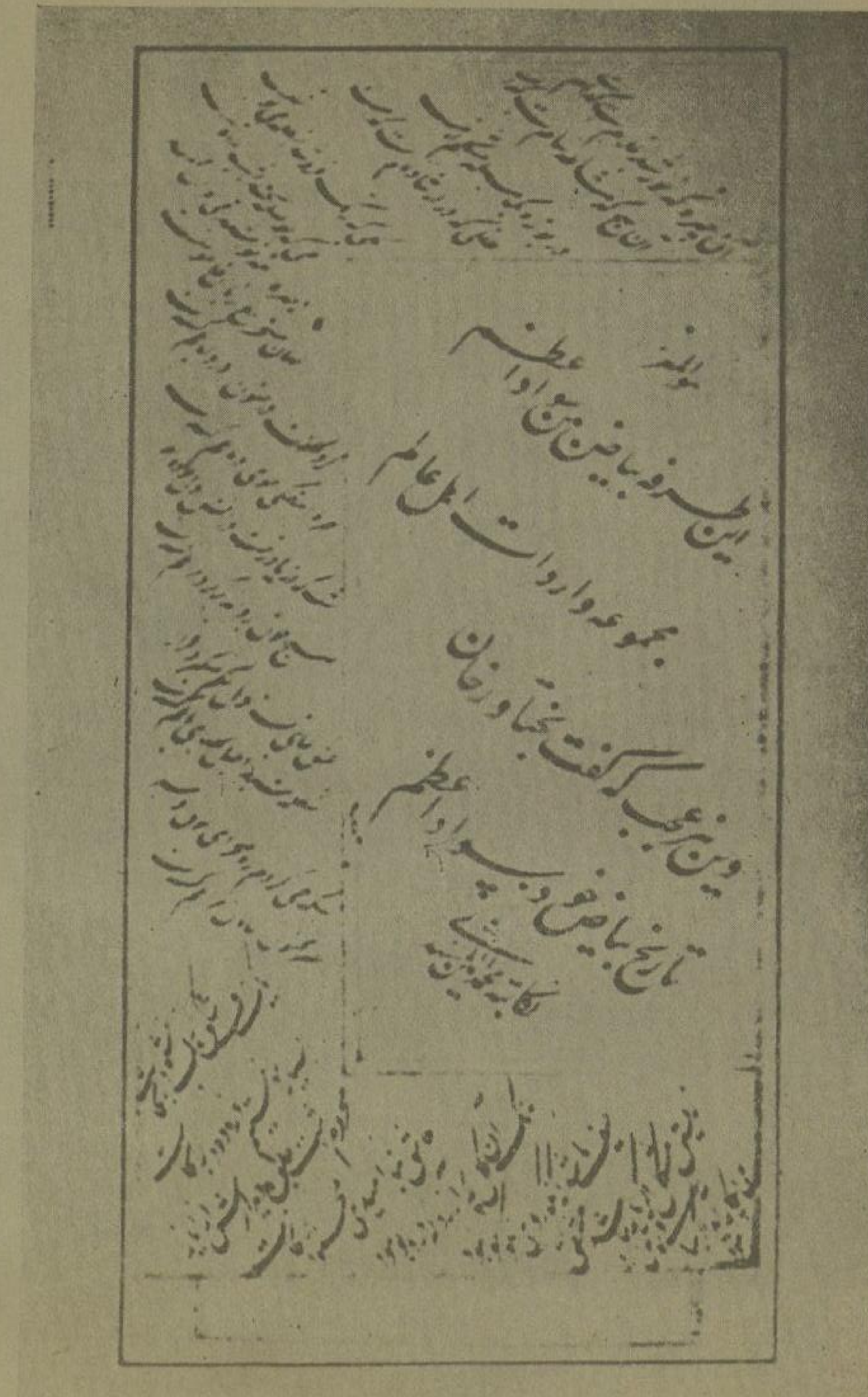
(۳۸)



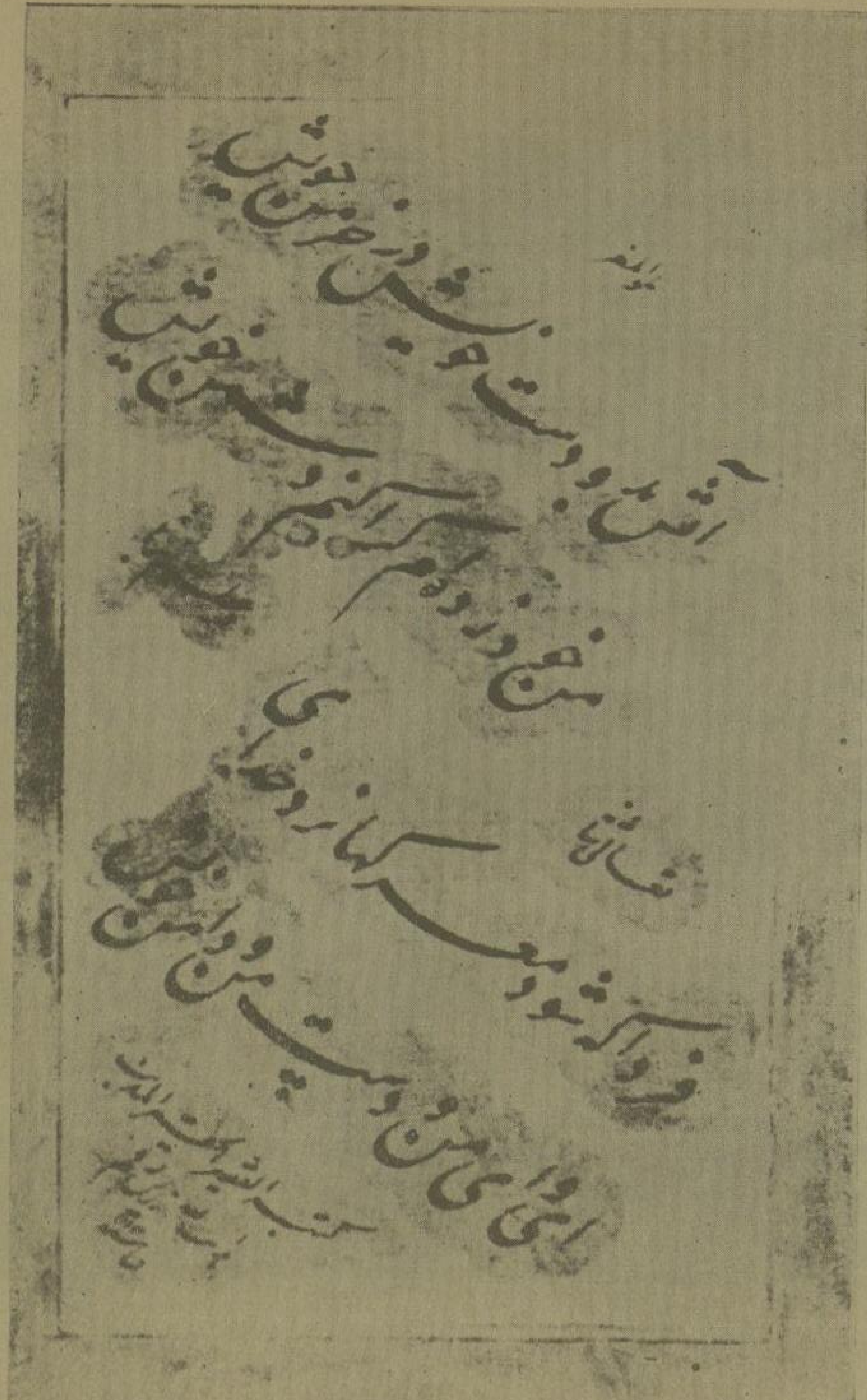
(۳۹)



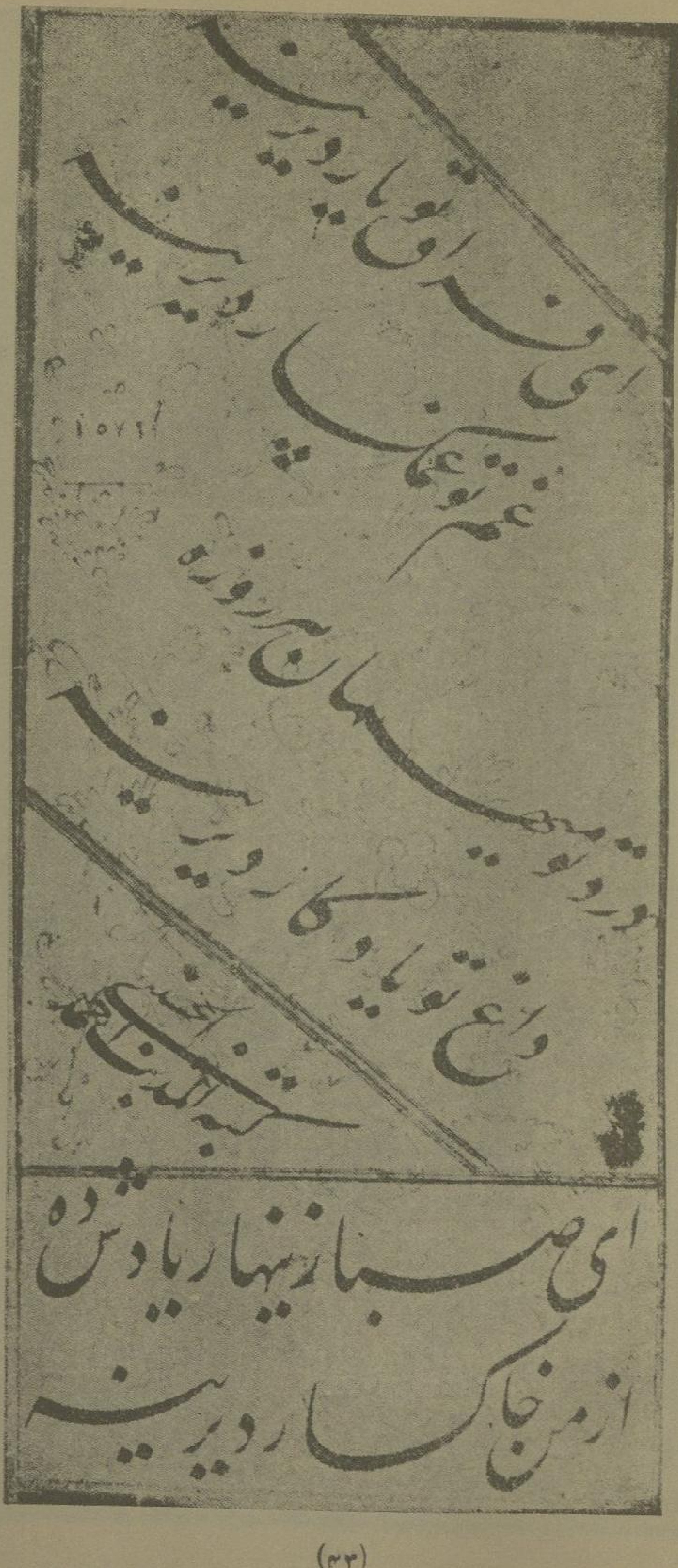
(۳۰)



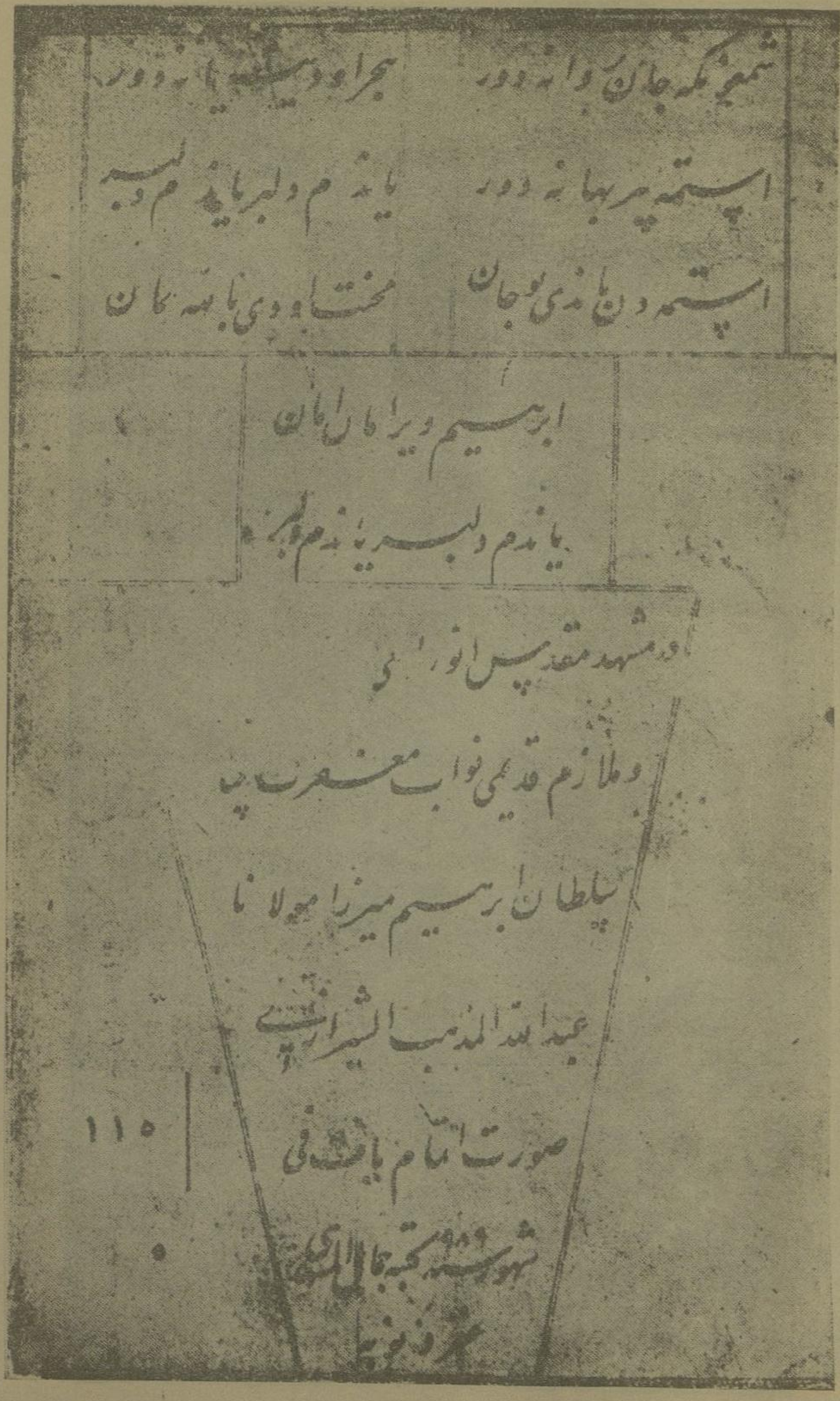
(۳۱)



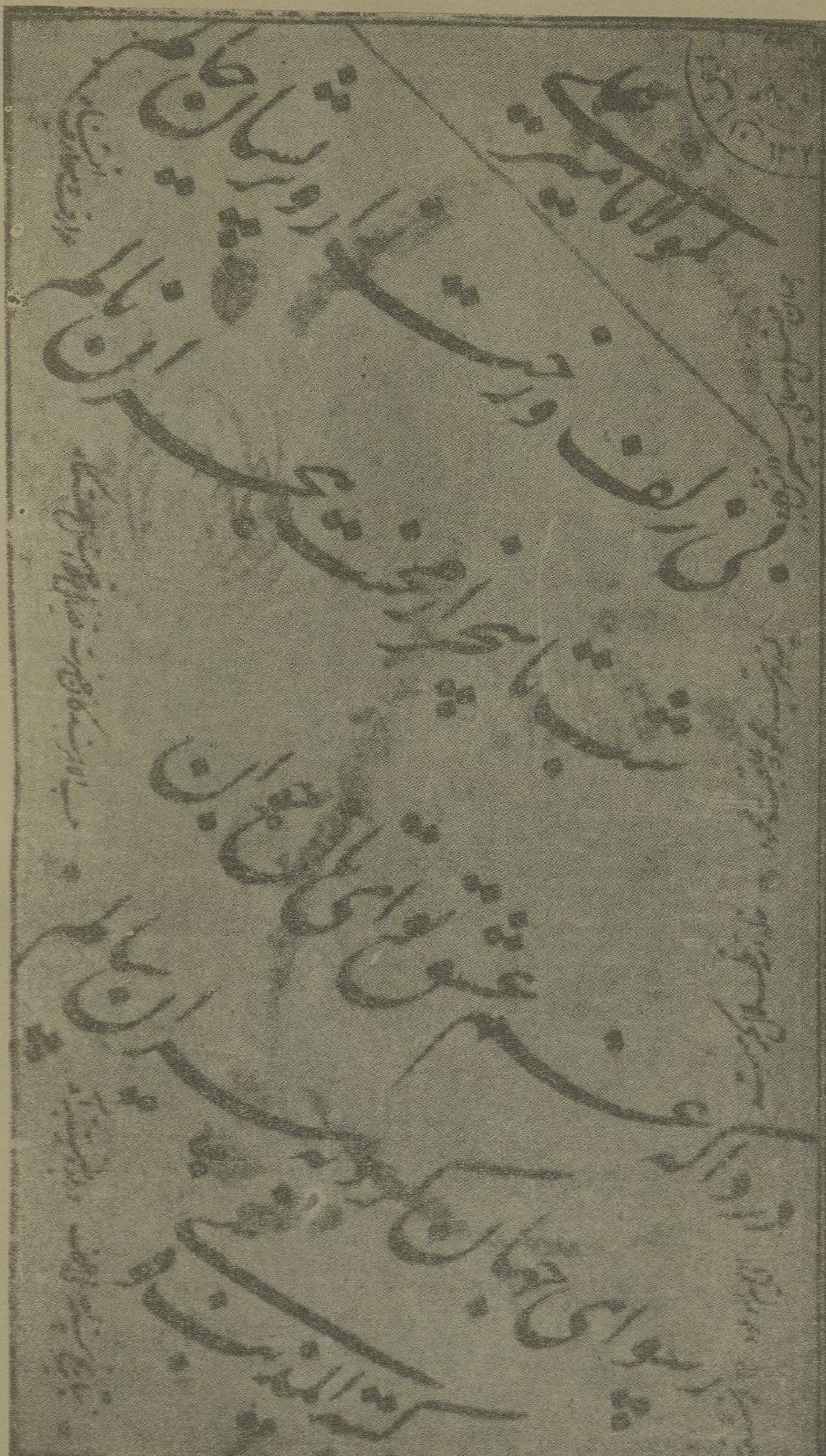
(۳۲)


ای صبا زینهار یاد ده
از من خاکسار دیرینه

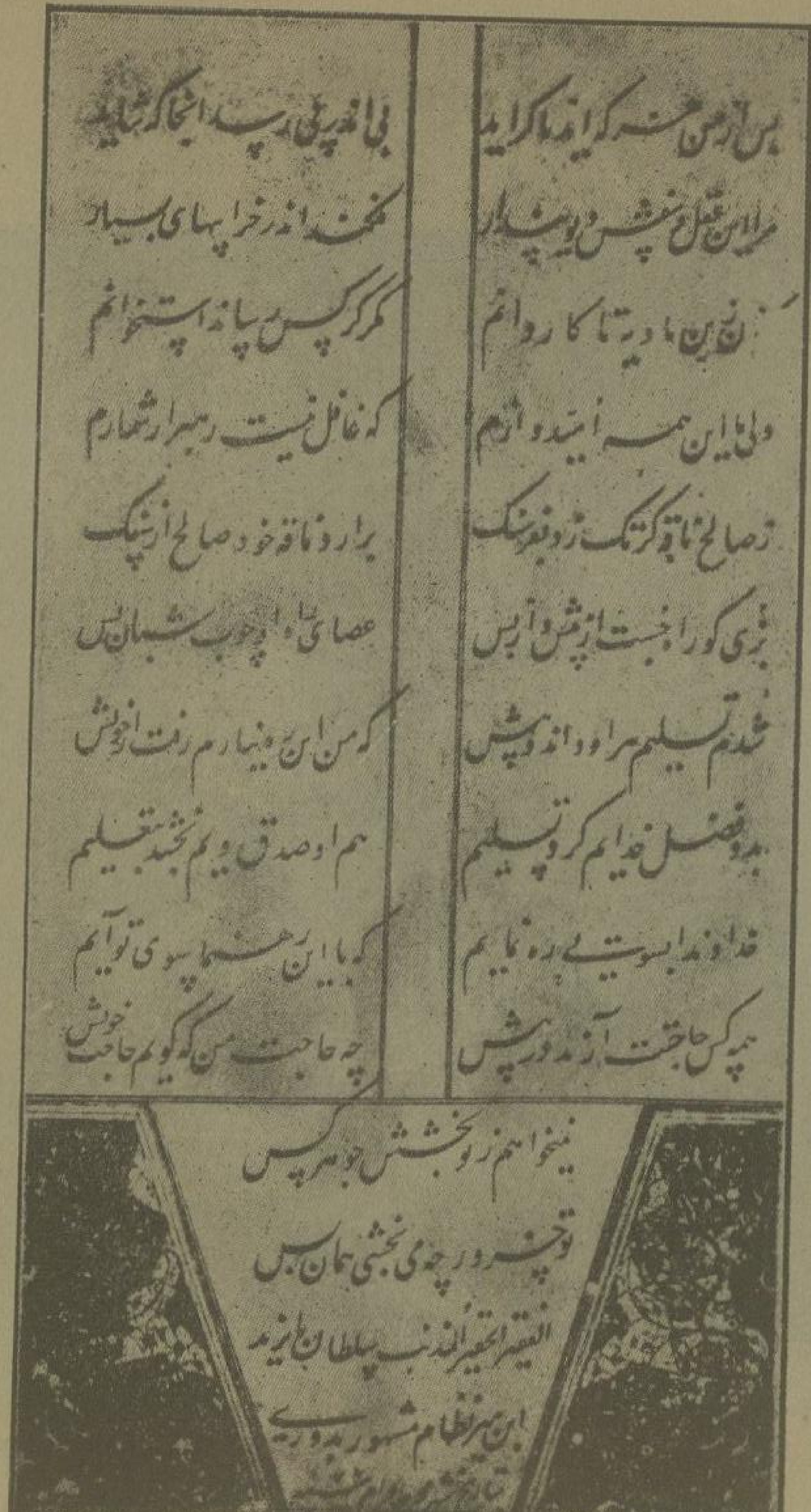




شمع نگه جان را به دور
هجر او دیده با به دور
اپستمه پر بها به دور
یا به م دلبر یا به م د به
اپستمه دن یا ندی بو جان
محنتا و دی یا به نکان
ابرهیم ویرا هان امان
یا ندم دلبر یا ندم دلبر
در مشهد مقدس انور ...ی
و ملازم قدیمی نواب مغفرت پناه
سلطان ابرهیم میرزا مولانا
عبدالله المذهب الشیرازی
صورت اتمام یافت فی
شهور سنه ...
115



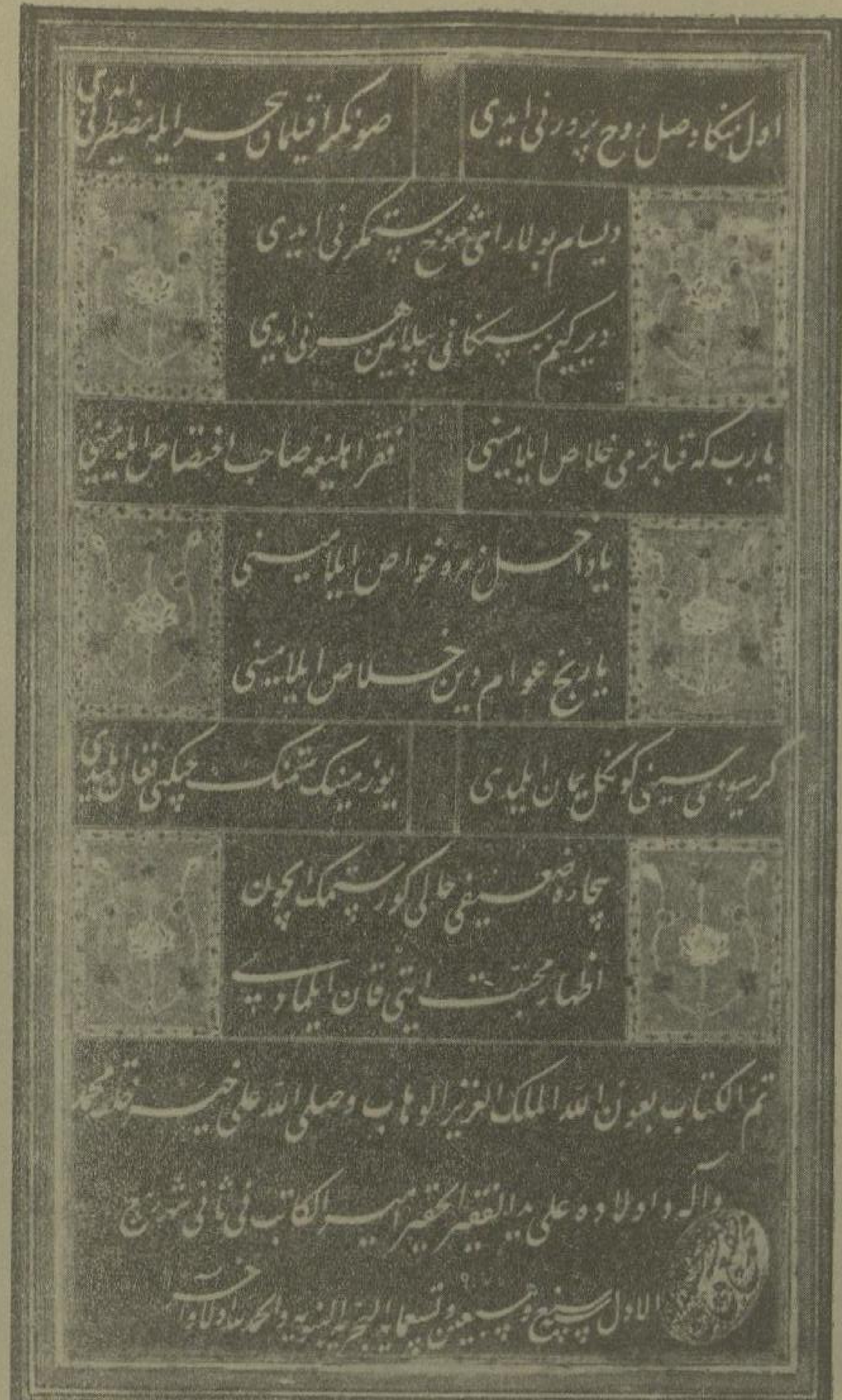

محمد رضا



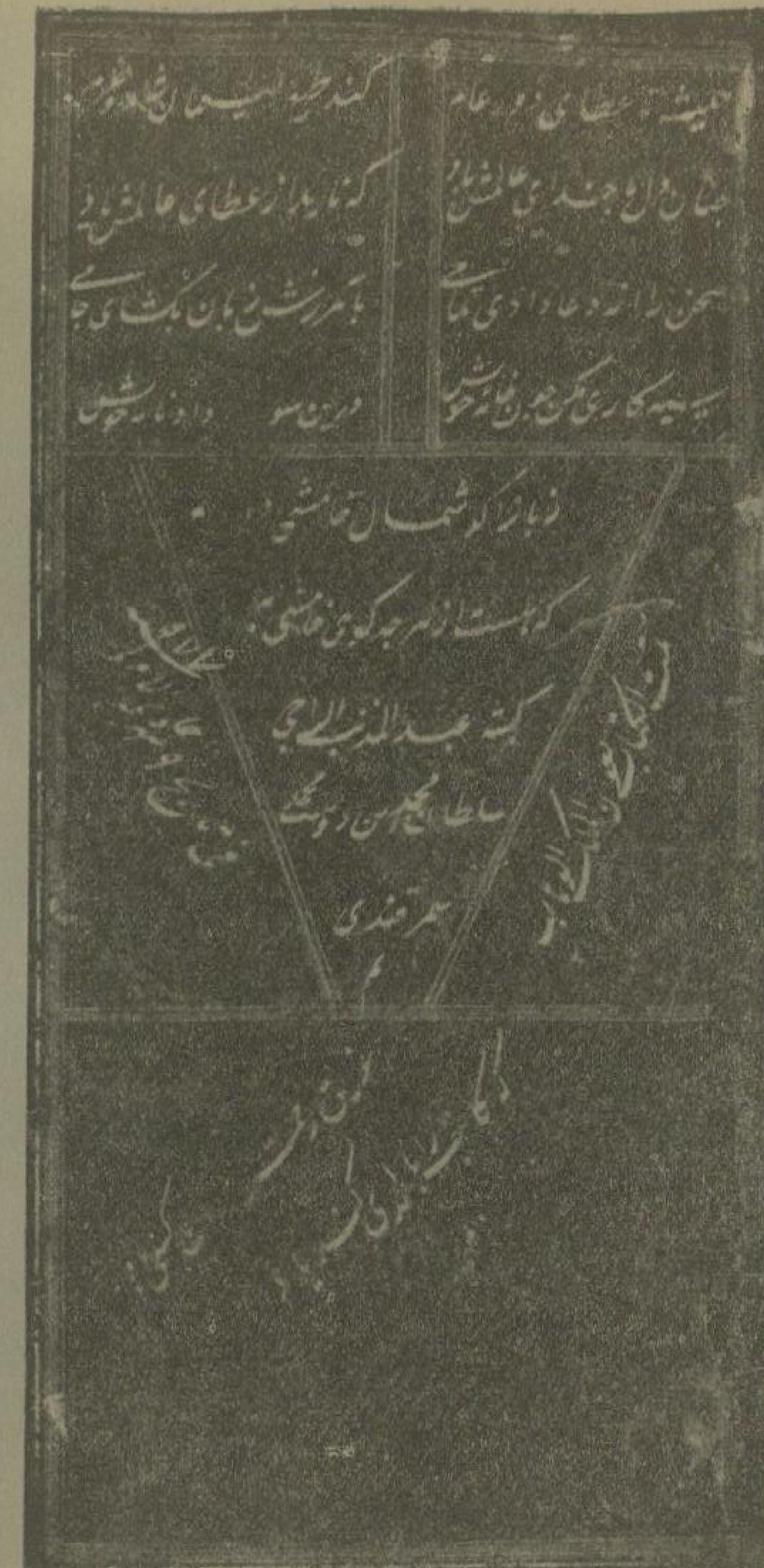
(٤٩)



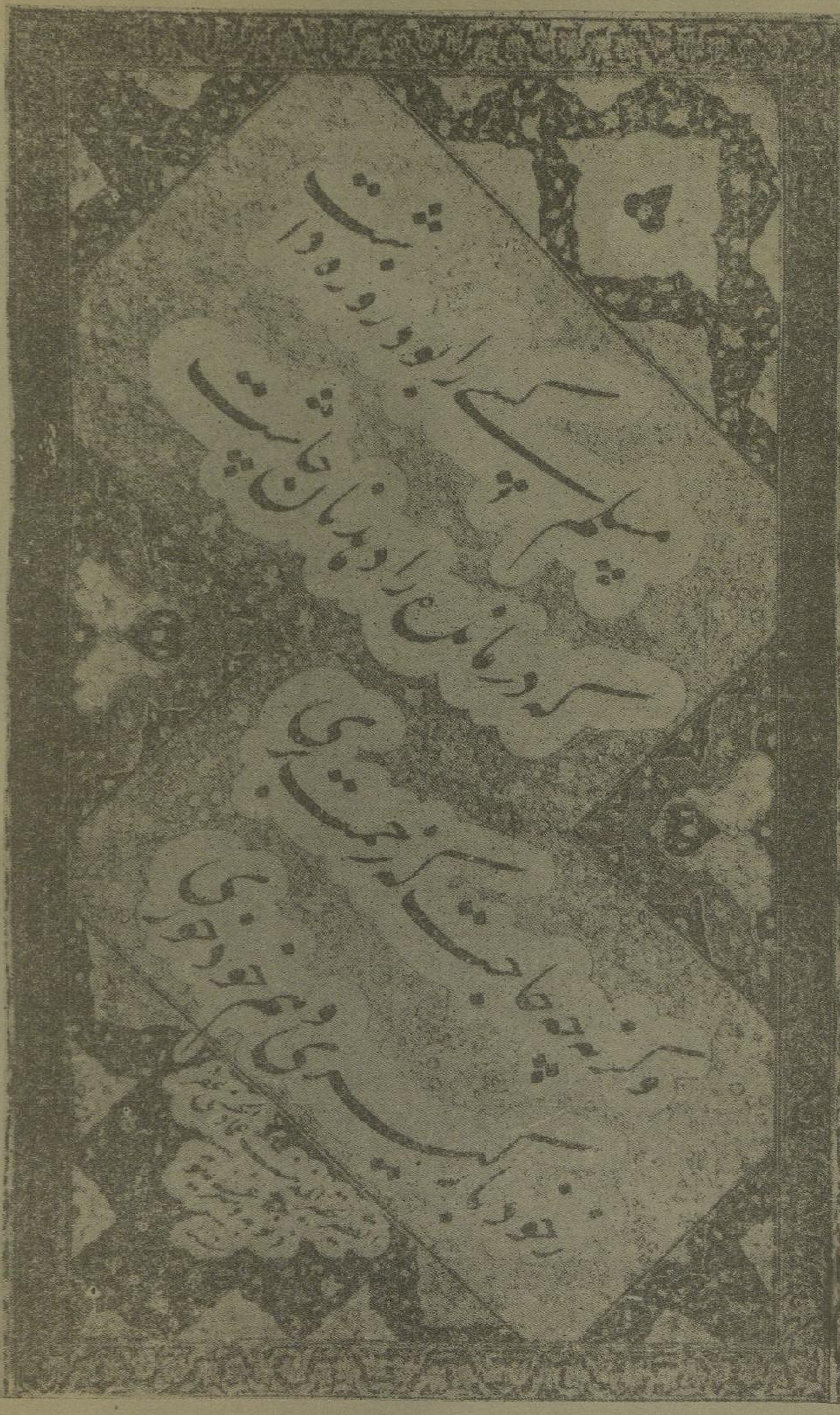
(٥٠)

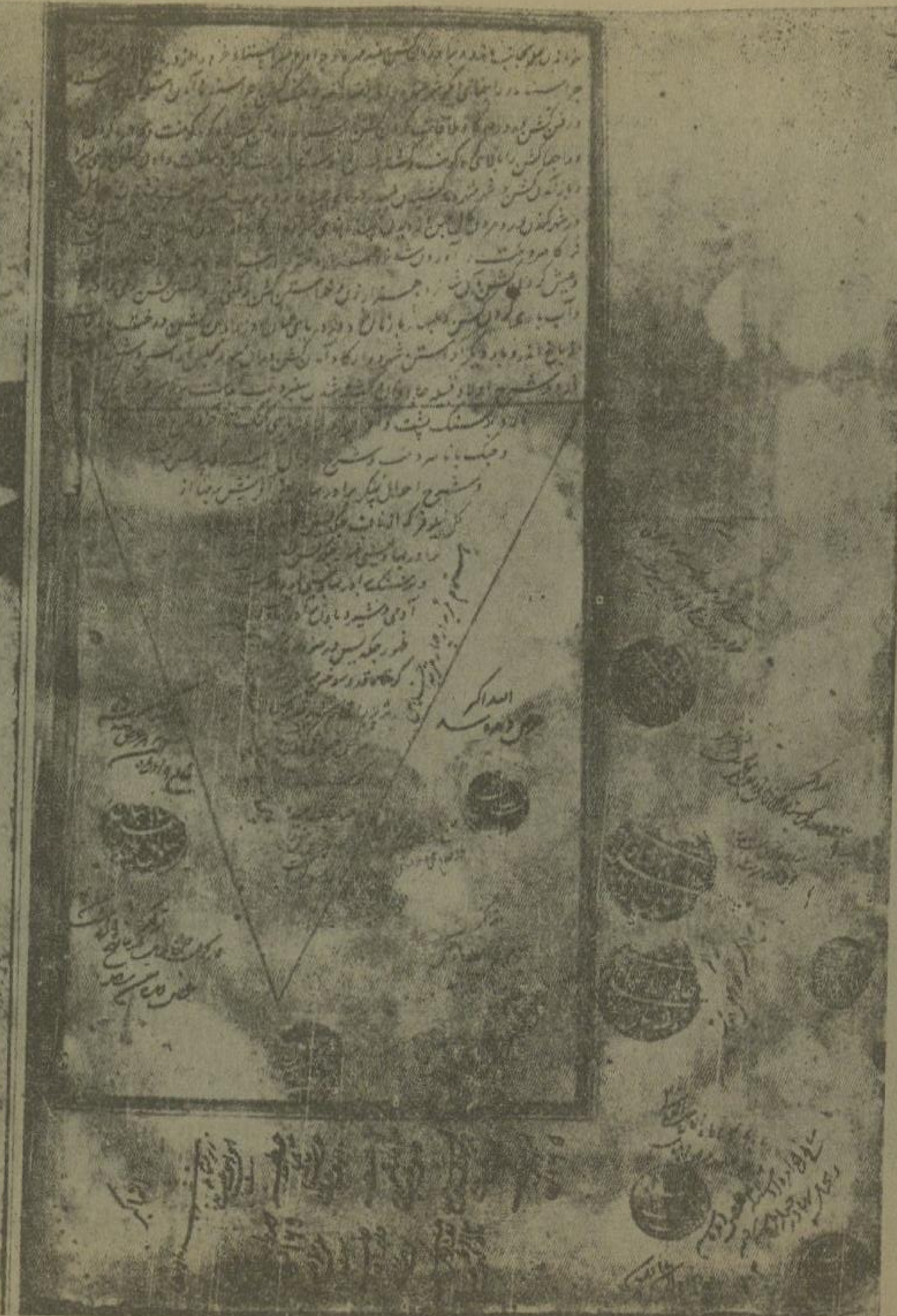

تم الکتاب بعون الله الملک العزیز الوهاب وصلی الله علی خیر خلقه محمد

(٥١)

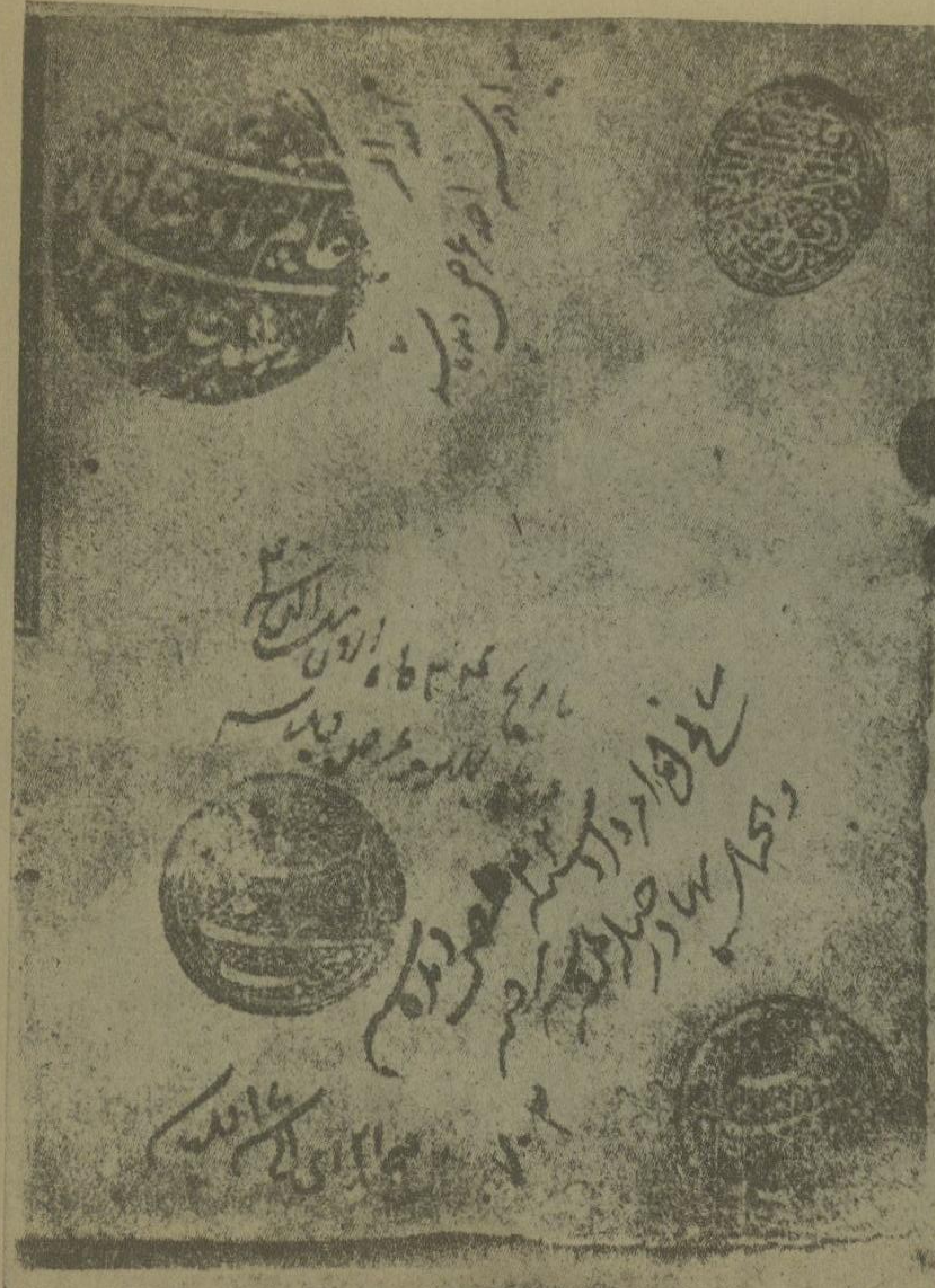


(٥٢)





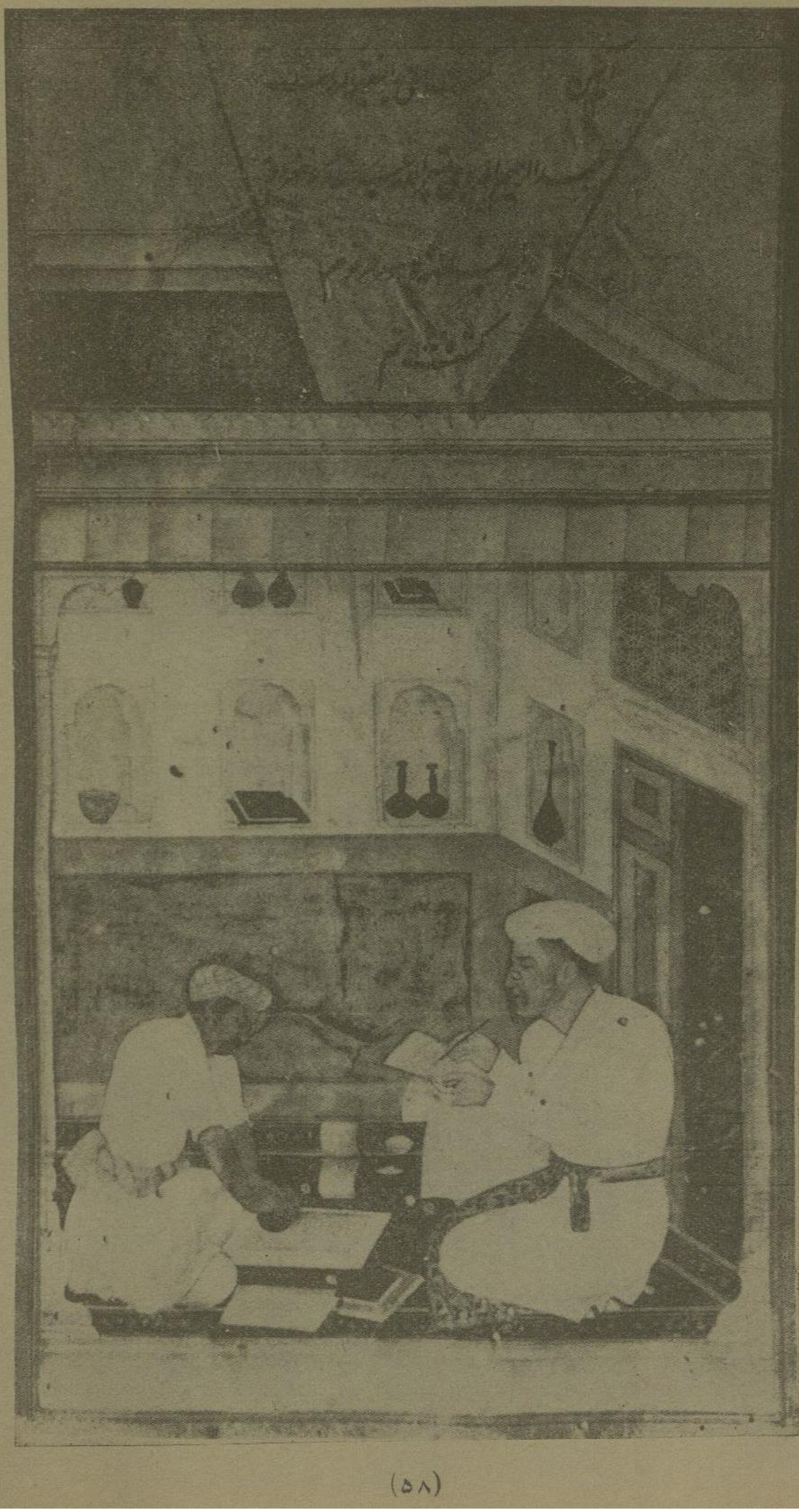
(۵۴)

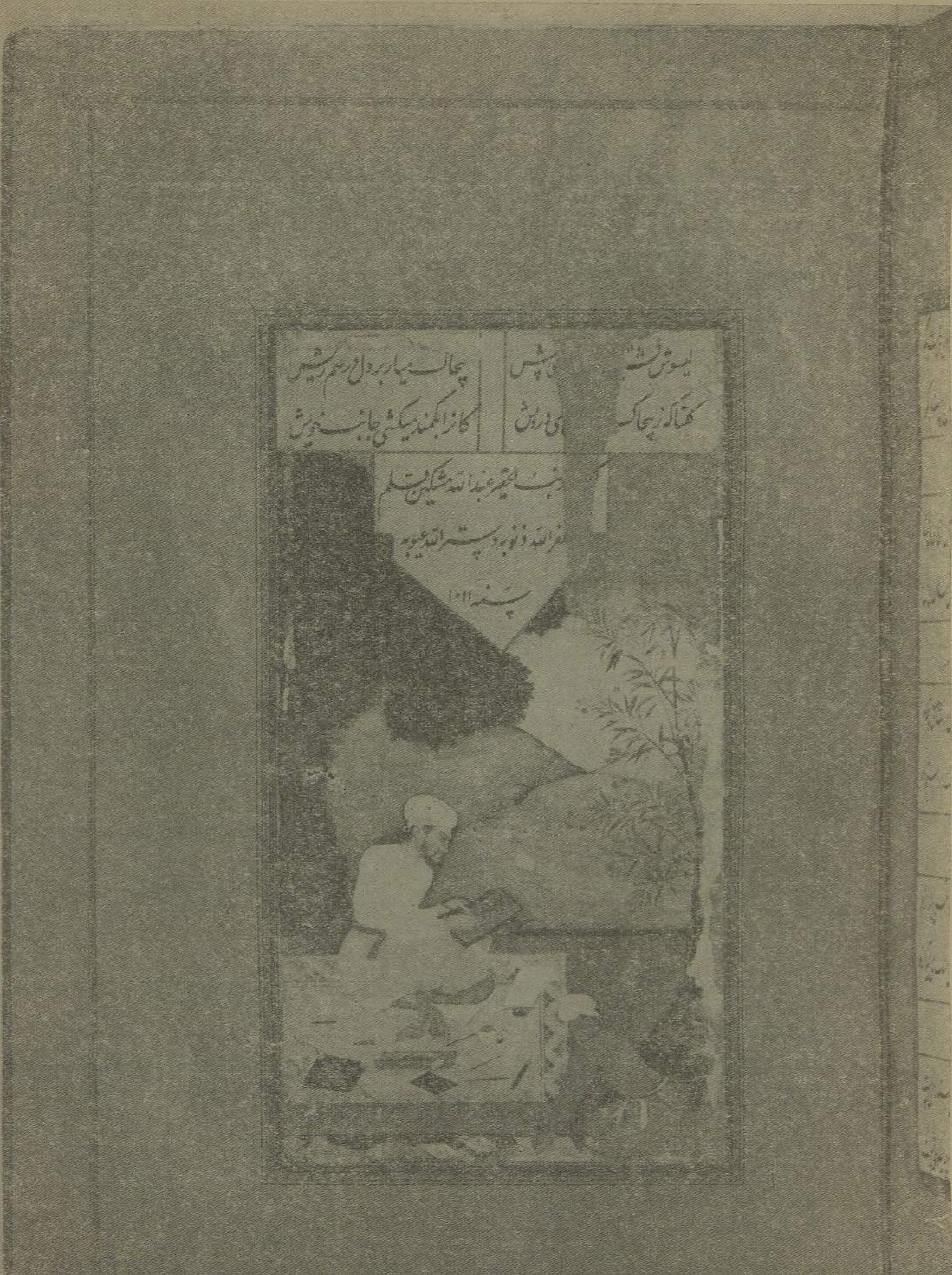


(۵۵)


والصلوة والسلام علی خیر خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعین
ما نصیحت بجای خود کردیم
روزگاری درین بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس
بر رسولان پیام باشد و بس
کتبه العبد المذنب الفقیر محمد حسین الکشمیری
غفر الله ذنوبه و ستر عیوبه
فی شهور سنه تسعین و تسعمائة
ببلده فتحپور






عبدالله مشکین قلم
غفر الله ذنوبه و ستر الله عیوبه
سنه ۱۰۱۱

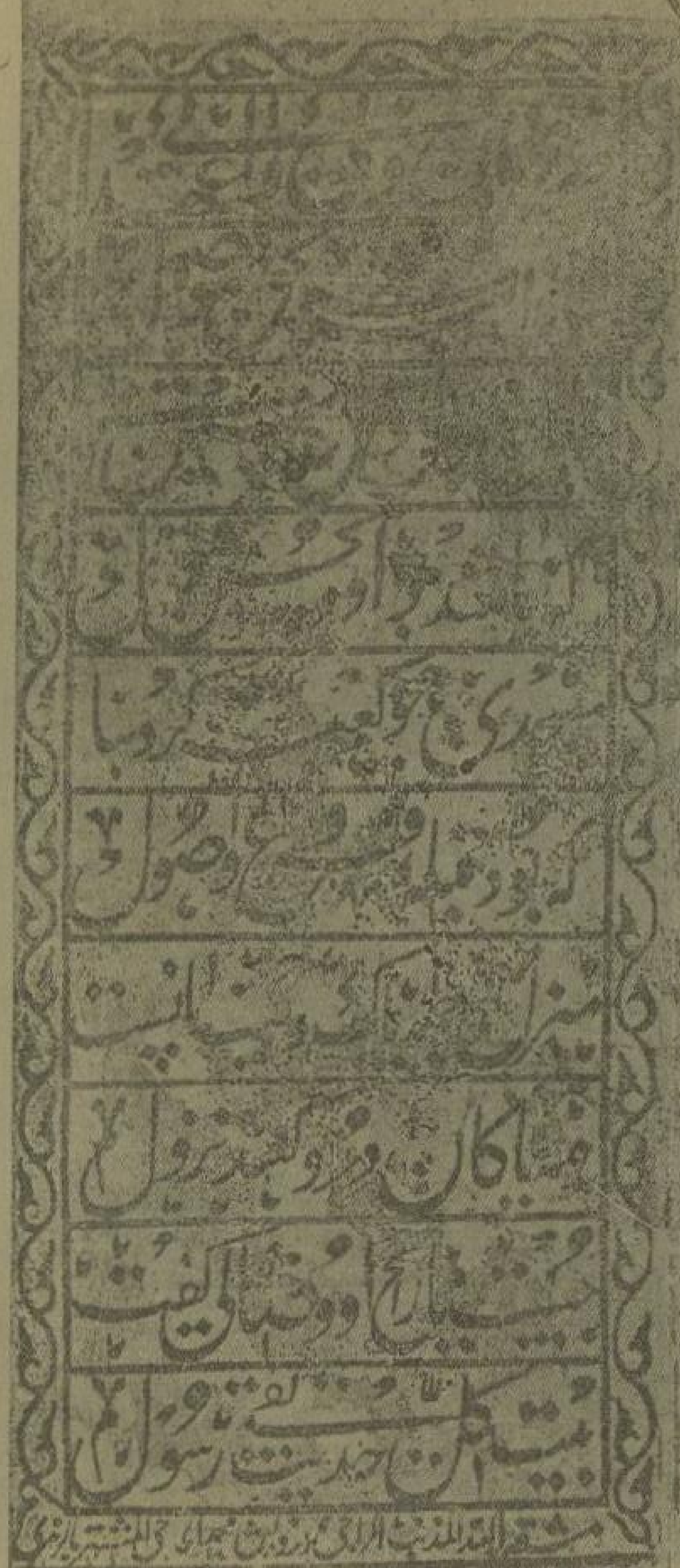




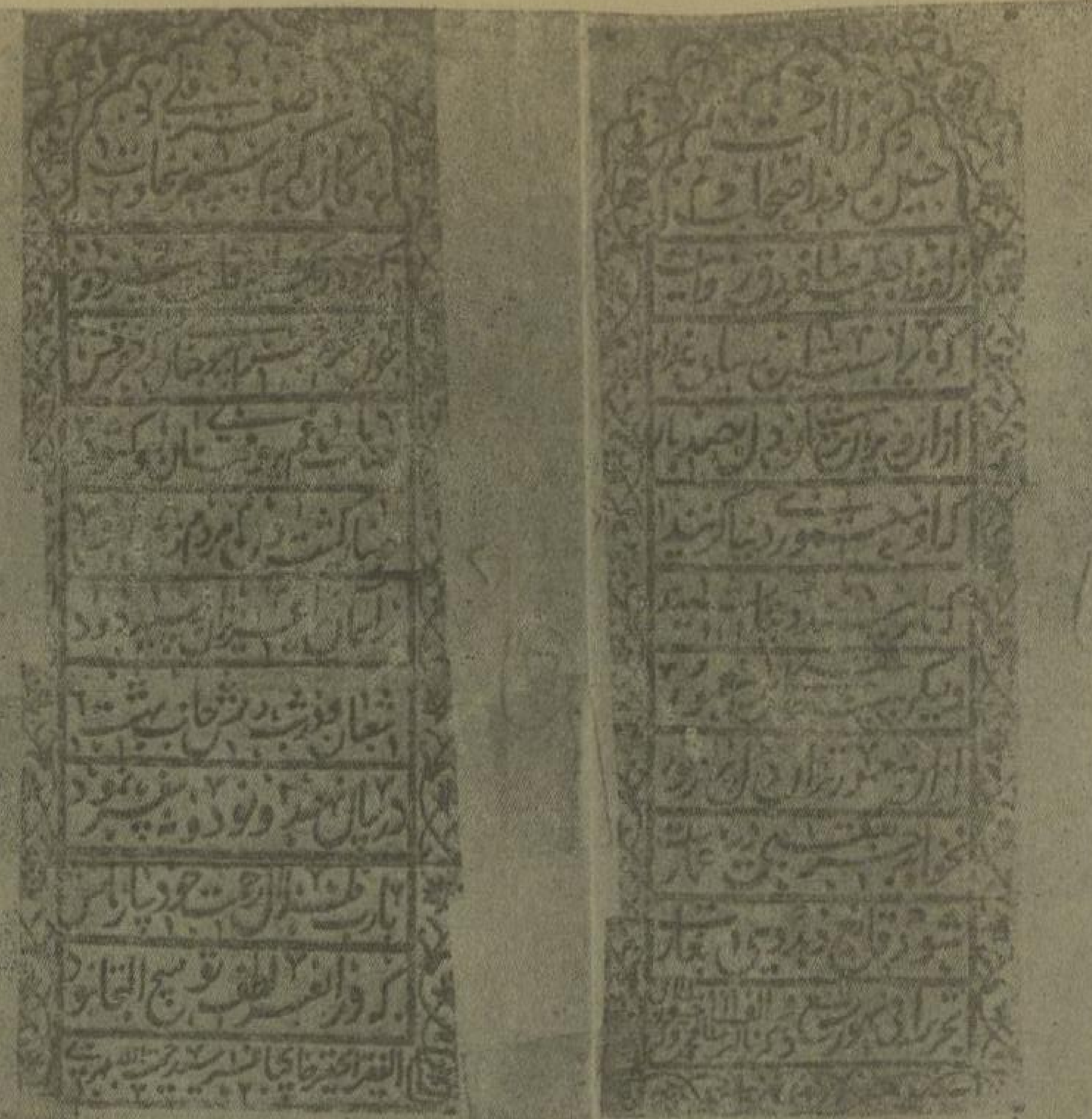


(٦٠) - (٦١) - (٦٢)

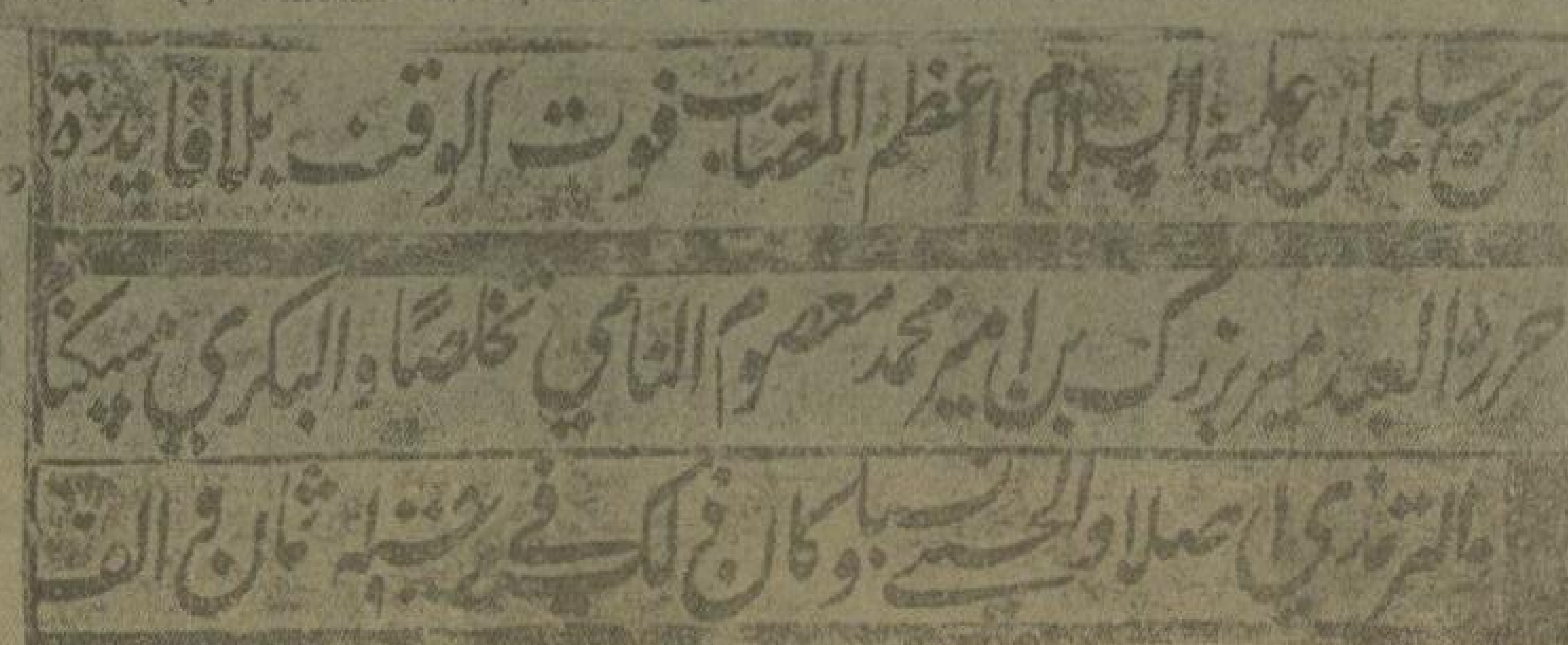
(b) Inscription of Akbar from the same town



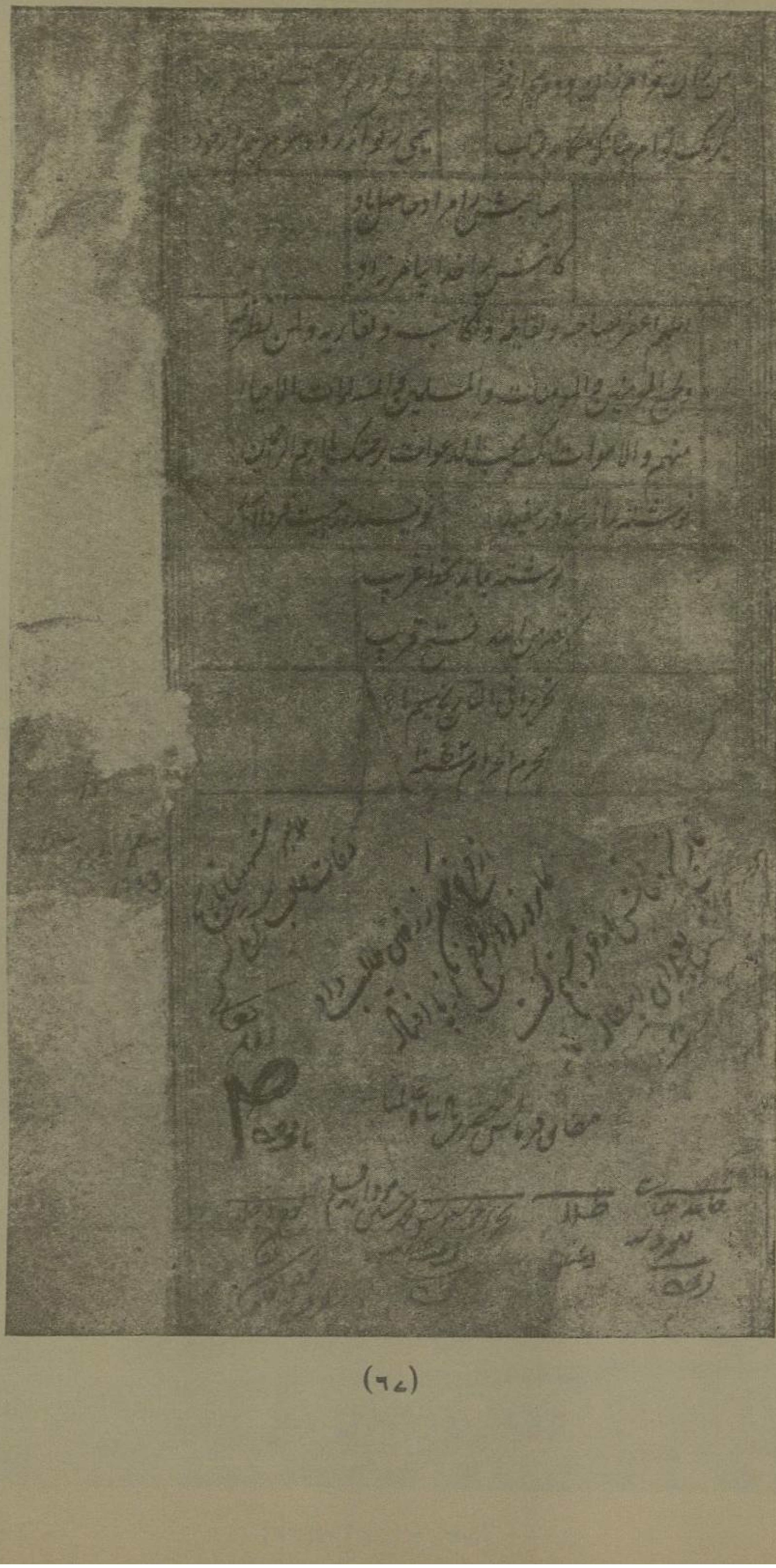
Scale : ·11



(c) Another inscription of Akbar dated 1008 H. from the same town.

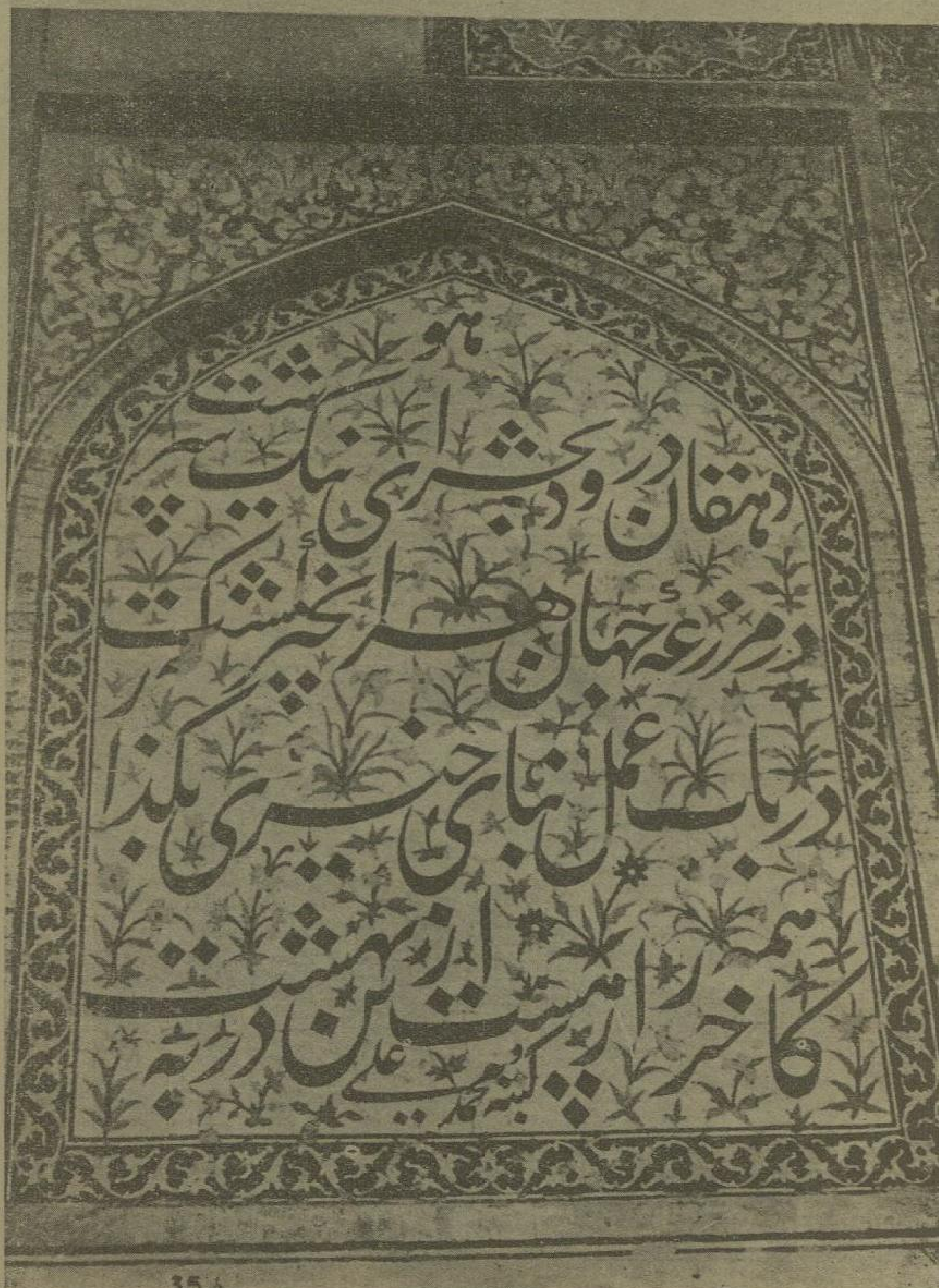


(٦٦) - (٦٥) - (٦٤) - (٦٣)


اللهم اغفر لصاحبه ولقاريه ولكاتبه ولمن نظر فيه
وجميع المؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات الاحياء
منهم والاموات



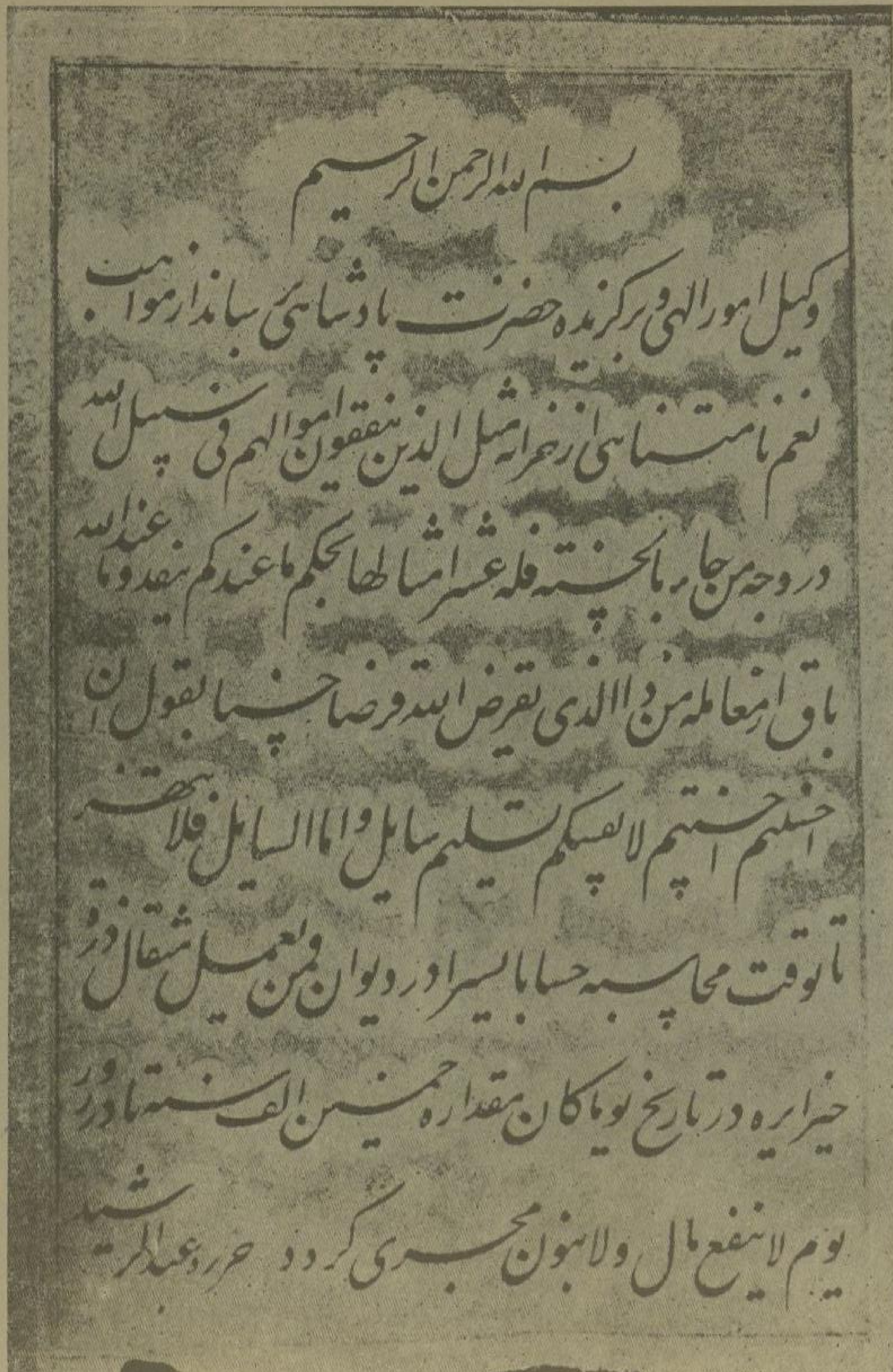
(۷۰)



(۶۹)



(۷۱)



بسم الله الرحمن الرحیم

وکیل امور الهی و برگزیده حضرت پادشاهی بماند از مواهب

نعم نامتناهی از خزانه مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله

درجه من جاء بالحسنة فله عشر امثالها بحکم ما عندکم ینفد و ما عند الله

باق امعامله من ذا الذی یقرض الله قرضا حسنا بقول ان

احسنتم احسنتم لانفسکم تسلیم سایل و اما السایل فلا تنهر

تا وقت محاسبه حسابا یسیرا در دیوان فمن یعمل مثقال ذرة

خیرا یره در تاریخ یوما کان مقداره خمسین الف سنة تا در

یوم لا ینفع مال ولا بنون مجری گردد حرره عبدالرشید

(۷۲)

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے کہ جب بابر یہاں آیا اور بحیثیت بادشاہ یہاں مقیم ہوگیا تو اس کے دربار میں وسط ایشیائی فضلا، علما، ماہرین اور شعرا کی ایک خاص طرز میں لکھتا تھا جسے بدایونی نے خط بابری کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اس خط کے ماہر میر عبدالحی منشی مشہدی اور ان کے بھائی میر عبداللہ قانونی تھے۔ اس خط بابری میں مصحف کریم لکھ کر مکہ معظمہ ارسال کیا گیا تھا۔ افسوس اس امر کا ہے کہ اس خط بابری کا کوئی نمونہ آج میسّر نہیں ہے۔ یہ طرز اس کے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔ ویسے خط کے ضمن میں ابوالفضل نے بھی آئینِ اکبری میں مولانا عبدالحی کا ذکر کیا ہے۔ خطاطان ماہر نستعلیق طرز کے ضمن میں عہدِ بابر کے فضلا میں سے شیخ زین۔ مولنا بقائی۔ مولنا شہاب معماقی وغیرہ کا ذکر ہندوستان میں اسلامی خط کے فروغ کے ضمن عام طور پر ملتا ہے۔ شیخ زین وہ شخص ہے جس نے توزک بابری کا فارسی زبان میں ترجمہ بھی بابر کی موجودگی میں کر دیا تھا جس کا نسخہ ریاست الور میں محفوظ ہے۔ اسی طرح مولنا شہاب الدین معماقی الھروی فن معما اور کتابت میں ماہر تھے اور اسی شخص نے بابر کے حکم پر امیر خسرو کے مزار کے کتبات کو لکھا تھا۔ اس کے دوسرے کتبات جو آگرہ میں موجود ہیں خطِ نسخ میں ہیں، ان کتبات میں اس کا نام اور تاریخ درج ہے۔ یہ کتبات ہند میں خطِ نستعلیق کے ارتقا میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ کے ارتقا میں بہت اہمیت کھچپورہ میں ۹۳۷ھ میں ہمایوں کے حکم پر مولنا شیخ زین الدین الخوافی کی زیرِ نگرانی تعمیر ہوئی جس پر ذیل کے کتبات بہت اہمیت رکھتے ہیں:

محمد ہمایوں شہ عرصہ دہن | کہ بنیاد قدرش بود فرق کردوں
بفرمان عالی و حکم رفیعش | مرتب شد این فرش و این سقف میمون
بتاریخ اتمام این بیت مشعر | شہ عرصہ دہر محمد ہمیوں!

قائلہ و راقمہ شہاب معماقی غفر ذنوبہ

اس کی تعمیر زیرِ نگرانی زین الخوافی ہوئی اس لیے اس کا نام بھی یوں الگ لکھا ہے:

"بسعی زین الخوافی"

اور اس کے علاوہ مسجد کے دوسرے حصّوں پر بھی کتبات ہیں۔

عروج عہد مغلیہ

عہدِ ہمایوں کے مخطوطات میں نستعلیق طرز میں اشعار بابر اور دیوان مرزا کامران بھی ملتے ہیں مؤخر الذکر کو محمود شہابی نے لکھا ہے جو میر علی ہروی کا بہترین تلمیذ تھا[1] اس کاتب کے نمونے عام طور پر ۹۸۱ھ تک کے لکھے ہوئے میسر آتے ہیں۔ پاک و ہند میں خطِ نستعلیق کی تاریخ میں بہت بڑا واقعہ ہمایوں بادشاہ کا حالات سے تنگ آکر ۹۴۵ھ میں ایران ہجرت کر جانا اور وہاں سے ۹۵۵ھ میں واپس آنا ہے۔ واپسی پر وہ اپنے ہمراہ کافی ماہرین ایرانی لایا جن میں سے خاص طور پر میر سیّد علی تبریزی مصوّر اور کتابت میں خواجہ عبدالصمد شیریں قلم قابل ذکر ہیں[2]۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ مصور نسخہ داستان امیر حمزہ ہے جس کے نمونے آج بھی یورپ، امریکہ و ہند میں اکثر عجائب گھروں میں ملتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کتابت خواجہ عبدالصمد شیریں قلم نے کی تھی[3]۔

داستان امیر حمزہ: ہمایوں و اکبر کے عہد میں اگرچہ بے شمار کتب مصوّر ہوئیں مگر جو شہرت و مقبولیت داستان امیر حمزہ کے مصوّر نسخہ کو ہے، وہ کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اس نسخہ کی تیاری کا ذکر معاصر کتب میں ملتا ہے۔ آج اسی نسخہ کے اوراق مختلف مجموعوں میں محفوظ ہیں اگرچہ زیادہ تعداد وائینا (جرمنی) اور لندن کے وکٹوریہ البرٹ میوزیم میں موجود ہے۔ یہ اوراق عام طور اپنے سائز میں ذرع ضرب ذرع میں اور اسی طرح مصوّر بھی کیے گئے ہیں۔ ویسے یہ کاغذ نہیں ہیں۔ بلکہ ایک خاص قسم کے کپڑے پر ہیں جو اس مطلب کے لیے بنایا گیا ہے ان پر کسی کاتب یا مصوّر کا نام نہیں ہے مگر یہ مسلّم ہے کہ میر سیّد علی مصوّر اور خواجہ عبدالصمد

---

(۱) ریحان نستعلیق مرتبہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی۔ لاہور۔ ۱۹۴۱ء صـ ۲۱۔

(۲) میر سیّد علی تبریزی مصوّر، از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی پاکستان کوارٹرلی ۱۹۵۴ء صـ ۲۴۔۳۰۔ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔ پاکستان ہسٹاریکل کوارٹرلی۔ ۱۹۶۳ء

(۳) نفائس المآثر (قلمی نسخہ آذر مجموعہ) اورنٹیل کالج میگزین فروری ۱۹۲۵ء صـ ۹/۷۔

شیریں قلم نے ان کو تیار کیا ہے۔ وکٹوریہ البرٹ میوزیم لندن میں چند اوراق لکھے ہوئے اعلیٰ نستعلیق طرز میں ہیں۔ ان کے متعلق پروفیسر شیرانی کا خیال ہے کہ اس بڑے سائز کے مخطوطہ کو خواجہ عبدالصمد شیریں قلم نے لکھا تھا۔ اتفاق سے یہ مکمل مخطوطہ تین بڑے سائز کی جلدوں میں مغل دربار میں بادشاہ محمد شاہ (۱۱۳۰ھ - ۱۱۶۱ھ) کے عہد تک محفوظ تھا۔ مگر جب ۱۱۵۲ھ میں نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا تو وہ اس تمام نسخہ کو ہمراہ ایران لے گیا۔ اس کی پوری کیفیت "نامہ عالم آرای نادری" مصنفہ محمد کاظم (ورق ۲۲۳) میں دی ہے۔ جو روس میں محفوظ ہے۔ کئی لحاظ سے یہ مصور نسخہ داستان امیر حمزہ سب سے اوّل مصور نسخہ عہدِ مغلیہ ہے۔

بابر اور ہمایوں کے زمانے میں خطِ نستعلیق کے اکثر ماہرین ان کے ہمراہ ہندوستان میں آئے تھے۔ مگر ہمایوں کی اچانک موت نے اس کے تمام ارادوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس کے فرزند جلال الدین اکبر کو قریباً تیرہ سال کی عمر میں تخت سنبھالنا پڑا۔ خوش قسمتی سے اس کے اتالیق اور وزرا تمام اعلیٰ روایات سے مرصع تھے۔ آئینِ اکبری مرتبہ ابوالفضل میں ہم مطالعہ کرتے ہیں کہ معیاری کتب کے نسخے تیار کرنے کے لیے ایک باقاعدہ شعبہ بنام آئین تصویر خانہ، قائم ہو گیا تھا[۱] جس کا انتظام خواجہ عبدالصمد شیریں قلم اور میر سیّد علی تبریزی کے ہاتھ میں تھا جنہیں ہمایوں اپنے ہمراہ ایران سے لایا تھا۔ اس تصویر خانے میں تمام کتّاب اور مصوّر اُن کی ہدایت پر کام کرتے تھے۔ ہم ذیل میں ان کے فنّی کارناموں کی مختصر تفصیل کے ساتھ ساتھ ان نسخوں کو نستعلیق طرز میں لکھنے والوں کے حالات بھی بیان کریں گے۔

مَیں یہاں یہ واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اکبر کے اس عظیم منظم شعبے میں جو معیاری علمی کارنامے تیار ہوئے وہ سب اعلیٰ معیار کی اپنی مثال آپ تھے۔ مَیں تو یہ بھی کہوں گا کہ ہرات میں سلطان حسین میرزا بایقرا کے ایسے منظم شعبے کے بعد اگرچہ تبریز میں شاہان صفویہ کے دربار میں اور بخارا میں ازبکوں کے دربار میں ان روایات پر دبستان قائم ہو گئے تھے۔ مگر ہندوستان میں یہ تمام شعبہ مغتنمات روزگار میں سے تھا۔ اس سے پیشتر ہندوستان میں ابھی تک کوئی ایسا منظم شعبہ قائم نہیں ہُوا تھا۔ اس شعبے نے فنونِ لطیفہ کا ایک خاص معیار قائم کیا۔ اس کی اپنی ایک خاص شان تھی۔ اگرچہ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ بہزاد قلم کے اساتذہ کام کرتے تھے مگر ہرات کا معیار اور ہی تھا۔ اس میں مغل دربار کی ایک خاص جھلک نمایاں ہے جس کی وجہ

---

(۱) آئینِ اکبری، مطبوعہ کلکتہ - ۱۸۶۸ء - صہ ۱۱۱/۱۰۷ (۲) آئینِ اکبری - صہ ۱۱۱/۱۱۷

سے اسے ماہرین نے بالاتفاق دبستانِ مغل سے موسوم کیا ہے۔ یہ بیان کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اکبر کے بعد اس کے لڑکے جہانگیر نے اور اس کے لڑکے شاہجہاں نے ایک خاص اعلیٰ معیار فن آخیر تک برقرار رکھا۔ ہم ان ہر سہ بادشاہوں کے عہد کے کارناموں کو ان کی خصوصیات کی وجہ سے اور ان کے ماحول کے اعتبار سے فوراً متمیز کر سکتے ہیں۔ مغل شہزادگان نے اپنے اپنے شوق و ذوق کے تحت انہوں نے الگ الگ مرقعات بھی تیار کرائے تھے۔ جو آج بھی محفوظ ہیں اور اپنے اپنے عہد کی شان و شوکت کا مظہر ہیں۔

ابوالفضل "آئین نے تصویر خانہ" کے تحت لکھا ہے[۱] کہ خداوند صورت پر خود رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ معنی کے لیے پیکر حرف اور لفظ سے صورت خط میں مہیا کرتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے، کہ عرف میں نمایاں ہونے والے جسم کی تصویر کو کارپردازان فرنگ معانی خلق کو اکثر شگرف سے صورت میں پیش کر کے حقیقت تک رسائی کرتے ہیں مگر خط کی آزمائش کے ذریعے قدامتیں دستیاب ہوتی ہیں اور سرمایہ کہ خود فروغ میسّر آتا ہے اور پھر خط دُور و نزدیک سے آگاہی بہم پہنچاتا ہے۔ اگر خط نہ ہوتا تو سخن زندگانی کا کچھ علم نہ ہوتا اور دل گزرے ہوئے لوگوں کے کارناموں تک رسائی نہ کرتا۔ غرضیکہ اس طرح ابوالفضل نے مختصر طور پر مگر نہایت بلیغ اور پیچدار الفاظ میں خط اور خطاطان کی مختصر تاریخ اپنے رنگ میں لکھ دی ہے۔ جس کا اعادہ یہاں ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس نے اپنے عہد یا معاصرانہ حیثیت سے شاہانہ قدردانی اور ارزشناسی اور حوصلہ افزائی ہنرپردازان نادرہ کار خاص کر نستعلیق روائی میں ظلِ سریر خلافت بادشاہ کی زیادہ ہوئی جس میں محمد حسین کشمیری بخطاب زریں قلم روشناس آفاق ہے، جو اپنے استاد مولانا عبدالعزیز سے سبقت لے گیا ہے۔ وہ مدات و دوائر حروف کو متناسب لکھتا ہے۔ کار آگاہانِ فن خطاطی اسے مشہور ملّا میر علی کے پایہ کا تصوّر کرتے ہیں اور ملّا میر علی کا پسر مولانا محمد باقر، محمد امین مشہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبدالحیٔ، مولانا دوری، مولانا عبدالرحیم، میر عبداللہ، نظامی قزوینی، علی چین کشمیری، نوراللہ قاسم ارسلان نیز اس سلطنت کے فروغ سے جاوید طراز نامور گزرے ہیں۔

اکبر کی توجہ سے اس کتاب خانہ نے بہت ترقی کی۔ کئی نسخے تیار ہوئے اور کئی کتابیں دوسری زبانوں سے فارسی میں ترجمہ ہوئیں جن میں سے خاص کر مہابھارت قابلِ ذکر ہے۔ ان میں سے کئی کتابیں مصوّر بھی ہوئیں جن کی پوری تفصیل آئینِ اکبری اور دیگر معاصر کتب میں موجود ہے۔ ان میں داستان امیر حمزہ اور مہابھارت

کے مصور نسخے بڑے پیمانے پر تیار مصور کیے گئے تھے جن کو متذکرہ بالا کاتبوں نے اعلیٰ نستعلیق طرز میں لکھا۔ ان میں سے اکثر اصل نسخے آج بھی بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ مغل دربار میں بعض مرقعات بھی تیار کیے گئے جن میں ان ہنرمندوں کے کارنامے الگ الگ محفوظ کیے گئے۔

مرقع اکبر

ابوالفضل نے ایک مرقع اکبری کا ذکر اپنے ہرسہ دفتر میں کیا ہے جو دراصل شہزادہ سلیم (بعد میں جہانگیر بادشاہ) کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس میں مشاہیر خطاط کے خط کے نمونے جمع کیے گئے تھے اور ان پر محققانہ بحث بھی کی گئی تھی۔ اس میں ماہرین خط نستعلیق کا ذکر بھی ہے۔ علامہ فیضی برادر ابوالفضل نے مندرجہ ذیل اشعار میں اس کی تاریخ بھی کہی ہے:

فیضی بکار خانہ ایام عمر ہا — از تار و پود خیط بصر حلہ یافتم
سربستہ عقدہ ہائی ضمیر ہنروراں — ہمچو دقیقہائے معما شگافتم!
چشم نداشت قبلۂ ہمت، بجز ہنر — از ہرچہ عیب روی توجہ نیافتم
مانند چنیں شگفتہ بہارے، بچشم من — ہرچند چوں صبا بہ تگاپو شتافتم

چوں یافت ایں مرقع بے مثل انتظام
تاریخش از مرقع بے مثل یافتم

آخر الفاظ "مرقع بے مثل یافتم" سے تاریخ سال ۹۹۲ھ نکلتے ہیں۔ جب کہ اکبر اتفاق سے لاہور میں مقیم تھا اور فیضی بھی یہیں رہائش رکھتا تھا جس کا رہائشی مکان لاہور میں ہی تھا جہاں اس کا انتقال ہوا تھا۔ اس کا مکان اپنے زمانے مرجع علمی مجالس تھا۔ افسوس آج لاہور میں اس کا کوئی نشان میسر نہیں ہے۔

غرضیکہ زیرِ بحث مرقع لاہور میں ہی تیار ہوا تھا جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

"سجدہ محمدت ایزدی بفرق قلم بتقدیم میرسد نی قلم خط بہ بینی می کشند کہ تصویر نگاریں سرای سیامی الٰہی از قدرت نقاش حدوث و مصور امکان بیروں است اگر بہ بنائی آسماں و عمارت زمیں بنائش او نمودہ آید درخطوط شعاعی بصیرت ازان نکوہیدہ تر باشد کہ پادشاہ جہاں آرای را بہ تعمیر دیوار گلیں و سقف چوبیں ستائش نمائند واگر درہں .... کہ مرقع

موجودات عبادات ازانست ..... قطعہ:

گر خطوط شعاع دیدہ عقل — ہمہ را برسر ہم افترانی
بقیاس کمال اوست چناں — کہ بگز ماہتاب پیمائی!

سبحان اللہ ایں چہ خط فاخر نمط است نوشتہ است مثنوی:

من کہ و تعظیم جلال ازکجا — دل زکجا دین پر و بال ازکجا

متذکرۂ مقدمۂ اردو میں اس طرح بیان کرتا ہے:

سجدۂ حمد خدا سر قلم سے ادا کیا جاتا ہے نہیں ہستی بلکہ قلم اظہار عاجزی کر رہا ہے۔ کیونکہ تصویر کھینچنا خانۂ منقش ثنائے الٰہی کا نقاش حدوث و مصور امکان یعنے انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ اگر بنیاد آسمان اور عمارت زمین سے خدا کی تعریف کی جائے تو بینائی کے خطوط شعاعی میں اس سے بدتر ہوگی کہ کوئی کسی بڑے بادشاہ کی تعریف مٹی کی دیوار اور لکڑی کی چھت بنانے سے کرے۔

قطعہ:-

"اگر چشم عقل کے کل خطوط شعاعی کو اکٹھا کرلو یعنی تمام عقلیں مجتمع ہوجائیں
تب بھی ان سب کو ملا کر اس کے کمالات کا اندازہ کرنا اس طرح ہے جیسے
کوئی گزوں سے چاندنی ناپے۔"

ابوالفضل کی اس تمام تفصیل سے ہم یہاں محض خط کی حد تک کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں:

"اس بادشاہ خدا شناس عالی گوہر والانژاد کی برکتوں سے برخورداری اور بزرگی خصلتوں کے مصدر شریف عادات حق پسندی و حق گذاری کے جمع کرنے والے، سعادت اقبال کی پیشانی نور عظمت خلافت بزرگ کے سچے بیٹے، بزرگی کے خاندان کے نور، فضیلت کے ستارہ، تاج کے نور پردہ، سایۂ اللہ (اکبر) کے نور سے روشنی حاصل کرنے والے —— شاہزادہ خردمند سلطان سلیم کو ابتدائے شباب اور آغازِ جوانی کے وقت —— اس تخت آرائے اقبال (اکبر) کے سایۂ درازیں عمر اور کمال باطنی پر مشرف ہو —— گو وہ اکبر کے بیٹے ہیں مگر انہوں نے اپنے آپ کو اکبر کا خدمتگار بنا دیا ر ثانیاً جب شہنشاہ اکبر کی اعلیٰ بزرگیوں پر نظر پڑی:

اگر نہ قید کتابت بود کجا باشد — شگفتہ معنیٔ رنگیں و لفظ جاں پرور

اگر خط نہ ہوتا تو سخن زندہ نہ ہوتا اور دل کو متقدمین کا تحفہ بہت کم ملتا۔ ظاہر پرست لوگ خط کو پیکر مداد و روشنائی سمجھتے ہیں اور باطن پرست اسے چراغ معرفت کا فتیلہ جانتے ہیں۔ وہ ایک ظلمت ہے جس میں ہزاروں نور ہیں۔ خزانۂ معنی کا ایک طلسم ہے خط کی لکھی جائے تو اس کو پیوند الٰہی۔ منسوب بخدا لکھ سکتے ہیں چونکہ خط کی معرفت کے لیے شناختِ حروف ضروری ہے لہٰذا ان کی تشریح کرکے اس مصنوعی ایزدی کی حسن افزائی کی جاتی ہے جن خطوط سے یہ مرقع والا مرتب ہے ان میں اٹھائیس حروف لکھے گئے ہیں جو صورۃً اٹھارہ ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہمزہ اور الف میں جب فرق نہ کریں ورنہ انتیس حروف ہوں گے (اس کے بعد باقاعدہ ترتیب ارتقا خط اور ماہرین کا مختصراً ذکر ابتدا سے کیا ہے جسے یہاں حذف کر دیا گیا ہے) اور

چونکہ حضرت شہزادہ والا نژاد کو خدائے قادر نے ہمت وسیع اور دل عارف و فطرت بلند عطا فرمائی ہے۔ اور انہوں نے خط کے ہر طرح کے حسن پر نظرِ غائر ڈالی ہے۔ اپنی خوشی اور مخلوق کی مسرت کے لیے ان کے ضمیرِ منیر میں یہ بات آئی ہے کہ ایک مجموعہ استادوں کے خط کا مرتب کیا جائے تاکہ سرمایۂ عشرت حسن صنعت الٰہی بھی سرانجام پائے اور عالم حسن مصنوعی بھی جلوہ گر ہو اس لیے اپنی تمیز حق بنیاد کے وسیلے سے اس گوہر والائے دانش نے خوش نویسانِ کامل کی تحریریں اور دلکش قطعے جمع کیے اور یہ انوارِ جمال الٰہی کی فہرست بزرگ (مجموعہ خطی) کہ ایک جماعت اس کو آئینۂ حسن مطلق کہتی ہے اور ایک گروہ اس کو آئینۂ جہاں نما کہتا ہے اور ایک طائفہ اس کو ارژنگ مانی کا لقب دیتا ہے اور ایک طبقہ اس کا "مرقع" نام رکھتا ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے اور پارچے پارچے جمع کرکے حسن عالم افروز کے لیے ایک نادر گدڑی بنا دی ہے۔ تھوڑی سی مدت اور ابتدائے سال چہلم جلوس میں یہ گلشن ہمیشہ بہار، مجموعۂ خوشخطی سرسبزو شاداب ہوا:

ہر حرف از و شگفتہ باغی افروختہ تر ز شب چراغی

یہ مجموعہ خوشخطی اپنے نور کی وجہ سے مجموعۂ روزہائے روشن ہے کہ ایک جگہ ہو کر اہل عالم کا حیرت افزا ہے یا باعتبار روشنائی کے ایک بزمِ شبینہ ہے کہ جس نے رہروانِ شاہراہِ معنی کے لیے راستے میں ہزاروں چراغ روشن کر دیے ہیں۔ یہ مرقع سواد وادی تو ہے مگر ہزاروں شاہراہیں نور آگاہی کی اس میں پائی جاتی ہیں۔ یا یہ مجموعہ کوئی خط ہے جو رخسار معانی ہو درج نشین ہے۔ یا یہ سیاہ نقاب ہے کہ جس کے خانوں سے سلمیٰ صنفتاں یعنے معشوقانِ معنوی ہزار ناز و ادا کے ساتھ غمزہ زنی کر رہی ہیں یا کوئی زلفِ معطر ہے جو جلوہ گاہ

باطن کے نسرینِ مضامین کے رخسارے پر لٹک رہی ہے :

رباعی

ہر صفحۂ او بنزہت گلزارے ہر لوح چو لوح عارض دلدارے
ہر حرف چو خط چہرۂ معشوقی ہر نقطہ چو خال لب خوش گفتارے

خلقت کی یہ عجیب چیز ہے جسے خط کہتے ہیں۔ (اس سے آگے مختلف انواع خط اور اس کے ماہرین کا ذکر ہے)۔

نسخ و تعلیق سے ترکیب دے کر ایک انواعی خط ایجاد کیا ہے۔ جس کو نستعلیق کہتے ہیں اور وہ مکمل دور ہی دور ہے مگر میر علی تبریزی کے موجدِ نستعلیق ہونے میں کمال ہے۔ کیونکہ بہت سی تحریریں نستعلیق میں زمانۂ تیمور سے بھی پیشتر لکھی گئی ہیں جو دیکھنے میں آتی ہیں"

اس کے بعد ابوالفضل نے مشاہیر نستعلیق نویسوں کا ذکر کیا جن کو ہم نے یہاں بیان کیا ہے۔ اور اپنے زمانے کے ماہرِ خط نستعلیق محمد حسین کشمیری کا خاص طور پر ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے :

"اور فی الحال وہ جادو رقم کہ سایۂ تختِ خلافت عظمیٰ یعنی سلطنتِ اکبر میں جسے مالک اس نقش دل پذیر خوشخطی کا کہہ سکتے ہیں۔ مولانا محمد حسین کشمیری ہیں جنہیں خوش نویسان زمانہ پر تفوق حاصل ہے اور جب عقل ڈھونڈنے والوں کی باتوں کے اقتضا کے موافق کچھ اجمالاً اس نگارین نامے یعنی مجموعۂ مرقع کی بابت خاک نشین آستانہ استقامت ابوالفضل بن مبارک کے قلم کو نصیب ہو۔

ہما بہتر کہ دانائے سخن سنج برون ز اندازہ نکشاید سر گنج

امید ہے کہ یہ مرقع بہار ظاہر و باطن اور مبارک نقش و نگارہ مالک و دولت ہمیشہ تازگی بخشنے والا محفل گرامی کا ہو اور ہر صفحۂ معطر اس کا فرمان دوام شاد کامی ہو"

آگرہ اور فتح پور سیکری میں خطِ نستعلیق :

بابر کے عہد سے ہی آگرہ کو ہماری تاریخ میں مغل حکومت کے مرکزی مقام کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اس سے پیشتر لودھیوں نے بھی آگرے کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ اس امر کی وضاحت اس لیے ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں سے پیشتر یہ مقام بالکل بے آباد تھا۔ یہاں کوئی ہندو مندر یا قدیم عمارت تک نہ تھی۔ ہمایوں کے بعد اکبر نے بھی آگرے کی مرکزی حیثیت کو برقرار رکھا۔ اس نے ۹۷۲ھ میں قلعۂ کہنہ کو منہدم کرا کر سنگِ سرخ کا قلعہ از سرِ نو تعمیر کیا۔ قلعے کی تعمیر سے پہلے دروازے کی تعمیر کی تاریخ "بنائے درِ بہشت" شیخ فیضی نے کہی۔ ملا شیری نے دوسرے دروازے ہستیا پول کی تاریخ یوں موزوں کی:

کلک شیریؔ پئے تاریخ نوشت بے مثال آمدہ دروازۂ نیل

ملا بدایونی نے "شد بنائے قلعہ بہزر" سے تاریخ نکالی۔ یعنی ۹۷۴ھ اور ۹۷۶ھ تاریخیں کہی گئیں۔ یہ تمام تعمیر ۹۸۰ھ تک مکمل ہو گئی۔ مقامی مؤرخ کے مطابق یہ تاریخی قطعات اعلیٰ نستعلیق طرز میں کندہ کر کے تعمیرِ قلعہ پر نصب کیے گئے تھے۔ آگرے کا نام اس زمانے سے اکبر آباد ہو گیا۔ اس تمام کام پر قاسم خاں میر بحر متعین تھا۔ دہلی دروازے میں داخل ہو کر دائیں ہاتھ دالان کی دیوار پر نستعلیق طرز میں چار اشعار کا قطعہ مشہور میر معصوم بھکری کا کندہ کیا ہوا ۱۰۰۸ھ کا ہے:

دست دعا برکشاد پیر فلک زنشاط گفت کہ بادا مدام حکم تو فرماں روا
خواست بنانے کند سال ملوکش رقم بود واندم لش پر زدعا وثنا
میل دو چشم عدو کردہ زآتش بگفت باد جہاں بادشاہ شاہ جہانگیر آباد

فنِ تعمیر کی تاریخ میں اکبر کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ آگرے (اکبر آباد) کے بعد فتح پور سیکری کی تعمیر ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ۱۷ ربیع الاوّل ۹۷۷ھ کو جہانگیر اور ۳ محرم ۹۷۸ھ کو شاہزادہ مراد پیدا ہوئے۔ دونوں مرتبہ بڑے جشن کیے گئے اور عالیشان عمارتیں تعمیر کرائی گئیں۔ ۱۷ ربیع الاوّل ۹۷۹ھ کو اکبر خود یہاں حضرت شیخ سلیم چشتی کے مکان پر تشریف لایا، اور ہر دو شاہزادوں کو دیکھا، بہت خوش ہوا اور اسی دن حکم ہوا کہ دیوان دولت اور شبستان حشمت کے لیے قصر ہائے عالی تعمیر ہوں۔

یہ عمارتیں آج بھی موجود ہیں جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ ہمیں یہاں محض نستعلیق خط کی سرگزشت سے تعلق ہے۔ مگر یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ۹۷۹ھ سے یہ مقام بطورِ دار الحکومت اکبر کو بہت مبارک ثابت ہُوا اور روز بروز فتوحات حاصل ہونے لگیں۔ فیضی نے کہا:

نسیم خوش دلی از فتح پورے آید　　　که بادشاه من از راه دور می آید

فصلِ بہار ۹۹۰ھ نوروز کے دن اکبر نے یہاں حسبِ معمول جشنِ شاہانہ کے سامان کیے اور یہ دن بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ آخر اس مقام کو زوال بھی ہُوا۔ فتح پور سیکری کی تمام عمارات نہایت اعلیٰ تاریخی کتبات سے مزین کی گئیں۔ نستعلیق خط میں جو کتبات یہاں لکھے گئے وہ بہت اہم ہیں۔ ان میں اکثر اسی متذکرہ بالا میر معصوم بھکری کے ہیں جن کے یہاں اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مشرقی اور جنوبی دروازے پر بہت نمایاں ہیں اور ان سے عہدِ اکبری کی تاریخ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ یہاں کی جامع مسجد بہت مشہور عمارت ہے۔ اس کی تکمیل نواب قطب الدین کوکلتاش کی زیرنگرانی ۱۰۱۴ھ میں ہوئی تھی۔ "جنّت ثانی" سے اس کی تاریخ ۱۰۱۴ھ نکلتی ہے مگر اس کی بنیاد اور ابتداء ۹۷۲ھ میں ہوئی اور ۹۷۹ھ میں اختتام کو پہنچی۔ مسجد کے فارسی قطعہ کا مصرع:

"شیخ الاسلام مسجد مے آراست!"

کو مشہور کاتب میر منشی اشرف خاں نے لکھا تھا۔ مگر اس مسجد کے متعلق جہانگیر نے خود اپنی تزک میں لکھا ہے:

"یکے از اعاظم آثار کہ در عہد دولت در زمان خلافت حضرت عرش آشیانی (اکبر) ظہور آمدہ۔ ایں مسجد روضہ است۔"

عہدِ اکبری کا یہ دلچسپ واقعہ بہت اہمیت رکھتا ہے کہ ۹۸۷ھ میں ابوالفضل کے باپ شیخ مبارک کی رائے سے ایک محضر اس بات کا لکھا گیا کہ امام عادل کو جائز ہے کہ اختلافی مسائل میں اپنی رائے کے

---

(۱) اشرف خاں کا مختصر تذکرہ آگے صـ　　پر بھی دیکھیے۔

بموجب وہ راہ اختیار کرے جو اس کے نزدیک مناسب وقت ہو۔ ایسی حالت میں علماء اور م بین کی رائے پر اس کی رائے کو ترجیح ہو سکتی ہے۔ اس وقت اکبر کو خیال ہوا کہ خلفائے راشدین اور اکثر سلاطین بلکہ امیر تیمور اور مرزا الغ بیگ گورگان بھی بر سرِ منبر جمعہ و جماعت میں خطبہ پڑھا کرتے تھے لہٰذا ہمیں بھی پڑھنا چاہیئے۔ فیضی کو خطبہ تالیف کرنے کا حکم دیا اور جمعہ کے دن جمادی الاوّل کی چاند رات کو اسی مسجد جامع فتح پور سیکری میں بادشاہ منبر پر چڑھے۔ لیکن عجیب اتفاق ہُوا کہ تھر تھر کانپنے لگے اور بڑی مشکل سے مندرجہ ذیل یہ تین شعر پڑھ کر لوگوں کی مدد سے منبر سے اُتر آئے اور پھر حافظ محمد امین کو امامت کا حکم دیا۔

خداوندے کہ مارا خسروی داد دل دانا و بازوئے قوی داد
بعدل و داد مارا رہنموں کرد بجز عدل از خیال ما بروں کرد
بود وصفش زحد فہم برتر
تعالیٰ شانہٗ اللہ اکبر!

آئینِ اکبری میں ایک ماہرِ خط بعہدِ اکبر" محمد امین مشہدی" کا نام ملتا ہے[۲] جس کے لکھے ہوئے نمونے کمیاب ہیں۔ قیاساً یہی معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ بالا حافظ محمد امین وہی کاتب ہے، جو نستعلیق لکھنے میں بھی ماہر تھا۔

مسجد جامع فتح پوری میں جانب جنوب خوش خط نستعلیق حروف میں درج ہے۔

سال اتمام این بنائے رفیع ثانی المسجد الحرام آمد

آخیر مصرعے سے ۹۷۹ھ تاریخ نکلتی ہے؛

حضرت شیخ سلیم چشتی قدس سرہٗ کے روضے میں جو سفید سنگِ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے بے شمار کتبات ہر دو نسخ اور نستعلیق میں موجود ہیں۔ روضے کے دروازے کے اطراف میں باہر کے رنگا رنگ

اور طلائی کام کے نقش و نگار کے درمیان طغرے کے نیچے نستعلیق طرز میں آپ کی تاریخ وفات یوں لکھی ہے :

دو بینی مباش زخود فانی و بحق باقی   کہ سال رحلتش اندر زمانہ مشہور است

۹۷۹ھ

تین اشعار کا یہ قطعہ کتابت کے اعتبار سے بے مثال نمونہ ہے۔

فتح پور سیکری میں محلات شاہی کی عمارات کو اعلیٰ کتبات اور دیواری نقاشی سے مزیّن کیا گیا۔ ان عمارات میں قصرِ شاہی کی خوبصورت عمارت بھی شامل ہے جس کے متعلق ابوالفضل نے لکھا ہے کہ دنیا کی کوئی عمارت خوبصورتی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسے دیکھ کر عقل محوِ حیرت ہے۔ ۹۷۹ھ میں یہ عمارت اختتام کو پہنچی اور اسی سال آگرے میں بنگالی محل تیار ہوا۔[1]

عہدِ اکبری کے مشہور ماہرِ نستعلیق کاتب قاسم ارسلان نے ہر دو کی یوں تاریخ کہی :

تمام شد دو عمارت بسان خلد بریں   بدور دولت صاحبقران ہفت اقلیم
یکہ بہ بلدہ دار الخلاف آگرہ   دگر بہ قطعۂ سیکر نام شیخ سلیم
پسر از پئے تاریخ این دو عالی قصر   رقم زدہ دو بہشت برین کلک قدیم

ان اشعار کو عمارات پر ثبت کرا دیا گیا۔ آئینِ اکبری میں نستعلیق خطاطوں کے ضمن میں قاسم ارسلان کا تذکرہ ملتا ہے۔ قاسم ارسلان دراصل "ارسلان" نسل سے تھا۔ اس نے اکثر تاریخی واقعات پر اشعار کہے ہیں۔ جب اکبر بادشاہ اٹک سے لاہور واپس آیا تو قاسم یہیں اقامت رکھتا تھا اور اسی سال اس کا انتقال لاہور میں ہوا۔ اس کے آباو اجداد سلطان محمود غزنوی کے دربار میں تھے۔ وہ حُسنِ خط و لطافت طبع مقبول خاص

---

(۱) مَیں نے یہ تمام بیان اپنے ذاتی مشاہدہ اور "آثارِ اکبر۔ یعنی تاریخ فتح پور سیکری" مصنفہ سعید احمد مارہروی کی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب آگرہ میں ۱۳۲۴ھ (1915ء) میں چھپی تھی۔

عام تھا اور تاریخ کہنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

فتح پور سیکری اور محلات کے اندر اکثر عمارات کی دیواروں پر اشعار لکھے گئے اور ان پر تصاویر بھی بنائی گئیں۔ مرحوم مولانا سعید احمد مارہروی نے باورچی خانے کے تحت لکھا ہے کہ ایک مقام پر نہایت عمدہ تصویر ایک فرشتے کی بنی ہے جو ایک کرسی پر بیٹھا ہے اور مغربی برآمدے کے ایک ایک طاق میں ایک مٹی ہوئی تصویر کے کچھ نشان باقی ہیں۔ برآمدے کی چھت کے اِردگرد ہر جگہ بہت عمدہ نقش و نگار تھے جن کے درمیان ملک الشعراء فیضی کے وہ اشعار جو خاص اسی عمارت کی تعریف میں موزوں کیے گئے تھے، زریں قلم محمد حسین کشمیری، مولانا محمد باقر، محمد امین مشہدی، مولوی عبدالحیٔ اور میر عبداللہ نظامی مشہور خوشنویسان عہدِ اکبری نے نہایت نفاست سے لکھے تھے۔ افسوس کہ اب یہ کُل اشعار باقی نہیں رہے اور کچھ پڑھے جاتے ہیں جن میں سے ہم یہاں دو اشعار پیش کرتے ہیں:

ایں عمارت کز شرف از ہفت گردوں برتر است
کعبہ را ماند ولے ایں را صفائے دیگر است
نقش ہای خوش خط او صورت معنی نما
صورت معنی نمائش ولبہ اہلِ یقیں!

فتح پور سیکری میں ایک عمارت ٹکسال کہلاتی ہے جن کا رقبہ ۲۶۴×۲۳۰ فٹ ہے۔ یہ عمارت دیکھنے کے قابل ہے۔ اس کا افتتاح ۹۸۵ھ میں ہُوا تھا۔ اس وقت اس کا انتظام چودھریوں سے لے کر داروغہ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے سپرد کر دیا گیا۔ "چار یاری" روپیہ یہاں مسکوک ہُوا تھا۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم بہت بڑے کاتب نستعلیق طرز کے تھے۔ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کا نام ہی اس امر کی ضمانت ہے کہ یہاں اس طرز کو بہت ترقی ہوئی ہوگی۔

سندھ میں خطِ نستعلیق:

سندھ میں خطِ اسلامی کی ترویج کا آغاز دراصل محمد بن قاسم کی فتح دیبل کے بعد ۹۳ھ سے ہی ہو گیا تھا۔ حال ہی بن کھدائی سے ابتدائی اسلامی کتبات خط کوفی میں دستیاب ہو چکے ہیں جو تیسری صدی

ہجری کے ہیں ایک قدیم مندر سے ملے اور مسجد سے متعلق ہیں[1]۔ اس زمانے میں یہاں بے شمار درسگاہیں، خانقاہیں اور مساجد قائم ہوئیں۔ ان پر کتبات بھی لگائے گئے۔ ساتھ ساتھ یہاں تصنیف و تالیف کا بھی سلسلہ جاری ہُوا اور اکثر علما فضلا و صوفیائے کرام یہاں آباد ہوگئے۔ ان میں اکثر ماہرِ خط بھی تھے۔ چونکہ ہمارا خاص موضوع خط نستعلیق ہے اس لیے اس ضمن میں جب تاریخی طور پر نظر ڈالتے ہیں تو یہاں اس خط کا آغاز ۹۱۱ھ کے زمانے سے کرتے ہیں جب کہ ہرات میں زیرِ سرپرستی سلطان حسین مرزا بایقرا طرزِ نستعلیق خاصی ترقی کر چکا تھا اور ماہرینِ خط کی بدولت اطراف و اکناف میں بھی یہی خط پھیل گیا تھا۔ جو ہرات یا توران سے براہِ راست یہاں آیا تھا۔

سندھ میں خط نستعلیق کے ضمن میں کچھ عجیب و غریب ہی واقعات پیش آئے۔ معصوم بھکری المتوفی ۱۰۱۹ھ نے اپنی تاریخ سندھ میں میرزا شاہ حسن ارغون کے بیان کے تحت علما و مشائخ، فضلا و شعرا کے ضمن میں لکھا ہے کہ جناب میر محمود المشہور بہ شیخ میرک بن امیر ابوسعید پورانی کا سلسلۂ نسب اپنے اجداد کی جانب سے سادات عرب تک پہنچتا ہے۔ اور والدۂ شیخ ابوسعید دراصل شیخ جلال الدین ابویزید پورانی کی دختر تھی۔ شیخ میرک بوجہ مزید فضل و سخاوت و زہد و تقویٰ اکثر سادات میں سے ممتاز اور مستثنےٰ تھے[2]۔ مدت تک ولایت سندھ میں لوازم منصب شیخ الاسلام پر فائض رہے۔ اکثر طلبائے علم و فضلاء مقیم و مسافر آپ کے خوانِ احسان سے بہرہ مند ہوتے اور خاص کر میدان ہنروری میں پیش پیش تھے۔ شیخ مختلف طرزوں میں خوب لکھتے تھے جن میں تخصیص خط نستعلیق کی ہے۔ آپ کا انتقال ۹۶۲ھ میں ہُوا۔ اس ضمن میں تاریخ معصومی کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) اس کے لیے مصنّف کی تصنیف "برصغیر پاکستان و ہند میں خطِ اسلامی کا مختصر بیان" مع شکل ۱۷ ملاحظہ ہو۔

(۲) حبیب السیر ج ۳/۳ ص ۳۴۵۔

(۳) تاریخ معصومی: ص ۱۹۷۔

"درمیدانِ ہنروری ربودند و شیخ خطوط را خوب می نوشتند بتخصیص خط نستعلیق را"

شیخ میر محمد اور شیخ عبدالوہاب ہردو کی وفات ۹۹۰ھ میں ہوئی۔ فتاویٰ پورانی علم فقہ میں شیخ عبدالوہاب پورانی کی نسبت سے مشہور ہے۔ شیخ عبدالوہاب بایزید اور ابوسعید پورانی کے والد تھے۔

جب وسط ایشیا میں سلطان حسین میرزا بایقرا کی وفات ۹۱۱ھ کے بعد خراسان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو گیا تو سلطان کا اپنا لڑکا شہزادہ میرزا بدیع الزمان ۹۱۴ھ میں شیبانی خاں سے شکست کھا کر پہلے قندھار آیا۔ چونکہ اس کی شادی ۹۰۳ھ میں امیرِ سندھ ذوالنون ارغون کی لڑکی سے ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ قندھار سے سندھ آ گیا تھا۔ ہرات پر ۹۱۷ھ میں شاہ اسمٰعیل صفوی کے تسلط ہو جانے پر میرزا بدیع الزمان اس کے پاس ہرات گیا تھا۔ اس کے بعد ۹۲۰ھ میں سلطان سلیم اسے اپنے ہمراہ استنبول لے گیا۔ جہاں وہ ۹۲۳ھ میں مرض طاعون فوت ہو گیا۔ اس کے ہمراہ بھی کافی ہنرمند تھے جو یہاں سندھ میں آئے اور آباد ہو گئے اور اس طرح طرزِ نستعلیق کی یہاں ترویج ہوئی۔

ہم نے اوپر مولانا اظہر کے تلامذہ اور سلطان علی مشہدی کے معاصرین کے ضمن میں شیخ بایزید پورانی کا ذکر کیا ہے(۱)۔ آپ شیخ پوران کی اولاد سے تھے۔ ۹۰۰ھ کے بعد دربارِ امرائے ٹھٹہ سندھ میں آ گئے تھے۔ یہی اطلاع آپ کے متعلق "تذکرہ" "مذکر الاحباب" میں بہاؤ الدین حسن نثاری مؤلف تذکرہ نے لکھی ہے۔ وہ معتبر بزرگانِ خراسان میں سے تھے۔ آپ کے فضائل میں ممتاز وصف نستعلیق طرز کی خوشنویسی تھا۔ آپ سندھ آ گئے تھے جہاں آپ کی بہت قدر ہوئی تھی۔ ہم نے آپ کے متعلق تاریخ معصومی کے حوالے سے اوپر لکھ دیا ہے کہ آپ فضلائے زمانہ سے تھے۔ آپ کو طبع شریفہ حاصل تھی اور آپ شاعر بھی تھے۔ آپ کی ایک رباعی مناقب ہنروران(۲) سے ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

---

(۱) ملاحظہ ہو کتاب حبیب السیر صہ ۱۴۔

(۲) مناقب ہنروران صہ ۳۳۔

چو سر بغم تو در جہاں فردی نیست دل سوختہ نیاز پروردی نیست
خواہم غم و درد خویش شرح دہم لیکن چہ کنم ہیچ ہم دردی نیست

جب ہم سندھ میں نستعلیق طرز کے نمونوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں سندھ کے ساتھ بابر و ہمایوں کے ضمن میں توران و ایران کے تعلقات کا جائزہ بھی لینا ہوگا۔ سندھ میں سہون قدیم ترین تاریخی مقام تصور کیا جاتا ہے جہاں حضرت شہباز قلندر کی خانقاہ ہے۔ وہ وسط ایشیا کے قریہ مرند کے باشندے تھے۔ ان کا پورا نام شیخ عثمان مرندی تھا۔ ان کا انتقال ۶۷۳ھ میں ہوا۔ تصوف میں ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ آپ کے یہاں آنے سے پیشتر یہ خانقاہ پہلے قائم تھی۔ مگر آپ کی وجہ سے اسے زیادہ فروغ ہوا۔ اس درگاہ کی سرپرستی اہلِ ایران اور اہلِ سندھ بھی کرتے رہے۔ یہاں مختلف عہد کی قدیم تحریریں خط کی مختلف طرزوں میں کافی میسر ہیں۔ جو تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ مثلاً سلطان محمد تغلق کی وفات کا کتبہ جس کا انتقال ۷۵۲ھ میں اسی مقام پر میں اسی مقام پر ہوا تھا محفوظ ہے۔ اگرچہ آج آپ کی قبر یہاں نہیں بلکہ دہلی میں ہے۔

چونکہ ہمارا موضوع خطِ نستعلیق ہے اس لیے عرض ہے کہ کراچی نیشنل میوزیم میں سنگِ مرمر کی بہت طویل اور عریض تین سلیں محفوظ ہیں جو کسی "فرخ مسجد" سے متعلق ہیں۔ ہم ان کے عکس کو ذیل میں سندھ میں خط نستعلیق کے قدیم ترین نمونے کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

بدورِ شاہ عادل آں حسن خلق حسین آئین کہ آمد خنگ گردوں باوجود سرکشی رامش
بنائے مسجد جامع شد از دریا دلی واقع کہ دارد عالمے رانشاد و خرم فیض انعامش
بگرمائے قیامت گر پناہ او نخواہد شد پناہ فرخ از ہر چہ شد تاریخ اتمامش

اور امیر فرخ کا نام تیسرے شعر سے عیاں ہے کہ یہ مسجد اس کی زیرِ نگرانی تعمیر ہوئی تھی۔ میر معصوم بھکری نے تاریخ سندھ میں بیان کیا ہے کہ امیر فرخ اس زمانے (عہد شاہ حسن) میں ایک بڑی ہستی تھی۔ اس نے شاہ حسن کے ہمراہ کئی جنگوں میں شرکت کی تھی۔ افسوس اس کتبے پر کاتب کا نام نہیں ورنہ ہم اس شخص کے مزید کارنامے تلاش کرتے۔ بہر حال سندھ میں خط نستعلیق کی موجودگی کا یہ ایک قدیم ترین ابتدائی ثبوت

ضرور ہے۔

یہ تینوں کتبات مع عکس ڈاکٹر محمد عبدالغفور نے مجلہ ایشیاٹک سوسائٹی پاکستان ڈھاکہ میں چھاپ دیے ہیں۔ ان ہر سہ کتبات کا لُبِ لباب یہ ہے کہ مسجد شاہ حسن کے عہد میں ایسے شخص کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچی کہ جس کے فیض و انعام دنیا کو خوش رکھتے ہیں۔ یہ مسجد اس کی بخشش کے لیے پناہ فرخ ہو گی۔ یعنی لفظ فرخ سے بانیٔ مسجد کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق ہم نے اوپر تاریخِ سندھ کے حوالے سے درج کر دیا ہے۔ مگر ان کے کتبات سے نہ تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مسجد کہاں واقع تھی۔ اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان خوبصورت اور اعلیٰ طرز نستعلیق میں لکھے گئے کتبات کا خطاط یا کاتب کون تھا؟ چونکہ یہ کتبات سہون سے کراچی منتقل کیے گئے تھے اس لیے اس مقام سے منسوب ہوتے ہیں مگر مقامی طور پر وہاں اس نام کی کوئی مسجد نہیں ہے

ہم نے اوپر خانقاہ شاہ باز قلندر کا ذکر کیا ہے۔ وہاں کے آثار پر بے شمار کتبات لگے ہوئے ہیں۔ مگر ہمارے موضوع نستعلیق کے اعتبار سے وہاں مندرجہ ذیل کتبہ ہے:

محمد یادگار آں کز قضا شد — شہید و رفت تا جنت خراماں
چو دیدش از رہ تعظیم تاریخ — شدہ شاہ شہیداں گفت رضواں

شدہ شاہ شہیداں سے ۹۸۵ھ برآمد ہوتے ہیں جو سندھ کی تاریخ میں محمد باقی بن عیسےٰ ترخاں فرمانروائے سندھ کا زمانہ ہے جس نے ۹۷۵ھ سے لے کر ۹۹۳ھ تک حکومت کی تھی مگر اس کتبے کے کاتب کا نام بھی دستیاب نہیں ہے۔

ہم نے عہدِ اکبر کے نستعلیق کے کارناموں کے سلسلے میں میر معصوم بھکری کا ذکر کیا ہے جو بذاتِ خود سندھ کا باشندہ تھا۔ اکبر کے عہد کے مشہور شہروں میں اس کے اپنے لکھے ہوئے نمونے اور کتبات اعلےٰ نستعلیق طرز میں اکثر عمارتوں پر ملتے ہیں مگر ان کتبات میں سے وہ کتبہ جو بھکری کے اپنے والد میر صفائی کے مزار پر ہے۔ وہ ٹھٹھ میں مکلی پر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ہم اسے ذیل میں بسلسلہ سرگذشت نستعلیق درج کرتے ہیں۔

اے آمدہ بر سر مزارم — از آمدنت امید دارم
یک فاتحہ بخواں باخلاص — تا حسن کنندت بمغفرت خاص

حسرت زدہ ام بخاک ماندہ ! افتادہ درین مغاک ماندہ

ماہ قریشی لقب صفائی کافراشت فلک لوای نورش
ناگاہ ازین جہانگہ سیر افتاد بآن جہان عبورش
نامی برائے سال تاریخ گفتا پسر نور باد گورش !

اس پتھر کی یہ کیفیت ہے کہ اوپر کے تین اشعار پتھر کے حاشیے پر چاروں طرف کندہ ہیں اور باقی تین اشعار جن میں مرحوم کا نام اور تاریخ وفات بھی درج ہے، درمیان میں کندہ ہیں اور چاروں طرف نہایت اعلیٰ پتھر پر منبت کاری کی ہوئی ہے۔ اس لوح مزار سے واضح ہے کہ میر صفائی بن سید مرتضیٰ الحسینی ترمذی الکبری، پدر میر معصوم تھا۔

میر معصوم کی لوح مزار کا کتبہ بھی اعلےٰ نستعلیق طرز میں ہے۔

چنانچہ اس کی لوح مزار پر ذیل کا کتبہ ہے:

میر معصوم آں مہ برج شرف آفتاب شرع و دیں فخر زمیں
روز جمعہ سادس ذی الحجہ گشت عازم جنت بامر ذوالمنن !
سال فوتش از خرد جستم بگفت بود نامی صاحب ملک سخن

مگر بعض دوسرے مآخذوں سے میر معصوم کی تاریخ وفات ۱۰۱۵ھ اور ۱۰۱۹ھ بھی ملتی ہے۔ سکھر میں بھی طرز نستعلیق میں بے شمار کتبات ہیں۔ خاص کروہ عمارات جو میر معصوم نامی سے متعلق ہیں۔ سکھر کے علاوہ روہڑی (جو سکھر کے بالکل قریب ہی ہے) میں ایک مسجد عہدِ اکبری سے متعلق برلب دریا پُر فضا مقام پر واقع ہے۔ اس مسجد کا بانی "سند عالی فتح خان" ہے، سند عالی افغانوں کے ہاں لقب امیرانہ تھا۔ یہ شخص ۹۹۰ھ میں یہیں فوت ہُوا تھا۔ مسجد کے بیرونی دروازے کے اوپر بیرونی جانب کتبہ کاشی کار ٹائلوں پر پانچ ٹکڑوں میں درج ہے اور خط نستعلیق کا ابتدائی مظہر ہے۔ جس میں کچھ تعلیق کی خصوصیات بھی آ گئی ہیں۔ وہ کتبہ یہ ہے:

این مسجد با صفا فردوس برین | بے مثل قفا و در ہمہ روی زمین
چو کرد حبیب اہتمامش از صدق | خواہم کہ دہد خدا مرادش و یقین

تمت العمارۃ الشریفۃ فی تاریخ اوآخر شہر رجب المرجب سنہ اثنی و تسعین و تسعمایۃ۔

اس کتبہ مسجد کا متن یہ ہے:

خسرو دین پناہ اکبر شاہ | کہ بود تاج بخش ملک ستان
شاہ انجم سپاہ سریر | حامیٔ شرع و مقتدائی زمان
بندگانش چو قیصر و فغفور را | چاکر آنش چو طغرل و خاقان
بندۂ کمترین او یعنی | خان جم قدر، مسند دوران
سروری نیک رای دریا دل | منبع جود و مجمع احسان
فتح خاں آں کہ تیغ خونریزش | کرد بنیاد ظلم را ویراں!
مسجد جامع از برای ثواب | ساختہ بر امید قصر جناں
دل کشا ہمچو مسجد کعبہ | جان فزا ہمچو روضۂ رضواں
تابود گنبد فلک برپا | باد سالم ز آفت دوراں
سال تاریخش از خرد جستم | مسجد کرد خاں بگفت رواں

۹۹۲ھ

روہڑی کی اس مسجد پر دیگر کتبات بھی ہیں مگر عہد اکبر کے جن کتبات سے ہم تعمیر مسجد کی کیفیت معلوم کر سکتے ہیں وہ اوپر درج کر آئے ہیں۔

اسی طرح مقام الرور میں بھی میر معصوم کا ایک کتبہ موجود ہے جو ۱۰۰۸ھ کا ہے اور طرز نستعلیق میں ہے۔

محمد معصوم بھکری:

یہ شخص عہد اکبر میں "نواب امیر محمد معصوم نامی بھکری" کے نام سے مشہور تھا۔ آپ کے اکثر اشعار

نہایت اعلیٰ مستند طرز نستعلیق میں لکھے ہوئے تاریخی مقامات پر پتھر پر کندہ کیے ہوئے ملتے ہیں۔ بعض اشعار جو ان کتبات میں لکھے گئے ہیں ان سے یہ بھی ملتا ہے کہ آپ کا لڑکا "میر بزرگ" بھی اکثر آپ کے ہمراہ کتبات لکھنے میں مددگار تھا۔ ان کے کتبات عام طور پر آگرہ، فتح پور سیکری، اوجین، سعدل پور، شادیاباد مانڈو، برہان پور، قصبہ مڈاکر، ناگور، کھٹو اور قندھار وغیرہ میں ملتے ہیں۔ اگر ہم ان تمام کتبات کی عبارتوں کو یکجا کرکے ان کا جائزہ لیں تو بعض اہم تاریخی، ادبی، جغرافیائی اور سب سے بڑھ کر خطاطی کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ اکبر کے عہد کی تاریخ کے بہت سے اہم نکات حل ہو جائیں گے۔ اس شخص نے مؤرخ کی حیثیت سے تاریخ سندھ بھی تصنیف کی ہے جو طبع ہو چکی ہے۔ ان امور کو واضح کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ باقاعدہ کسبی طور پر خوشنویس نہیں تھا مگر اس نے اس عمل خطاطی سے عہد اکبری میں بہت ہی مفید کردار ادا کیا۔ چنانچہ میں اس کے ان کتبات کو جو مقام کھٹو ریاست جودھپور میں ہیں، یہاں درج کرتا ہوں کیونکہ میں نے ان کو خود اس مقام سے جمع کیا ہے اور لکھنے والوں کی آج تک یہاں رسائی نہیں ہوئی۔ محمد معصوم اس مقام پر ۱۰۰۸ھ میں مع اپنے فرزند زیارت کے لیے غالباً ناگور سے آیا تھا۔ کھٹو ریاست جودھ پور (راجپوتانہ، انڈیا) کا مشہور تعلقہ شمار ہوتا ہے۔ آئین اکبری میں اس کا ذکر سرکار ناگور کے تحت ملتا ہے[۱]

کھٹو میں صوفیائے کرام کے سلسلے میں خانقاہ حضرت اسحاق مغربی متوفی ۱۱ شعبان ۷۷۶ھ خاصی مشہور ہے جہاں آج بھی منجملہ اور کتبات کے امیر محمد معصوم نامی کے کتبات مندرجہ ذیل نستعلیق طرز میں ملتے ہیں[۲]

"قیل الدنیا ساعۃ فاجعلہا طاعۃ" "بتاریخ ۱۰۰۸ھ بزیارت ایں مزار

درخدمت نواب امیر محمد معصوم نامی رسید محررہ میر بزرگ"

---

(۱) آئین اکبری۔ مطبوعہ کلکتہ: ۱۸۶۹ء۔ ص ۵۱۲/۸۶م

(۲) تحفۃ المجالس: مرتبہ سید ابو ظفر ندوی۔ اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء، ص ۱۱۔ اور کھٹو۔ راجستھان کی ایک قدیم بستی۔ از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی "سہ ماہی" اردو کراچی۔ جنوری ۱۹۶۸ء

اور دوسرا کتبہ سنہ ۱۰۱۰ھ کا مندرجہ ذیل ہے:

گویہ بود فاتحہ را فاتحہ — زان فاتحہ — نکہت رائحہ

بر روح گذشتگاں فرست خلاصے — محتاج دعائیم بخواں فاتحہ

بندگان حضرت اسلاینده محمد معصوم بھکری — عراق مرخص نمود ۱۰۱۰ھ

اور تیسرا کتبہ یہ ہے:

بتاریخ ۱۰۱۲ ہزار و سیزده در رفت مراجعت از ایران از ملازمت

نواب سیادت پناه امیر محمد معصوم نامی بزیارت اینجا رسید و ایں

تحریر نمود

مندرجہ بالا تین کتبات امیر محمد معصوم بھکری کی خطاطی بطرز نستعلیق کے بہترین نمونے ہیں جو عہدِ اکبری میں لکھے گئے۔ ساتھ ہی اس میں تاریخی امور کو بیان کیا ہے۔ وہ یہاں ٹھٹھ میں ۱۰۰۸ھ میں بزیارت خانقاہ شیخ اسحاق آیا اور ۱۰۱۰ھ میں وہ سفیر کے فرائض کے لیے عراق تشریف لے گیا اور ۱۰۱۳ھ میں وہ ایران سے یہاں واپس آیا تھا۔ اس طرح ٹھٹھ میں درگاہ شیخ اسحاق مغربی اور معصوم بھکری کا بیاں ہمیں ملتا ہے، جو بہت اہم امور ہیں۔ ویسے میر معصوم بھکری کی شخصیت اکبر بادشاہ کے عہد میں سیاسی امور میں بھی بہت مصروف نظر آتی ہے[1]۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ معصوم بھکری نے خواجہ نظام الدین احمد بخشی کے ہمراہ گجرات میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا اور اس کے علاوہ کتبات بخط نستعلیق کے ضمن میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ قندھار کا کتبہ "چہل زینہ" بہت ہی اہم ہے۔ علاوہ بہترین نمونہ خط کے تاریخی طور پر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کتبہ میں معصوم بھکری نے اپنا شجرۂ نسب بابا حسن ابدال سبزواری سے لے کر اپنے تک بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی جلال الدین اکبر بادشاہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

غرضیکہ سندھ میں طرز نستعلیق کا رواج ایک طرح بالکل ابتداً سے ہی ہوگیا تھا اور یہ سب کچھ یہاں

---

(۱) فرید بھکری ذخیرۃ — ج ۲-۱۱، ۳۹۲، ۱۱۴۔ ذکر — معصوم بھکری۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء

براستہ قندھار ہوا تھا۔

ملتان میں خطِ نستعلیق :

ملتان کی تاریخ بعہدِ اسلام محمد بن قاسم کی فتح اوّل صدی اسلام سے شروع ہے اور اس وقت سے لے کر آج تک سکھ اور انگریزی عہد کے ۱۲۶ سال چھوڑ کر ملتان ہمیشہ اور متواتر ایک اسلامی شہر رہا یعنی یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی۔ ملتان کو صوفیائے کرام کا گھر کہنا بھی موزوں ہے۔ یہاں ہزارہا قدیم آثار وجود میں آئے جن کو کتبات سے بھی مزین کیا گیا۔ علاوہ ازیں یہاں بے شمار قلمی مسودے بھی تیار ہوئے جن کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ واضح ہے۔ خود مختار ملتان میں حکمرانان لنگاہ کی سلطنت ۸۴۷ھ سے لے کر بابر کی فتح ۹۳۲ھ تک قائم رہی۔ خط کے ضمن میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ عہدِ مغلیہ سے پیشتر یہاں خط نستعلیق کا وجود نہیں تھا۔ چنانچہ اس خط کا جو قدیم ترین نمونہ ملتا ہے، وہ دو کتبات ہیں جو مندرجہ ذیل فارسی اشعار پر مشتمل ہیں۔ کوٹلہ تولے خان میں ایک قدیم مسجد واقع ہے جسے مقامی لوگ ساوی (سبز) مسجد کہتے ہیں۔ اس مسجد کے صحن میں ایک پرانی قبر ہے جو صفر قلی کی ہے۔ اس پر ایک لوح سنگِ مرمر کی سل کی کھڑی ہے جس کے ہر دو جانب پانچ پانچ فارسی اشعار خط نستعلیق میں مع اعلیٰ نقش و نگار حواشی میں کندہ ہیں:

کان کرم سپہر سخاوت صفر قلی — کز جود زنگ ز آئینہ قلب منیر زدود
چون عزم جزم سوئے جناں کرد نقش — صد باب غم بروئے محبان او کشود
خونبار گشت ایں (دیدۂ) مردم زہجراو — بر آسمان لہ عزیزان رسیدہ دود
شعبان دو در شب دہمش جانب بہشت — در سال نہ صد و نود و نہ سفر نمود!
یارب طلال رحمت خود ساز مامنش — کہ ورا بغیر لطف تزیج التجا نبود

الفقیر الحقیر خاکپاء عزا سید حمیت اللہ بھری

لوح کے دوسری طرف:

چنیں کردند اصحاب ولایت — ز لفظ جعفر صادق روایت!
کہ ویرانیست ایں دنیائے غدار — ازاں ویران تر است آں دل بصد بار

کہ او معمورئ دنیا گزیند — کہ تا بر مسند دنیا نشیند!!

ولیکن ہست عقبیٰ جائے معمور — ازاں معمور تر داں پر از نور

نخواہد جز بعقبیٰ در عمارت — شود قانع دہد دنیٰ لفاوت

تحریراً فی شہور سنہ تسع و الف زکریا ابن استاد محمد ولد جیون ملتانی۔

ہمیں ملتان سے ۹۹۹ھ کے مندرجہ بالا کتبات خط نستعلیق میں میسّر آئے ہیں۔ ان کو ملتان کے استاد نے کندہ کیا ہے اور وہیں کے کاتب نے لکھا ہے۔ ملتان میں ہمیں اسلام شاہ بن شیر شاہ سوری کے زمانے کا کتبہ خط ثلث میں بھی حضرت یوسف گردیزی کے مزار سے ملتا ہے جو لکڑی پر منبت کیا ہوا ہے۔ البتہ خط نستعلیق میں قدیم ترین نمونے مندرجہ بالا ہی ہیں۔(۱)

خطِ نستعلیق لاہور میں :

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ لاہور کو اسلامی عہد کی ابتدا سے ہی ایک اعلےٰ متمدن اور علمی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہاں بڑے بڑے فضلاء، علماء اور ماہرین فن ہو گزرے ہیں۔ اس دوران میں یہاں ہزار ہا علمی مسوّدات اور نسخے تیار ہوئے مگر خوش قسمتی سے اس خاص عنوان کے تحت آج تک کسی نے توجہ نہیں دی۔ میں نے ایک دفعہ ایک مضمون احوال خوشنویسان لاہور کے مشہور حاجی دین محمد کاتب کے عنوان سے روزنامہ امروز میں لکھنا شروع کیا تھا مگر یہ مضمون کئی وجوہات سے مکمل نہ ہو سکا۔ میں نے قرآنِ کریم کے بعض نسخے بھی مصر و امریکہ وغیرہ میں محفوظ دیکھے جو یہاں لاہور میں لکھے گئے۔ اس سے واضح ہے کہ یہاں ایسے خطاطوں کے خاندان موجود تھے جن کا آبائی پیشہ ہی خطاطی تھا لیکن عہد اکبر سے قبل یہاں خط نسخ ہی رائج تھا۔ اس کے بعد لاہور کو مرکزی اہمیت حاصل ہوئی تو نستعلیق خط بھی یہاں شاہانہ طور پر رواج پا گیا۔ لاہور میں بھاٹی دروازے کے اندر اونچی مسجد کی محراب والی دیوار میں تین کتبات ابتدائی عہد اکبر کے ہیں جو خط ثلث یا نسخ میں ہیں۔ ان سے ہمارا یہ نظریہ متعین

---

(۱) ایپی گرافیا انڈو مسلیمکا۔ ملتان مضمون محمد حمید قریشی ۱۵-۱۹۱۷ء دہلی

ہو جاتا ہے کہ اس وقت تک یہاں خط نسخ رائج تھا۔ قریباً ۹۸۸ھ سے اکبر کو سیاسی مہموں کا قلع قمع کرنے کی غرض سے لاہور میں مستقل قیام کرنا پڑا۔ جو قریباً ۱۰۰۸ھ تک رہا۔ اس عرصے میں لاہور کو دارالحکومت کی حیثیت حاصل رہی۔ اس عرصے میں یہاں بے شمار علمی کارنامے بھی وجود میں آئے اور ان کو دربار کے اعلیٰ مستند کاتبوں نے لکھا۔ یہ سب کارنامے نستعلیق میں ہی انجام پائے۔ اگرچہ ہم نے ان کارناموں کو زیادہ تفصیل سے ان کے کاتبوں کے تحت لکھا ہے۔ مگر یہاں ذیل میں ان کو محض لاہور میں انجام پانے کی وجہ سے بصورت فہرست درج کیا جاتا ہے:

۱۔ داراب نامہ جو ۹۸۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ دراصل اس کی ابتدا فتح پور سیکری میں ہوئی تھی اس کا مصوّر نسخہ برٹش میوزیم لندن میں ہے۔

۲۔ تاریخ الفی کا لکھنا ۹۹۰ھ شروع ہوا تھا۔ یہ علمی کام نقیب خاں کے سپرد ہوا تھا جس میں حکیم ہمام ہی شامل تھے جو اکثر لاہور میں ہی مقیم رہے۔ اس کے نسخے مَیں نے دیکھے ہیں مگر وہ نسخہ جو دربار میں تیار ہوا تھا اور جسے شاہی مصوّروں اور کتّاب نے تیار کیا تھا۔ کلکتّے میں تھا اور بہت اعلیٰ خفی نستعلیق میں لکھا گیا تھا جس کے حواشی پر بھی اعلےٰ تصاویر تھیں۔ مصوّروں کے اسمار بھی ان پر تھے مگر یہ نسخہ نامکمل تھا۔

۳۔ بہارستان جامی کا مصوّر نسخہ جو آج باڈلین لائبریری آکسفورڈ میں محفوظ ہے۔ اسے محمد حسین زرّیں قلم نے لکھا تھا اس کا ترقیمہ یہ ہے۔ "احقر الکاتبین حسین زرّیں قلم نے ۱۰۰۲ھ در دارالخلافہ لاہور تحریر یافت"۔ مصوّروں کے اسمار تصاویر پر ہیں۔

۴۔ دیوان حافظ مصوّر جو غالباً ۱۰۰۶ھ میں یہیں لاہور میں لکھا گیا۔ آج کل یہ دہلی میں نیشنل میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس میں بے شمار تصاویر مغل مصوّروں نے بنائی ہیں۔

۵۔ ظفر نامہ کا مصوّر نسخہ آج کل خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ یہ نایاب نسخہ آخیر سے ناقص ہے مگر یہ بھی انہیں سالوں کی پیداوار معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ خمسۂ نظامی کا مصوّر نسخہ لاہور میں ۱۰۰۳ھ میں عبدالرحیم کاتب نے لکھا۔ اس کے ترقیمے

میں عبدالرحیم کی اپنی تصویر اور مصوّر کی تصویر بھی ہے۔

۷۔ جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ کا نایاب مصوّر نسخہ طہران میں کتاب خانہ مجلسی میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ ۱۰۰۴ھ میں لاہور میں لکھا گیا۔ یہ یورپ میں طبع ہو چکا ہے۔

۸۔ انوار سہیلی کا مصوّر نسخہ آج کل بنارس (بھارت) کلا بوسی میں محفوظ ہے۔ اس نسخے کو لاہور میں عبدالرحیم الھروی نے ۱۰۰۵ھ میں لکھا۔ اس کے ترقیمے میں مصوّر اور کاتب کی تصاویر ہیں۔

۹۔ یوسف زلیخا جامی کا مصوّر نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کے مجموعۂ شیرانی میں محفوظ ہے یہ دارالسلطنت لاہور میں ۹۹۸ھ میں لکھا گیا۔

ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں عہدِ اکبر کے نستعلیق لکھنے والوں کے ضمن میں جنہوں نے سایۂ بادشاہی میں نام پیدا کیا میر حسین کلنگی کا نام بھی بیان کیا ہے مگر کسی اور تذکرہ نگار نے اس کا صراحتہً ذکر نہیں کیا کہ وہ ہندوستان بھی آ گیا تھا۔ اسی وجہ سے ہم نے ان کا ذکر ذرا تفصیل سے مندرجہ بالا تلامذہ میر علی ہروی کے تحت کیا جنہوں نے آپ سے بخارا میں تلمذ حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپ کو حافظ فوتہ کا بھی تلمیذ لکھا ہے۔ آپ کے چھوڑے ہوئے بے شمار کتابت کے نمونوں میں سے ایک نسخہ رباعیاتِ میر سید جامہ باف قلم خفی میں کتاب خانۂ حاج نصراللہ تقوی طہران میں موجود ہے، جس کا ترقیمہ یہ ہے:

"کتبہ العبد المذنب میر حسین الحسینی الکاتب فی بلدہ دارالامان

لاہور حمیت عن الآفات والبلیات تحریر مووم"

اس سے واضح ہے کہ آپ لاہور میں آ گئے تھے اور عہدِ اکبر کے متذکرہ بالا کتابت اور مصوّری کے کارناموں میں جو خصوصیت سے لاہور میں تیار ہوئے آپ کا بھی حصّہ ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ لاہور میں عہدِ اکبر میں خط نستعلیق اپنے عروج پر تھا۔ لاہور کے آثار میں سے مقبرۂ صاحب جمال زوجہ شہزادہ سلیم کی قبر کے سنگِ مرمر کے ٹھوس تعویذ پر جو کتبات ہیں وہ نہایت اعلےٰ خط نستعلیق ہیں۔ صاحب جمال کا انتقال ۱۰۰۸ھ میں بعہدِ اکبر ہوا تھا۔ افسوس یورپین مؤرخوں اور سیّاحوں نے اس روضے کو انارکلی کے نام سے منسوب کر دیا ہے:

نستعلیق کے ان کتبات کی مختصر تفصیل یہ ہے:

اوپر لمبے رخ اللہ تعالےٰ کے ننانوے ناموں میں سے ابتدائی تینیس نام دائرہ نما بیل کی صورت میں دو قطاروں میں کندہ ہیں اور باقیوں کو نصف نصف تقسیم کرکے دائیں اور بائیں لمبے رخ کندہ کر دیا گیا ہے اور ان ہر دو میں آخر سطر میں ایک طرف:

مجنون — سلیم اکبر: آہ گر من باز بینم روی یار خویش را اور دوسری طرف:

تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را: ۱۰۰۸ھ ہزار و ہشت اور ہر دو کناروں

پر "اللہ اکبر" اور فی شہور ۱۰۲۴ھ

اس تاریخی روضے کا پس منظر یہ ہے کہ جہانگیر نے ۹۹۵ھ میں خواجہ مقصود علی عم زین خاں کوکہ کی لڑکی "صاحب جمال" سے شادی کی۔ غالباً اس شادی میں اکبر کا مشورہ حاصل نہیں کیا گیا تھا۔ اس ملکہ کا انتقال لاہور میں مطابق اکبر نامہ ۱۵ ماہ تیر ۱۰۰۸ھ کو ہُوا جو اس کے تعویذ پر بھی کندہ ہے۔ اس کے بطن سے جہانگیر کا لڑکا پرویز تھا۔ غلطی سے یہ مقبرہ انارکلی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ کیونکہ اس مقام پر باغ بنام "باغ اناراں" کبھی واقع تھا۔ بہرحال نستعلیق خطاطی کا متذکرہ بالا نمونہ عہد اکبر کی خاص یادہے۔ اور یہ کتبات آگرہ میں اکبر کے روضے کے بالکل اوپر تعویذ پر کندہ کتبات کے مطابق ہیں۔ لاہور کے نستعلیق نویس بعد کے زمانہ کے جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد کے دوران بھی

سلطان بایزید دوری:

ہم نے اوپر تاریخی ترتیب کے اعتبار سے بابر و ہمایوں کے تحت بیان کیا ہے کہ ان کے ہمراہ خطاط و مصور ایران و توران سے ابتدا میں ہی آگئے تھے۔ کچھ سال ہوئے حسن اتفاق سے خطۂ ناگور مارواڑ میں ایک کتبہ سنگ مرمر کی سِل پر تلاش کیا جس کی پیمائش پونے دو فٹ اور ڈیڑھ فٹ تھی، یہ کتبہ وہاں پانی کے تالاب پر مسجد کی پردہ دیوار میں محفوظ کیا ہُوا تھا۔ بادی النظر میں یہ اہم یا قابلِ توجہ کتبہ نظر نہیں آتا تھا کیونکہ کونوں پر ٹوٹا ہُوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے محض دیوار کے نقص کو چھپانے کی غرض سے اسے یہاں لگا دیا ہے۔ مرور ایام کی وجہ سے اس کے ابھرے ہوئے حروف والفاظ بھی مٹی سے بھر

پکے تھے۔ مگر جب میں نے اسے صاف کیا تو یہ ایک فارسی زبان کا کتبہ نہایت اعلیٰ نستعلیق طرز میں ظاہر ہُوا۔ اس کا متن یہ ہے:

بجائے این بنائے پاک و دلکش	در اول بود جائے سے دوائے
بدوران جلال الدین محمد	شہ اکبر کہ با او را بقائے
بسعی شیخ دین عبد الغنی شد	چنیں شیریں بنائے دلکشائی!
چو بائے بانی ازوی دور کردند	بجو تاریخ او از خوش بنائے

قائلہ و کاتبہ کاتب الملک المشہر بدوری

اتفاق سے یہ کتبہ نہایت اعلیٰ نستعلیق طرز میں نظم میں لکھا ہُوا ہے (جس کا عکس بھی ہم یہاں شائع کر رہے ہیں شکل ۵۰) یہ امور اس سے واضح ہیں (الف) یہ کتبہ کسی مسجد کی تعمیر سے متعلق ہے۔ (ب) اکبر بادشاہ کا زمانہ ہے۔ (ج) شیخ عبد الغنی اس مسجد کے بانی ہیں (د) کتبہ کی عمارت اشعار میں بیان کرنے والا اور اسے لکھنے والے کا خطاب "کاتب الملک" ہے جو "دوری" کے لقب یا نام سے مشہور ہے۔ اور آخیر مصرعے سے تاریخ عمات مسجد "۹۷۶ھ" نکلتی ہے[1]

(د) "کاتب الملک دوری" کے متعلق عرض ہے کہ اس کا تذکرہ مولانا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ اور عالی آفندی نے مناقب ہنروراں میں دیا ہے[2] جن سے واضح ہے کہ اس کا نام سلطان بایزید بن میر نظام دوری تھا اور یہ خاندان امام دوری سے تھا جن کا مزار اور خانقاہ بغداد میں ہے یہ علمی خاندان آج بھی موجود ہے۔ سلطان بایزید ہرات کا باشندہ تھا۔ یہ شخص شاعر بھی تھا اور "دوری" تخلص بھی کرتا تھا جیسا کہ تذکرہ بالا کتبے سے بھی عیاں ہے۔ کتابت میں یہ میر علی ہروی کا تلمیذ تھا اور اس نے اسے بوجہ فرطِ محبت اور اعلیٰ کتابت فرزند کا خطاب دیا تھا۔ صاحب مناقب ہنروراں نے بیان کیا ہے

ح ۱:- اپی گرافیا انڈومسلیکا، نئی دہلی ۱۹۵۳، ۱۹۵۵ء ص ۳۸۔ ۳۹

ح ۲:- بدایونی۔ ۳ ج ص ۲۲۷ و مناقب ہنروراں ص ۷۷

کریئی نے میر علی کے قطعات لکھے ہوئے دیکھے ہیں جن پر لکھا تھا "بجہتہ فرزند عزت مند مولانا سلطان بایزید شہیر بدوری"۔ میرے خیال میں یہ شخص ہمایوں کے ہمراہ ہندوستان میں آیا تھا۔ اور اس کے بعد اکبر کے دربار سے منسلک ہو گیا تھا۔ متذکرہ بالا کتبے کی تاریخ ۹۷۰ھ ہے جب وہ اپنا خطاب "کاتب الملک" درج کرتا ہے یعنی اسے اس سال میں یہ خطاب بادشاہ اکبر سے ملا تھا۔ کیونکہ اس کی قلم کا لکھا ہوا ایک نسخہ امیر خسرو کی مثنوی دول رانی خضر خاں محرم ۹۶۶ھ کا ہے (شکل ۴۹) جن میں دو تصاویر ابتدائی دور مغلیہ کی بھی ہیں۔ اس پر اس نے اپنا نام "سلطان بایزید بن میر نظام مشہور بدوری" لکھا ہے اور یہ نسخہ مثنوی امیر خسرو بادشاہ اکبر کی ایک بیگم سلیمہ سلطان بیگم کے کتاب خانے میں بھی رہا تھا۔ بعد میں شاہجہاں کے کتب خانے میں آگیا تھا۔ یہ نسخہ قیام پاکستان سے قبل تک ریاست کپورتھلہ کی لائبریری میں تھا۔ سلطان بایزید نستعلیق لکھنے میں یکتائے روزگار تھا۔ میرے خیال میں اس کا مندرجہ بالا کتبہ جس میں اس نے اپنا "خطاب" کاتب الملک" بھی لکھ دیا ہے ایک نادر نمونہ ہے جو ہمیں اتفاق سے میسّر آگیا ہے۔ اخیر عمر میں یہ شخص فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے عازم مکہ ہوا۔ وہیں کہیں ۹۸۶ھ میں غرق ہو کر فوت ہو گیا۔ اس کا ایک نمونۂ کتابت طہران کے ایک نجی کتب خانے میں بھی ملتا ہے جو ۹۶۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر لکھا ہے: "تحریرًا فی مکۃ المشرفہ"۔

کچھ عرصہ ہوا ایک منظوم عربی قصیدہ بعنوان "آیات جلی" جو حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے اور اس کا ترجمہ حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ کی طرف منسوب ہے۔ بصورت کتابچہ ایک چھوٹی جیبی کتاب مطلّا کر کے عمدگی سے شائع کیا گیا۔ یہ بہت ہی اعلیٰ نستعلیق خط کا نمونہ ہے[۱] اس کا ترقیمہ مندرجہ ذیل ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں:

"مشقہ العبد المذنب شیخ نظام مذہب ابنِ شیخم"

---

(۱) مجھے یہ مطبوعہ نسخہ مرحوم مولوی شمس الدین تاجر کتب نے عنایت کیا تھا۔ یہ کتابچہ ادارہ علی کالج وزیرآباد ۲۳ جمادی الاوّل ۱۳۵۵ھ کو شائع ہوا۔

اس ترقیمے میں شیخ نظام جس نے اس مخطوطے کو لکھا ہے وہ "مذہب" کی حیثیت سے مشہور ہے اور وہ "شیخم" کا لڑکا ہے۔ ممکن ہے کہ اس ترقیمے میں شیخ نظام اور میر نظام والد سلطان بایزید ایک ہی شخص ہو۔ مگر ظاہر میں ہر دو شخص الگ الگ معلوم ہوتے ہیں اور اس نسخے میں پھر لفظ "دوری" بھی نہیں ہے۔

بختاور خاں نے مراۃ العالم میں شاگردان میر دوری کے ضمن میں ایک شخص خواجہ ابراہیم حسین کا نام لکھا ہے۔ یہ شخص ملازمان اکبری میں سے تھا۔ طرز نستعلیق لکھنے میں کمال رکھتا تھا اور خوش نویسی میں شہرت رکھتا تھا۔ مگر بدقسمتی سے عین جوانی میں ۱۰۰۱ھ میں وفات پاگیا۔ قادری بدایونی نے اس کی تاریخ وفات اس رباعی میں کہی ہے:

بر موجب حکم بادشاہ کونین　　　　در ماہ صفر خواجہ ابراہیم حسین

چوں کرد سفر ز عالم پر شر و شین　　　　تاریخ شدش خواجہ ابراہیم حسین

۱۰۰۱ھ

ملّا عبدالقادر بدایونی نے بھی منتخب التواریخ میں آپ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شخص خط میں میر دوری کا تلمیذ تھا اور میرے مصاحبوں میں سے تھا۔ اس کے بزرگ بلدہ بلوط سے تھے۔ اس کے رشتے دار شیخ عبدالرحمٰن لاہور بلوطی کے نزدیکی ہیں۔

عہدِ اکبری میں ہفت قلم استاد اور فنِ شعر میں یکتائے روزگار اشرف خاں میر منشی تھا۔ یہ اپنے زمانے کا فاضل شخص تھا۔ اس کا اصل نام محمد اصغر تھا اور زمرۂ امرائے کبار میں شمار ہوتا تھا۔ اس کا ذکر اکبر نامہ اور طبقات اکبری میں مفصل ملتا ہے[۱]۔ یہ شخص ہمایوں کے زمانے سے ہی دربار سے اپنے فن انشا کی وجہ سے منسلک تھا۔ میں نے اس کا لکھا ہوا ایک قطعہ خط نستعلیق میں احمد آباد میں دیکھا تھا۔ جو بہترین نمونہ تھا۔ اس کا انتقال ۹۸۲ھ میں بلدہ گور میں ہوا۔ ابوالفضل نے اسے سبزواری لکھا ہے۔ منعم خاں کے ہمراہ بہار میں بھی گیا تھا۔

اکبری عہد کے نستعلیق لکھنے والوں میں محمد یوسف کا بھی شمار ہوتا ہے جن کا انتقال عنفوان شباب

میں ۹۸۰ھ میں ہو گیا تھا۔ اس کی تاریخ وفات اس کے استاد متذکرہ بالا اشرف خاں نے کہی ہے:

کجا شد یوسف مصرائے عزیزاں

مگر یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ فن کتابت میں کیسا تھا۔ یہ شخص کابل میں پیدا ہوا اور ہندوستان میں اس کی نشو و نما ہوئی۔

عنایت اللہ شیرازی:

اکبر کے دربار میں بے شمار کتب مصوّر کی گئیں جو بذاتِ خود ایک الگ موضوع ہے۔ ان کتب کو دربار کے بہترین خطاطوں نے لکھا اور بہترین مصوّروں نے ان کو مصوّر کیا۔ ان میں سے مہابھارت کا فارسی ترجمہ بنام "رزم نامہ" بہت مشہور و معروف ہے۔ یہ ترجمہ دراصل ۹۹۰ھ میں ہو چکا تھا۔ اتفاق سے اکبر کے دربار کا اصل مصوّر نسخہ ریاست جے پور (ہند) کے پوتھی خانے (سرکاری کتب خانہ) میں محفوظ ہے۔ راقم نے اس کا خوب مطالعہ کیا ہے اور ویسے یہ اسی صورت میں طبع بھی ہو چکا ہے۔ جسے کرنل ہنڈلے نے مرتب کیا ہے۔ اس کے ترقیمے کا ایک حصہ یہ ہے:

"باہتمام مرید درچہار مرتبہ اخلاص پای برجامی شریف عبدالصمد،
صورت اتمام پذیرفت۔"

اس سے واضح ہے کہ اس مصوّر نسخے کی تیاری کا اہتمام خواجہ محمد شریف بن خواجہ عبدالصمد شیریں قلم نے کیا تھا جو اکبر کا دینِ الٰہی میں "مرید چہار مرتبہ اخلاص" تھا۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم ہمایوں کے ہمراہ ایران سے آیا تھا۔ وہ بذاتِ خود بہت مشہور و معروف خطاط بھی تھا۔ اس نے بہت ہی اعلیٰ فنی کارنامے عہدِ اکبری میں سرانجام دیئے تھے۔ اس کا لڑکا خواجہ محمد شریف اکبر کے زمانے میں سرکاری سٹوڈیو کا مہتمم تھا۔ وہ کتابوں کی تیاری اور اہتمام پر متعین تھا۔ اسی نسخہ "رزم نامہ" کے ترقیمے کے حصے سے واضح ہے کہ اس نسخے کی کتابت عنایت اللہ نے خط نستعلیق میں کی تھی، جو اس وقت اکبر کے سٹوڈیو میں کام کرتا تھا۔ اس حصہ ترقیمہ میں تفصیل خرچ، تیاری نسخہ "رزم نامہ" درج ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اس تمام نسخے کی کتابت کا معاوضہ عنایت اللہ کو،

ایک سو پینسٹھ صفحات کے حساب سے تین سو پچیس روپے ملے تھے۔ (شکل ۵۴، ۵۵) ملا بدایونی کے بیان کے مطابق عنایت اللہ شیراز کا باشندہ تھا اور شاہی کتب خانے سے منسلک تھا۔ ویسے طبیعت کے اعتبار سے خوش خلق اور توانا تھا۔ گاہے گاہے نظم بھی کہتا تھا۔ اس کے کلام کا نمونہ بھی بدایونی نے دیا ہے۔ اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

در گلشن ایں جہاں گلی نیست کالودہ بخون بلبلی نیست

بقول ابن احمد رازی مؤلف ہفت اقلیم عنایت اللہ شیرازی نہایت خلیق اور مہربان شخص تھا۔ اکبر کے عہد میں ہندوستان میں شیراز سے آیا تھا اور صیغۂ کتابداری پر متعین ہوا تھا مگر اس پر مندرجہ ذیل مہریں اور تحریریں مہتمم یا داروغۂ کتاب خانہ کی ہیں، جس کے توسط اور ذمہ داری پر یہ نسخہ محفوظ رہا:

۱۔ مہر : محب علی بندہ اکبر بادشاہ

یعنی "محب علی" اکبر بادشاہ کے عہد میں تھا مگر اس نام کے کئی اور اشخاص بھی تھے۔ میرے خیال میں یہاں محب علی بن عنایت سے مُراد ہے جس نے اکبر کے عہد کی تاریخ بطور تکملہ اکبر نامہ یا تتمہ اکبر نامہ تیار کیا گیا تھا۔

۲۔ مہر : ابوالفتح فتح اللہ

یعنی فتح الدین ابوالفتح جو اکبر کے عہد میں "حکیم ابوالفتح" کہلاتا تھا۔ وہ جہانگیر کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا، کیونکہ وہ خسرو کا ساتھی تھا۔

۳۔ مہر : آقا ملا بدیع الزمان

یہ مہر ایک نہایت اعلےٰ طغریٰ کا نمونہ ہے جو بیضوی شکل میں ہے۔ یہ شخص ملا دوات دار کا لڑکا تھا اور ملکہ ممتاز محل کا چچا تھا۔

۴۔ عبدالحق ابن قاسم شیرازی

عبدالحق ابن محمد قاسم شیرازی کی یہ مہر ایک گول طغریٰ میں ہے۔ یہ شخص دراصل مغل عہد میں ایک بہت ہی اہم اور بڑا کاتب تھا۔ جہانگیر نے اسے آگرہ میں مقبرۂ اکبر کے کتیبات لکھنے کے لیے متعین کیا تھا اور اُس کا

یہی اصل نام اس مہر میں ہے اور مقبرۂ اکبر کے کتیبات میں ملتا ہے۔ عہدِ شاہ جہان میں اسے شاہ جہاں نے خود روضۂ تاج محل کے کتیبات کے لکھنے پر متعین کیا تھا وہاں اس کا نام "امانت خاں شیرازی" درج ہے یہ لقب اُسے شاہجہان کے دربار سے ملا تھا۔ جب اُس نے روضۂ تاج محل آگرہ کے کتیبات بہت اعلیٰ خطِ ثلث بیرونی اور اندرونی عمارت تاج محل پر لکھے تھے جہاں اس کا نام اس کے لقب "امانت خاں شیرازی" مع تاریخ ۱۰۵۷ھ لکھا ہے۔ جب وہ روضۂ تاج محل پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا تو اس کے بعد وہ ملازمت سے سبکدوش ہو کر پنجاب آگیا اور اپنی جاگیر میں اس ایک عالی شان سرائے بنوائی تھی جو آج تک قریب امرتسر اور ترنتارن کے مابین اس کے اپنے نام "امانت خاں" پر مشہور و موجود ہے۔

۵۔ مہر: بندہ شاہ جہان صادق خاں

یعنی ملازم شاہ جہان صادق خاں کی اس مخطوطہ "رزم نامہ" پر مہر ہے جو شاہجہاں کے عہد میں شاہی کتب خانہ میں تھا۔ غالباً یہ شخص وہی "محمد صادق" ہے جس نے عہد شاہجہان میں ایک تاریخ بھی لکھی تھی جو "تاریخِ شاہجہانی" کے نام سے مشہور ہے اور اسے شاہجہان نے "صادق خاں" کا خطاب دیا تھا۔ یہ شخص "وقائع نویس" کے منصب پر متعین تھا۔

۶۔ ارشد خان خانہ زاد شاہ عالم بادشاہ غازی

ارشد خاں بادشاہ شاہ عالم کے گھرانہ میں پیدا ہوا تھا۔ دکن میں صیغۂ دیوانی میں مہتمم تھا۔ ارشد خاں دیوان کابل کا پوتا تھا جو بعہد اورنگ زیب کابل میں تھا۔

اب ذیل میں ہم کتابداروں کی تحریریں جو اس ترقیمہ میں درج ہیں پیش کرتے ہیں اور ان کتابداروں کے توسط سے یہ نسخہ شاہی کتاب خانہ میں محفوظ بھی رہا اور ضرورت کے وقت باقاعدہ حرکت بھی کرتا رہا۔ اس کے لیے خاص طور پر شکل ۵۴، ۵۵ ملاحظہ ہو۔

الف: "بتاریخ ۲۴ر ماہ اردی بھشت الٰہی سنہ ۴۰ در بلدہ لاہور

عرض دیدہ شد"

یعنی یہ نسخہ "رزم نامہ" برائے ملاحظہ بادشاہ کے روبرو اسی تاریخ کو (چالیسویں سال جلوس) بمقام لاہور

پیش کیا گیا۔ تاریخ سے واضح ہے کہ بادشاہ ہی لاہور میں مقیم تھا۔

ب۔ بتاریخ ۱۵۔ امرداد سنہ ۹۴۲ ص دیدہ شد در تحویل بہادر چیلہ نمودہ شد"

۱۵۔ تاریخ کو بیالیسویں سال جلوس میں بادشاہ کے حضور میں یہ نسخہ "رزم نامہ" پھر پیش کیا گیا اور اس وقت یہ نسخہ کتابدار چیلہ بہادر کی تحویل میں تھا۔

ج: اللہ اکبر : در تحویل خواجہ عنایت اللہ بتاریخ ۱۹ ار اردی بہشت سنہ ۴۲ عرض دیدہ شد"

یعنی یہ نسخہ "رزم نامہ" خواجہ عنایت اللہ شیرازی کتابدار کی تحویل میں بتاریخ ۱۹ ار اردی بہشت میں رہا۔ یہی شخص (عنایت اللہ شیرازی) اسی نسخہ کا کاتب بھی تھا، جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے:

د: اللہ اکبر بتاریخ پنجم امرداد ماہ الٰہی تحویل کتابدار تحویل خواجہ عنایت اللہ

ہم نے (ج) کے تحت دیکھا ہے کہ عنایت اللہ کتابدار نے اس نسخے کی کفالت لی تھی۔ مگر پھر ہم دیکھتے ہیں کہ عنایت اللہ سے ایک اور کتابدار "بہادر" کی تحویل میں نسخہ چلا گیا۔

ھ: اللہ اکبر ، بتاریخ غرّہ خورداد سنہ ادّی از تحویل خواجہ عنایت اللہ تحویل خواجہ عبید شد"

یکم خرداد بتاریخ اول سال جلوس جہانگیر (۱۰۱۴ھ) کو خواجہ دولت نے اس کو خواجہ عبید کی تحویل میں دیا۔

و: اللہ اکبر : بتاریخ ۲۰ ماہ شہریور الٰہی سنہ ۷ بنا بر وجوہ تحویل محمد یوسف تحویل حبیب اللہ شد"۔

یعنی رزم نامہ کا یہ نسخہ جہانگیر کے عہد کے ساتویں سالِ جلوس محمد یوسف کی تحویل سے نکل کر حبیب اللہ کتابدار کی تحویل میں آ گیا۔

ز: بتاریخ ۱۱ ماہ آذر الٰہی سنہ ۱۵ از تحویل ملا صالح تحویل ملا لقمان شد"

یعنی پندرھویں سال جلوس جہانگیر یہ نسخہ ملا محمد صالح سے جو ملا عبداللہ مشکیں قلم کا لڑکا تھا اور کاتب بھی تھا، ملا لقمان کی تحویل میں آ گیا۔

ح۔ بتاریخ ۲۱، ذی الٰہی سنہ دیدہ شد

یعنی مندرجہ تاریخ کو یہ نسخہ بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا

ط۔ ۳، آذر در سنہ لعدی عرض دیدہ شد

سوم آذر، بادشاہ شاہ عالم کے جلوس کی تاریخ ہے، یعنی ۱۱۸۰ھ کو یہ نسخہ بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا۔

ان تمام معلومات اور ضروری اندراج کے علاوہ جو دراصل اس مصوّر نسخہ کی تیاری پر خرچ ہوا وہ اس ترقیمہ کے نیچے حاشیہ کے باہر لکھا ہے جسے ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

اللہ اکبر

برآورد

رزم نامہ ۴۰۲۴ روپیہ

۱۔ خط عنایت اللہ	تصویرات۔
۶۵ ؟۔	۱۶۵ صفحہ
۳۲۵ روپیہ	۳۶۰۲ روپیہ
۲۔ کاغذ	جلد دارہ ودھالی
۱۴ دستہ	۳۲ روپیہ
۲۴ روپیہ	سونس
۳۔ لوح وجدول	نقرہ مزنگ
۲۷ روپیہ	۲۳ تولہ ۱۵ ماشہ
۴ پوست آہو	۱۴ روپیہ
۱۶۵ روپیہ	۰۰۰

عہدِ اکبر کے مشہور نستعلیق نویسوں کی ذاتی تصاویر

ہم یہاں اکبر کے عہد کے عظیم الشان چار اساتذہ مثلاً محمد حسین کشمیری زریں قلم، عبدالرحیم قدیم و عبدالرحیم الہروی اور عبداللہ مشکیں قلم کی اپنی چار صحیح ہم عصر تصاویر مع ان کے حالات و کارنامے مختصر طور پر پیش کر رہے ہیں، جن پر عہدِ مغلیہ میں فنِ خطاطی کا معیار اور عظمت سرپرستی کا انحصار تھا۔ اور اسی وقت سے یہاں پاک و ہند میں طرزِ نستعلیق نے استحکام بھی حاصل کیا۔ اور ان اساتذہ کو اپنے اعلیٰ فن کی وجہ سے شاہی قُرب بھی حاصل تھا اور ان تصاویر کو بھی دربارِ اکبری کے اعلیٰ مصوّروں نے بنایا ہے اور یہ ہر دو شعبے یعنی مصوّری اور کتابت دراصل ایک ہی محکمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مصوّرین نے ان خطاطوں کی تصاویر کو ان کی اپنی نشست کتابت پر کام کرتے مصوّر کیا ہے جو ایک طرح فنِ کتابت کی صحیح حقیقت اور اعلیٰ معیارِ فنِ مصوّری بھی واضح ہے۔ آج تک مشرق و مغرب میں یہ ایک واحد مثال ہے کہ اس طرح فن کاروں کو مصوّر کیا گیا ہے۔ مجھے کم سے کم اس طرح دوسرے ممالک کے فن کاروں کی آج سے صدیاں پہلے کی تصاویر نظر سے نہیں گذری ہیں۔

یہ چاروں تصاویر ماہرینِ خطِ نستعلیق بعہدِ اکبر کئی وجوہات سے بہت اہم ہیں کیونکہ اس قسم کی تصاویر کسی اور مُلک میں میسّر نہیں ہیں اور نہ اس طرح کسی تصویر کا ہمیں کوئی حوالہ ملا ہے اور ان ماہرینِ فن کا تعلق براہِ راست اپنے سرپرست یعنی بادشاہ سے تھا جو ایک بہت بڑی وجہ معیارِ فن کو بلند اور برقرار رکھنے کی بھی ہے یعنی ان فن کاروں کو ہر طرح اپنے آقا کی سرپرستی براہِ راست حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مغل دربار کے فنی کارنامے کئی لحاظ سے دوسرے ممالک کے کارناموں کو بھی مات کر گئے پھر ان کا مطالعہ بتاتا ہے کہ دائرۂ سلطنت کے بڑے بڑے مراکز یا شہروں سے یہ فنی تصویردار نمونے ہمیں میسّر ہیں یعنی تمام سلطنت میں ایک ہی یکساں اعلیٰ معیارِ فن قائم تھا یعنی فتح پور سیکری (آگرہ) لاہور، الٰہ آباد اور آگرہ جیسے مقامات سے یہ نمونے تعلق رکھتے ہیں اور ان فن کاروں کو تمام شاہانہ سہولتیں ان مقامات پر یعنی نشست (بیٹھک) فن کار کا ماحول و سامان کی موجودگی وغیرہ سب حاصل تھے، جن

سے معیارِ فن اور فن کے کارناموں پر براہِ راست رشتہ قائم تھا۔

محمد حسین کشمیری

ان میں سب سے اوّل تصویر ہم محمد حسین کشمیری کی پیش کرتے ہیں (شکل ۵) جو اصل نسخہ گلستانِ سعدی کے ترقیمہ سے لی گئی ہے اور اتفاق سے یہ نسخہ گلستانِ سعدی لندن میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ دراصل ۹۹۰ھ کا لکھا ہوا ہے جبکہ محمد حسین کشمیری اپنی کتابت نستعلیق کی وجہ سے خوب مشہور تھا اور بادشاہ اکبر کی ملازمت میں آچکا تھا۔ اس تصویر میں بذاتِ خود کاتب محمد حسین کشمیری بمقام فتحپور (سیکری) میں موجود ہے جہاں یہ مخطوطہ بھی لکھا گیا تھا اور اس تصویر میں محمد حسین کشمیری کے سامنے ایک نوجوان مصوّر "منوہر" نامی بھی بیٹھا تصویر بنا رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ پر لکھا ہے "عمل منوہر ولد لبساون" یعنے "منور مصوّر" اس وقت ایک نوجوان مصوّر تھا اور مشہور مصوّر "لبساون" کا لڑکا تھا جو "وسونتھ" مصوّر کے ہمراہ اکبر بادشاہ کی ملازمت میں تھا اور خود محمد حسین کے ہاتھ میں کاغذ ہے اس پر لکھا ہے "اللہ اکبر۔ صورت شبیہ حسین زرّین قلم" اگرچہ تعلیقہ یوں لکھا ہے:

"کتبہ العبد المذنب الفقیر محمد حسین الکشمیری
غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ فی شہور سنہ
تسعین و تسعمائۃ (۹۹۰ھ) بلدہ فتح پور۔"

اگرچہ اس ترقیمہ میں اس نے اپنا خطاب "زرّین قلم" نہیں لکھا۔ مگر اس کاغذ پر "زرّین قلم" لکھا ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ دنیا میں اسی خطاب سے مشہور تھا۔ بقول ابوالفضل اس جادو رقم نے بادشاہی سایۂ خلافت میں تربیت پائی تھی اور وہ خطاب زرّین قلم سے دنیا میں روشناس تھا وہ استاذ مولانا عبدالعزیز کا ایک شاگرد تھا ایک مدّت تک مداد اور دوائر مناسب کی مشق کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے ملا میر علی (الھروی) خطاط کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ توزک جہانگیری میں ایک جگہ جہانگیر نے لکھا ہے کہ محمد حسین کاتب کو ایک ہاتھی اور ایک ہزار روپیہ مرحمت کیے یعنی اس زمانہ میں اس کے

برابر ہندوستان میں کوئی اور ایسا عمدہ خطِ نستعلیق نہیں لکھتا تھا۔ اس کا انتقال ۱۰۲۰ھ میں ہُوا تھا۔[۱]

منوہر جو اس تصویر میں ایک نوجوان سال فن کار دکھایا گیا ہے وہ دراصل مشہور و معروف مصوّر "بساون" کا لڑکا تھا جو طراحی اور چہرہ کشائی میں ماہر تھا۔ اور منوہر خود جوان ہو کر مغل دربار سے منسلک رہا اور بہت مشہور مصوّر ہُوا اس کے کئی کارنامے بصورت تصاویر ملتے ہیں اور آج کئی عجائب گھروں اور مجامیع میں محفوظ ہیں جن پر وہ اپنے دستخط "منوہر بندہ" کے الفاظ سے کرتا تھا۔ جب جہانگیر اس کے کارناموں کا انتخاب کر لیتا تھا تو ان پر لفظ "پسند" لکھ دیا جاتا تھا اور تو زک جہانگیری میں ایک منوہر رائے کا ذکر ہے۔[۲] جسے ایک ہزاری ذات اور چھ سو سوار کا منصب عطا کیا گیا تھا۔

اس تصویر میں محمد حسین زرّین قلم گہرے فیروزی رنگ کی کشمیری شال اوڑھے، سر پر خاص طرز کا عمامہ باندھے بیٹھا کتابت میں مشغول ہے۔ ایک شاگرد اسے پیچھے جھلنی کر رہا ہے۔ محمد حسین کے مکان کا ماحول بھی بہت موزوں دکھایا گیا ہے۔ جس میں ایک گلدستہ اس کے سامنے آویزاں ہے اور ساتھ ہی میز پر پھول اور قہوہ کا انتظام موزوں ظروف سے عیاں ہے۔ زمین پر ترکمانی قالین بچھے ہیں اور اس کے لوازمات کتابت یعنی قلمدان۔ قلمتراش۔ دوات وغیرہ قرینہ سے دکھائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اس تصویر میں جہاں ترقیمہ گلستانِ سعدی ختم ہوتا ہے، وہاں کشمیر کی ڈھل جھیل کا نظارہ کا تصوّر قائم کرنے کی غرض سے پانی کے پرندے گلنگ۔ بگلے وغیرہ مصوّر کیے ہوئے دکھائے ہیں اور دیگر ماحول بھی اسی قسم کا ہے۔

اس کے باوجود تمام فضا کی موجودگی میں جو زور دار نستعلیق طرز میں کتابت پیش کی گئی ہے۔ سبحان اللہ وہ بذاتِ خود اس تصویر سے بھی عیاں ہے۔ اگرچہ یہ مخطوطہ گلستانِ سعدی فتح پور سیکری میں لکھا گیا جیسا کہ عبارت سے عیاں ہے مگر "محمد حسین زرین قلم کشمیری" کے گرد تصویر میں کشمیر کا تمام ماحول پیش کیا گیا ہے۔

---

(۱) آئینِ اکبری صد ۱۱۵ - ۱۱۷ و تذکرہ خوش نویساں مصنّفہ ہفت قلمی - صفحہ ۸۰-۸۹
تو زکِ جہانگیری صد ۷۷ و اقتباس "مراۃ العالم" اورینٹیل کالج میگزین، اگست ۱۹۳۶ء صد ۵۳۔

(۲) مصنّف کی کتاب "جہانگیر کا ذوقِ مصوّری" صد ۱۴ - ۱۵ - تو زکِ جہانگیری۔

آکسفورڈ باڈلین لائبریری میں ملّا جامی کا ایک مغل عہدِ اکبر کا مصوّر مخطوطہ "بہارستان" مصنفہ جامی ہے، جس کا ترقیمہ یہ ہے:(۱)

"احقر الکاتبین حسین زرین قلم بیست و سیم بہمن ماہ الٰہی سنہ سی و نہ بدار الخلافہ لاہور تحریر یافت ....."

تمک دہ پو باخامہ دریں طرحہ نامہ   کہ جامی . و کرد طبع آزمائی !
بوقتی شد آخر کہ تاریخ ہجرت   شود نہصد از ہشت بروی فزائی

یہ واضح ہے کہ اس مخطوطے کا کاتب محمد حسین کشمیری زرین قلم ہے۔ اور جلوس ۳۹ بھی صاف لکھا ہے جس سے ۱۰۰۳ھ اور اس کے مطابق عیسوی سال ۱۵۹۵ء آتے ہیں۔ اسی نسخہ بہارستان کے ترقیمہ مندرجہ میں جس میں رباعی بھی شامل ہے۔ کچھ تاریخوں میں وضاحت نہیں ہوئی۔ حالانکہ مولانا جامی کا انتقال ۸۹۶ھ میں ہوا ہے اور ۱۰۰۳ھ میں اکبر لاہور میں ہی تھا۔ یہ مصوّر نسخہ بہارستان بہت اہم ہے اور کتابت نستعلیق کا بہترین نمونہ ہے۔ محمد حسین زرّین قلم کی خطاطی کے بے شمار نمونے ملتے ہیں۔ البتہ اس کے لکھے ہوئے عمارتوں کے کتبات ذرا کم ملتے ہیں۔ جہانگیر نے اپنی تزک میں بیان کیا ہے کہ جب اس کا چہیتا منسراج ہرن لاہور کے قریب جہانگیر آباد میں جسے آج شیخوپورہ کہتے ہیں، مر گیا تو جہانگیر نے اس کی یاد میں اس کی قبر اور مینارہ تعمیر کیے۔ اس کی تعمیر کا کتبہ نثر میں محمد حسین زرّین قلم نے سنگ پر نقش کیا تھا۔ غرضیکہ محمد حسین کشمیری کو آج تک ہندوستان میں استادِ فن نستعلیق تسلیم کرتے ہیں۔ اکبر نے اسے زرّیں قلم کا خطاب دیا تھا مگر ابو الفضل ہمیشہ اسے "جادو رقم" لکھتا ہے۔

عرصہ ہوا مسٹر محمد اشرف اگزیکیٹو انجنیئر، حیدرآباد دکن سے ایک بیاضی خطاطی سے متعلق لکھا جس کا ترقیمہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

"فقیر شکستہ رقم باقوت زرّیں قلم غفر اللہ ذنوبہ فی سلخ شہر رمضان کثیر الفیضان سنہ سبع و سبعین و تسعمایتہ بدار الخلافتہ آگرہ۔"

---

(۱) باڈلین لائبریری۔ اوکسفورڈ۔ ایلیٹ ۲۵۴۔

یعنی اس بیاض کی تاریخ ترتیب ۱۰۰۰ھ میں آگرہ شہر میں ہوئی۔ اس کاتب شکستہ رقم یاقوت زریں قلم کی وفات ۱۰۱۲ھ میں ہوئی جو اکبر بادشاہ کا بھی سال وفات ہے۔ افسوس باوجود تلاش کے اس کی قلم کا لکھا ہوا اس کے علاوہ کوئی اور نمونہ نظر سے نہیں گزرا۔ بہرحال یہ ایک معما ہے۔ ہم کسی صورت سے اس بیاض کو جعلی بھی نہیں شمار کر سکتے۔ کیونکہ وہ تمام خوبیاں جو کسی مخطوطے کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہیں ان سب سے یہ متصف ہے تاہم ایک ہی وجہ سامنے آتی ہے کہ ممکن ہے اکبر کے عہد میں کوئی کاتب ہو، جس نے خود بخود قبل محمد حسین کشمیری اپنے لیے یہ لقب اختیار کر لیا ہو اور وہ برابر گمنامی میں کام کرتا رہا ہو۔

محمد حسین اکبر کے دربار میں کشمیر فتح ہونے سے قبل ہی آ گیا تھا۔ جیسا کہ متذکرہ بالا ترقیمہ نسخہ گلستان سے بھی واضح ہے کہ اس نے اسے سنہ ۹۹۰ھ میں فتح پور میں لکھا اور یہی سال اس کے اس خطاب سے سرفراز ہونے کا تصوّر کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اس نے خود ترقیمے میں تو نہیں لکھا البتہ جو وصلی اس کے ہاتھ میں ہے اس پر "زرّیں قلم" لکھا ہے۔ اور متذکرہ بالا "شکستہ رقم یاقوت زرّیں قلم" گمنامی میں رہا۔ ویسے زرّیں قلم کے لقب سے اور کاتب بھی ہوئے ہیں۔

ہم نے اوپر آئینِ اکبری مؤلفہ ابوالفضل کے حوالے سے کشمیر سے متعلق ایک کاتب علی چین کا ذکر کیا ہے[1] جس کا کوئی نمونہ میسّر نہیں آیا جسے ہم یہاں پیش کر سکیں۔ مگر آکسفورڈ باڈلین لائبریری اور دیگر مجموعوں میں کاتب "عبدالرحمٰن کشمیری مورخہ ۹۹۲ھ کاتب علی محمد کشمیری مورخہ ۹۹۵ھ اور محمد جعفر کے نمونے کتابت ملتے ہیں۔ ان میں سے علی محمد کشمیری دراصل محمد حسین کشمیری کا لڑکا تھا اور علی محمد کے لڑکے محمد جعفر نے اپنا نام یوں لکھا ہے:[2]

"کتبہ کمترین خانہ زاداں درگاہ آسمانجاہ محمد جعفر ابن محمد علی مرحوم انبیرۂ زرّیں قلم"۔

غلام محمد ہفت قلمی نے تذکرہ خوش نویساں میں محمد حسین زرّیں قلم کے ذکر میں آئینِ اکبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ عبدالعزیز کا تلمیذ تھا۔ اور شاگرد استاد سے بہتر لکھتا تھا۔ مگر عبدالعزیز کا تذکرہ بحیثیت کاتب عام طور پر نہیں ملتا۔ ڈاکٹر مہدی بیانی نے احوال خوشنویساں میں لکھا ہے کہ میں نے ایک نمونہ کتابت

---

(۱) آئینِ اکبری۔ ص ۱۱۵۔

(۲) تذکرہ ہفت قلمی: ص ۸۷

دیکھا ہے جس پر لکھا تھا "کتبہ الفقیر عبدالعزیز" جو اواخر قرن دہم سے متعلق تھا۔(۱) ممکن ہے یہ عبدالعزیز محمد حسین کشمیری کا استاد ہو۔ غرضیکہ یہ خاندان آخیر تک اسی فنِ کتابت سے منسلک رہا۔

عبدالرحیم (قدیم)

دوسری تصویر ہم خمسہ نظامی کے ترقیمہ (شکل ۵) کی پیش کرتے ہیں جس سے واضح ہے کہ عبدالرحیم کاتب نے اسے چالیسویں سال جلوس اکبری یعنی ۱۰۰۳ھ میں لکھا ہے۔ اس تصویر میں بذاتِ خود عبدالرحیم کاتب کو اس کا وہ کمرہ بھی پیش کیا ہے جس میں بیٹھ کر وہ لکھتا تھا۔ یعنی یہ تمام ماحول اس کاتب کے ذاتی وقار کو ظاہر کرتا ہے اور ہر طرف اطمینان اور سکون نظر آتا ہے جو ایک صاحبِ فن کے لیے لازمی ہے۔ تصویر میں کاتب بذاتِ خود ایک وجیہہ اور تجربہ کار شخص نظر آتا ہے۔ اس کے سر پر سفید عمامہ ہے۔ سامنے ایک اور شخص بیٹھا اس کاتب کی تصویر بنا رہا ہے جس کا نام "دولت مصوّر" لکھا ہے۔ ان ہر دو کے سامنے سامانِ کتابت اور مصوری پڑا ہے جس میں قلم دوات، رنگ و برش وغیرہ پڑے ہیں اور ایک خاص قسم کے اعلیٰ قالین پر یہ فن کار بیٹھے مشغولِ فن ہیں۔ یعنے عبدالرحیم کی پُشت کے قریب کمرہ کا دریچہ ہے یعنے ہوا اور روشنی برابر میسّر ہیں۔ اندرونِ مکان ازاں سے اوپر دیوار میں طاقچے بھی دکھائے ہیں جن میں صراحیاں اور دیگر ظروف بھی موجود ہیں۔ یعنے یہ تمام ایک اعلیٰ فن کار کا ماحول ہے۔ کتاب کا ترقیمہ اس طرح لکھا ہے:

"ابوالفتح جلال الدین بادشاہ غازی خلد اللہ ظلال سلطنتہ اقبال کلک ارادت
سلک بندہ قدیم فقیر الحقیر عبدالرحیم در بیست و چارم ماہ آذر سال چہلم الٰہی از جلوس
ابد پیوند شاہی امید کہ بر صفحہ کائنات تا نام و نشان قلم و رقم باشد میشود
سلطنت و اقبال بطغرائ عزّ آں الحضرت سربلندی باید بعزت پاکان پاک نہاد
تمت تمام۔"

مگر اس تصویر میں ترقیمہ مندرجہ بالا کے ہر دو دائیں اور بائیں ٹیڑھے خط اور اسی خط اور قلم میں لکھا ہے:

"باہتمام مرید در چار مرتبہ اخلاص یا برجا شریف صورت اتمام پذیرفت والسّلام۔"

---

(۱) مہدی بیانی ص ۴۰۲

مذکرہ بالا نسخہ خمسہ نظامی "شریف" کے اہتمام سے تیار ہوا جو دراصل خواجہ عبدالصمد "شیریں قلم" کا لڑکا ہے۔ جب خواجہ عبدالصمد "شیریں قلم" ایران سے ہمایوں کے ہمراہ ہندوستان یہ اپنے باپ کے ساتھ آیا تھا اور یہ لڑکا خواجہ محمد شریف باپ کی وجہ سے اکبر کے دربار سے منسلک ہوگیا اور مہتمم شاہی محکمہ کتابت اور تصویر ہوگیا تھا۔ اسی طرح ایک اور مصوّر نسخہ رزم نامہ (مہابھارت) بھی ملتا ہے جس پر یہی عبارت ہے مگر عیاں مندرجہ بالا ترقیمہ میں اس کے باپ کا "عبدالصمد" نہیں ہے جس طرح رزم نامہ کے ترقیمہ میں ہے۔ یہ خواجہ شریف بادشاہ جہانگیر کے عہد میں "امیرالامرا" کے خطاب سے سرفراز ہوگیا تھا اور جہانگیر کے خاص درباریوں سے تھا۔ ہم نے اسے یہاں بھی بیان کیا ہے۔

خواجہ شریف دراصل بادشاہ اکبر کے خاص درباریوں میں سے تھا جو اکبر کے ایجاد کردہ "دینِ الٰہی" کے چاروں مرتبے رکھتا تھا جسے شیخ ابوالفضل نے آداب المریدین میں شیخ شریف الدین کی کتاب "آداب المریدین" کے مطابق (۱) جان (۲) مال (۳) ناموس (۴) دین کے مطابق بیان کیا ہے بلکہ بدایونی نے بھی اپنی کتاب "منتخب التواریخ" میں اسے بیان کیا ہے۔ اسی وجہ سے ترقیمہ میں شریف کے نام کے ساتھ "مرید درچار مرتبہ اخلاص" لکھا ہے۔

عبدالرحیم الہروی

یہاں شائع کردہ تیسری تصویر "انوارسہیلی (۵۸) کے مصوّر نسخہ کے ترقیمہ سے ہے، جس سے واضح ہے کہ یہ تصویر "عبدالرحیم الہروی" کی ہے۔ اس نسخہ کو اس نے لاہور میں ۱۰۰۵ھ میں لکھا ہے جسے ہم یوں پیش کرتے ہیں:

"تمت علی ید العبد المذنب عبدالرحیم الہروی

ستر اللہ عیوبہ و تستر ذنوبہ

مرقوم گشت ۱۰۰۵ھ تم

اور اس کاتب کے سامنے بھی ایک الگ شخص بیٹھا ہے جو غالباً وصلی بنانے میں ہمہ تن مصروف ہے

لاہور میں اس عبدالرحیم الھروی کا ماحول یعنی تمام گھر وغیرہ ایک اعلیٰ آراستہ بیٹھک ہے۔ دیوار میں ازارہ کے اوپر طاقوں میں صراحیاں و پیالہ و کتاب وغیرہ پڑی ہیں اور اتفاق سے کاتب بذات خود عینک لگا کر لکھ رہا ہے اور ایک دریچہ کے ساتھ بیٹھا ہے تاکہ ہوا اور روشنی کمرہ میں برابر آتی رہیں۔ ان سب کے علاوہ کاتب عبدالرحیم الھروی بذات خود کمرہ میں ایک پٹکا باندھے بیٹھا کتابت کر رہا ہے۔

اس عبدالرحیم الھروی کا تذکرہ ماثر رحیمی میں نہوندی نے کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوّل ابتدا میں عبدالرحیم خانِ خاناں کی ملازمت میں تھا اور کاتب مشہور ضرور تھا اور اس کے بعد وہ اکبر بادشاہ کی ملازمت میں آگیا تھا اور اکبر کی وفات کے بعد وہ جہانگیر کے عہد سے منسلک ہوا اور جہانگیر نے اسے ۱۰۲۵ھ میں "عنبرین قلم" کا خطاب دیا تھا جس کے بعد وہ ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ بجائے "الھروی" کے "عنبرین قلم" لکھتا رہا۔ اور میں نے اس طرح کے اس کے بے شمار نمونے مختلف مجامیع میں ایران و امریکہ اور انگلینڈ میں دیکھے ہیں۔ چنانچہ میں نے پونہ (انڈیا) میں ۹ اکتوبر ۱۹۴۷ھ کو مسٹر اردشیر کے مجموعہ میں دیکھے۔ ان میں سے "مرقع جہانگیر" سے یہاں مندرجہ ذیل ایک نمونہ پیش کرتا ہوں:-

تا دل شدہ مبتلای آں نوش بسم — نی روز قرار ست زمانی نہ شبم

شب تا سحر از فراق خوں می گریم — روزی صد بار مرگ خود طلبم

ترقیمہ مندرجہ بالا سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس مخطوطہ کو ایک قدیم کاتب عبدالرحیم نے ماہ آذر کی ۴ تاریخ کو چالیسویں سال جلوس یعنی ۱۰۰۳ھ کو اسے لکھا تھا اور یہ مخطوطہ دراصل "شریف" کے اہتمام سے پایۂ تکمیل کو پہنچا جو چاروں مرتبوں میں مرید اخلاص ہے۔

ان متذکرہ بالا ہر دو اقتباسات بہت اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ اوّل میں کاتب عبدالرحیم جس نے اس مخطوطہ کو ۴۳ سال جلوس اکبر میں لکھا ہے، اس نے اپنے آپ کو "بندۂ قدیم فقیر الحقیر عبدالرحیم" لکھا ہے۔ تو آئینِ اکبری میں اکبر کے عہد کے کاتبوں کی فہرست میں ایک "مولانا عبدالرحیم" کا ذکر کیا گیا ہے، جو میرے نزدیک اسی کاتب "عبدالرحیم" کی طرف اشارہ ہے۔

مَیں نے ۱۹۴۳ء میں دورانِ قیام پونہ دکن کالج میں ایک مرتبہ وہاں کے مرہٹہ تاریخ کے ادارہ سمشوڈک منڈل میں مندرجہ ذیل ایک تحریر ایک قدیم کاغذ پر اعلیٰ نستعلیق طرز میں لکھی ہوئی مطالعہ کی تھی:

تفرع کنا نزا بدعت مجیب　　　　فرد ماند کارا برحمت قریب

عرضہ داشت

کمترین غلاماں عبدالرحیم روشن قلم

سجدہ بندگی بجا اوردہ بہ زروہ عرض بار ناقبکاں پا بہ سر بر خلافت نصیر بر سانہ قبلہ بندگان مستدام باد

پس پردہ بنید　　　　سم او پردہ بوشد بالای خود

عالمیاں سلامت از　　ای درگاہ عالم پناہ محزون　　الم چوں مونت واسباب

سفر ندارد و دوسواری اسپ عاجز پست چتواند کرد لکر شمسہ از لطف دستگیری کند عالم پناہ سلامت - ایں بر غلام را فرد رشد کرشمہ از احوال خود بدرگاہ عرضہ داشت نماید چوں ایں غلام سن شدہ قوت و توانا ی قدیم در بارہ خود کم می بنید اندگی از کتابت مقرر تصدق حضرت، اگر تخفیف شود موجب اسودگی فقیر خواہد بود حضرت این را تحقیق فرماتبہ کہ مقرمی کتابت محمد حسین و عبداللہ چہ بودہ

نامعلوم عالم پناہ شود کم نقیر را　　　بود عرض کردن پایہ دولت ابد پیوند بادشاہی ہر خرق۔

اس عرضداشت سے اگرچہ اس پر تاریخ درج نہیں مگر یہ واضح ہے کہ "عبدالرحیم روشن قلم" اپنے آقا اکبر بادشاہ کی خدمت میں درخواست کر رہا ہے کہ مَیں اب معمر ہو چکا ہوں مجھے خدمت سے سبکدوش کر دیا جائے اور میری بجائے کتابت کے لیے محمد حسین اور عبداللہ کافی ہیں جو دربارِ شاہی سے منسلک ہیں۔ میں اس تحریر سے عبدالرحیم روشن قلم کاتب کو بھی اسی عہدِ اکبر سے تصور کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس کاتب عبدالرحیم روشن قلم کا کہیں تذکرہ نہیں ملا اور یہ شخص بجائے خود دو دیگر کاتب محمد حسین اور عبداللہ کے

اسماء تجویز کر رہا ہے جو میرے نزدیک یہ ہر دو "محمد حسین زریں قلم" اور "میر عبداللہ مشکیں قلم" سے مُراد ہیں جو عہدِ اکبر سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کا میں یہاں ذکر کر رہا ہوں۔ ویسے یہ بھی واضح ہے کہ "عبدالرحیم" نے متذکرہ بالا رقیمہ "خمسہ نظامی" میں اپنا لقب "روشن قلم" نہیں لکھا اور نہ "محمد حسین زریں قلم" نے متذکرہ بالا رقیمہ "گلستانِ سعدی" میں لکھا ہے۔ اگرچہ وہ الگ کاغذ پر لکھا ہے جو محمد حسین کے ہاتھ میں ہے اس نے خود اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اسی طرح متذکرہ بالا عرضداشت میں عبدالرحیم نے اپنے آپ کو "روشن قلم" لکھا ہے۔ میرے نزدیک یہ اس وجہ سے ہے کہ دوسرے اسی طرح "عبدالرحیم" نام کے دیگر کاتبوں سے تمیز ہو سکے۔

کتبہٗ المذنب الفقیر عبدالرحیم عنبریں قلم جہانگیر شاہی فی شہور سنہ ۱۰۲۷ھ

اتفاق سے مآثرِ رحیمی میں عبدالرحیم کاتب سے متعلق مندرجہ ذیل بیان ملتا ہے اور یہ کتاب ۱۰۲۵ھ میں بعہد جہانگیر محمد عبدالباقی نہاوندی نے مدون کی اور اس ضروری کتاب کو کلکتہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے ۱۹۱۰ء میں طبع کیا ہے:

"ملا عبدالرحیم عنبریں قلم ہروی از خوش نویسان روزگار است و نسخ و تعلیق را بغایت نیکوی نویسد و در اوائل سن کہ از خراسان بہ ہندوستان شناخت بدربار ایں سپہ سالار آمد، ہمین شاگردی و تربیت ایں سپہ سالار ترقی تمام خطش پدید آید آوازۂ خوش نویس او ہندوستان را گرفت و اکثر کتب ایں سرکار بخطِ آن نادرہ زمان است مدتہا ملازم چاکر ایشان بود و درایں کتابخانہ تربیت می کردند کسب آداب می کرد تا آنکہ سپہ سالار اورا بنظر خلیفہ الٰہی بردہ در سلک ملازمان بادشاہی آورد الحال در ہندوستان بعد از ملا محمد حسین کشمیری ہنر ازوی نسبت رعایتہائی کلی و انعامہائی نمایاں در ایام ملازمت یافت و الحال بدعاگوی مشغول است"

یعنی عبدالرحیم ابتدائی عمر میں ہرات سے ہندوستان آیا اور آتے ہی وہ عبدالرحیم خان خاناں کی ملازمت میں شامل ہو گیا اور وہیں تربیت پائی اور مشہور خطاط ہُوا۔ خان خاناں کی لائبریری میں اس کی لکھی ہوئی بہت سی کتابیں

موجود تھیں۔ عبدالرحیم خان خاناں نے خود اسے بادشاہ اکبر کی خدمت میں پیش کیا تو شاہی ملازمت میں آگیا۔
ملا محمد حسین کشمیری زریں قلم کے بعد بہترین خط یہی لکھتا تھا۔
عبدالرحیم کے متعلق ذیل میں مزید بیان کیا گیا ہے۔

میر عبداللہ مشکین قلم

چوتھی تصویر ہم یہاں "میر عبداللہ مشکین قلم" کی پیش کر رہے ہیں (شکل ۵۹) جو دراصل اخیر صفحہ دیوان امیر حسن سجزی دھلوی کا ترقیمہ ہے جسے اس نے ۱۰۱۱ھ میں بمقام الہ آباد میں لکھا ہے اور ترقیمہ یہ ہے:

"کتبہٗ المذنب الفقیر عبداللہ مشکین قلم یغفر اللہ ذنوبہٗ وستر اللہ عیوبہٗ ۱۰۱۱ھ"

اور وصلی جو کاتب کے اپنے ہاتھ میں ہے اس پر صاف لکھا ہے:

"یا مالک الملک : شبیہ میر عبداللہ۔ کاتب در بلدہ الہ آباد تمام یافت
فی التاریخ ۲۷۔ محرم الحرام ۱۰۱۱ھ"

میں نے یہ تصویر امریکہ کی مشہور ریاست میری لینڈ کے مقام بالٹی مور کی والٹر آرٹ گیلری کی مہتممہ مادام مائنر کی اعانت سے حاصل کی تھی اور میں نے گیلری میں وہاں اپنے قیام کے دوران اس کے اصل مخطوطہ دیوان امیر حسن سجزی اور تصویر کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ اس تصویر میں کاتب اسی طرح اپنے اعلیٰ لباس میں قالین پر بیٹھا کتابت میں مشغول دکھایا ہے اور تمام سامان جو ایک فن کار کے گرد ہونا چاہیے موجود ہے اور کاتب کے سامنے ایک شاگرد الگ وصلی بنانے میں مصروف ہے۔ کاتب کے اردگرد روح افزا احول گنگا جمنا دریا کا ہے۔ جن کے کنارے الہ آباد واقع ہے اور یہی ماحول قریب قریب متذکرہ بالا عبدالرحیم ہروی کی تصویر میں ہے یعنی ہر حال میں کاتب کے نزدیک، اس کا قلمدان، قلم تراش و دیگر مختلف اقسام اور درجوں کی قلمیں بھی ہوں۔

میر عبداللہ مشکیں قلم کے دو صاحبزادے میر محمد صالح اور میر محمد مومن تھے جن کا ذکر شاہجہان کے عہد میں آگے آئے گا یعنی یہ ایک مستقل خاندان اعلیٰ کاتبوں کا تھا اور سب کے نزدیک میر عبداللہ مشکیں قلم کا بہترین شاہکار الہ آباد میں خسرو باغ میں روضہ والدہ خسرو کی قبر کے تعویذ کی لوح پر جو اعلیٰ نستعلیق طرز میں مندرجہ ذیل کتبہ

ہے وہ بہت ہی اعلیٰ نمونہ کتابت ہے اور سنگ مرمر پر کندہ ہے:

اللہ اکبر

چوں چرخ فلک گردش خود آشفت — در زیر زمین آئینہ نہفت

تاریخ وفات شاہ بیگم جستم — از غیب ملک بخلد بیگم گفت

لکاتبہ عبداللہ مشکین قلم جہانگیر شاہی

ایک اور مندرجہ ذیل کتیبہ گنبد کے اندر اصل تعویذ پر بھی اسی عبداللہ مشکین قلم کا لکھا ہُوا ہے:

جانبِ مغرب: سبحان اللہ زہے کمال عفت — کز حسن عمل چہ جنت آراست

جانب مشرق: بیگم کہ زعصمت رخ رحمت آراست — اقلیم عدم از نور عزت آراست

اس کتیبہ کے جنوب میں تعویذ پر صرف "یا فتّاح" لکھا ہے۔ تاریخی طور شہزادہ خسرو کی والدہ یعنی اوّل زوجہ جہانگیر بادشاہ ہے جس سے جہانگیر کی شادی خورد سالی میں ہو گئی تھی۔

عبداللہ مشکیں قلم کے متعلق عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ آپ شاہ نعمتؒ اللہ ولی کی اولاد سے اور باشندۂ ترمذ تھے۔ اکبر بادشاہ نے آپ کو "مشکین قلم" کا خطاب عنایت کیا تھا۔ خط میں آپ شاہ غیاث اور مولانا راقمی کے تلمیذ تھے اور خط کی ہفت طرزوں میں خوب لکھتے تھے۔ اور "مسلکِ احدیان" میں شامل تھے اپنی والدہ کی طرف سے مرزا نظام الدین احمد سے تعلق رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا خوب اعلیٰ ذوق تھا اور وصفی تخلّص کرتے تھے آپ نے پنج کتابیں مثنوی اور دیوان بھی چھوڑے ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۰۲۵ھ میں بعہد جہانگیر ہوا۔

عبدالرحیم نام کے دیگر کاتب

میں اس سے قبل ایک عرضداشت از عبدالرحیم روشن قلم اُوپر کر چکا ہوں، چنانچہ عرض ہے کہ

مَیں نے ایک نہایت اعلیٰ مصوّر و مطلّا، نستعلیق طرز میں لکھا ہوا نسخہ "چہل مجلس" دہلی کے لال قلعہ کے عجائب گھر میں ۱۹۲۶ء میں دیکھا تھا جو تقسیم ہند کے بعد لال قلعہ سے دہلی کے نیشنل میوزیم میں منتقل کر دیا گیا۔ جسے مَیں نے پھر اتفاقاً ۹۔ اگست ۱۹۵۸ء کو پھر دیکھا جبکہ اس کا نمبر ۴۰، ۱۹۵ تھا۔ یہ

منتخب التواریخ ج ۲ صفحہ ۳۸۳ د تذکرہ خوشنویسان ہفت قلمی صفحہ ۱۰۱

واضح ہے کہ اس نسخہ "چہل مجلس" مصنفہ علاء الدولہ سمنانی کو دراصل "عبدالرحیم روشن قلم" نے سنہ ۱۰۲۰ھ میں آگرہ میں لکھا تھا۔ اس میں کئی تصاویر یہ عہد مغلیہ زمانہ اکبر کی معلوم ہوتی ہیں۔ اس پر ایک تحریر شاہجہان کی بھی ہے جب وہ تخت نشین (آگرہ ۱۰۳۷ھ) ہوا اور اسی طرح اس پہ اورنگ زیب عالم گیر کی تحریر بھی ہے جب وہ تخت نشین ہوا۔ اِن تحریروں سے واضح ہے کہ یہ نسخہ دراصل شاہی کتب خانہ میں تھا۔ اِس نسخہ کی زرفشانی کے بعد ایک نام "العبد محمد مغیث زمرد" بھی لکھا ہے۔ سب کے نزدیک یہ عبدالرحیم روشن قلم کا ہی ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر مصور مخطوطہ "خمسہ نظامی" کے ضمن میں کیا ہے جس میں اِس کو "روشن قلم" نہیں لکھا۔ یعنی وہ اعلےٰ کاتب اس لقب "روشن قلم" سے بعد میں بھی رہا مگر اس کا تعلق کسی دربار سے نہیں تھا۔

برٹش میوزیم لنڈن میں ایک مخطوطہ مولانا جامی کی "ہفت رنگ"[1] کا ہے۔ اسے راقم نے خوب دیکھا ہے جسے نہایت "باریک چارخانہ کتابت" میں کاتب "عبدالرحیم ابن محمود عفی عنہما (درتاریخ غرہ شہر ربیع الاوّل سنہ ۹۰۱ھ)" نے لکھا ہے۔ اسی طرح ایک عبدالرحیم امینی کاتب کا ذکر ملتا ہے جو عبدالکریم کا بھائی تھا۔ یہ ہر دو[2] بھائی خط نستعلیق لکھتے تھے اور "امینی" کہلاتے تھے بلکہ ڈاکٹر مہدی بیانی نے بھی اس امینی خوارزمی کا ذکر اس طرح کیا کہ وہ مصاحب سلطان یعقوب "آف قونیلو" تھے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

ہفت قلمی نے تذکرہ خوش نویسان میں ایک عبدالرحیم از تلامذہ آقا عبدالرشید لکھا ہے اور متاخر زمانہ کے بعض دیگر کاتب اس نام کے ڈاکٹر مہدی بیانی نے بیان کیے ہیں۔

مجھے اتفاق سے ۳- نومبر ۱۹۵۸ء کو ایک نایاب مخطوطہ "دیوانِ فیضی" جے پور (انڈیا) میں جناب احترام الدین کے کُتب خانہ میں دیکھنے کا اتفاق ہُوا۔ فیضی کا علمی مرتبہ بعہدِ اکبر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے جبکہ بادشاہ اکبر اس کا اسی وجہ سے بہت احترام کرتا تھا اور شیخ ابوالفضل کا بڑا بھائی بھی تھا۔ اور اس کا انتقال بھی لاہور میں ۱۰- صفر سنہ ۱۰۰۴ھ کو ہُوا تھا اور اتفاق سے اکبر بادشاہ بھی اِس زمانہ میں لاہور میں موجود تھا۔ اس نے بھی اس کی وفات سے قبل عیادت کی تھی۔ اگرچہ ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کی تاریخ وفات ذاتی عناد

ا۔ برٹش میوزیم G- 2935 لنڈن

کی وجہ سے کچھ خلافِ توقع ہی کی ہے مگر اس کے اعلیٰ شاعر ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ اس کی تاریخ وفات الفاظ "فیاضِ عجم" سے بھی بیان کی جاتی ہے۔ اس نے کئی تصانیف چھوڑی ہیں مگر اتفاق سے اس کے دیوان کے مخطوطے کئی مجامع میں موجود ہیں اور اتفاق سے یہ نسخہ عہدِ اکبر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے ترقیمہ مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے فیضی کے نجی کاتب، جس کا نام سندر تھا، نے ۱۰۱۴ھ میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا اگرچہ اسے اس نے فیضی کی وفات کے فوراً بعد شروع کر دیا تھا جیسا کہ صفحۂ اوّل کی تحریروں سے بھی واضح ہے۔ ان میں سے ایک تحریر ماہ رمضان ۱۰۰۶ھ کی ہے یعنی دیوان کے اختتام سے آٹھ سال قبل۔

بہر حال ہم یہاں ترقیمہ اور دیگر تحریریں درج کرتے ہیں:

"بخط فقیر سندر: کاتبہ حضرت فیاضی ۱۰۱۴ھ دار الخلافہ آگرہ"

صفحہ اوّل کی تحریریں وغیرہ یہ ہیں:

ا۔ از کتابخانہ خاص الخاص اکبر بادشاہ دار الخلافہ اکبر آباد ۱۴ رمضان ۱۰۰۶ھ

ب۔ ایک مُہر ہیں:

"خاکِ رہِ اہلِ حق عبد الرحیم"

ج۔ بتحویل "محمد" خاص شیخ فیاض فیضی برادرہمیں شیخ ابوالفضل نور اللہ تربتہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

د۔ بعد ملاحظہ بہ تحویل محمد عابد شدہ ۲۸ شہر ربیع الآخر ۱۰۱۴ھ

ہ۔ عارف اللہ مرید بادشاہ شاہجہان ۱۰۴۵ھ

و۔ عرض دیدہ شدہ ۱۵ شہر شعبان ۱۰۶۴ھ

ز۔ عرض دیدہ شدہ شہر رجب ۱۰۶۹ھ

مَیں نے اس نسخہ سے تمام متذکرہ تحریریں مشکل سے پڑھ کر درج کر دی ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ فیضی کی ذاتی ملازمت میں ایک ہندو "سندر" نامی کاتب تھا جس نے اس کی وفات کے فوراً بعد ۱۰۰۶ھ میں دیوان کو مرتب کرنا شروع کیا اور ۱۰۱۴ھ میں مکمل کر دیا۔ پھر یہ سرکاری طور پر مہتمم کتاب خانہ "عبد الرحیم" کی تحویل میں آیا تھا۔

اس کے بعد یہ شاہی کتب خانہ میں منتقل ہو گیا۔ جیسا کہ متذکرہ بالا تحریروں سے بھی عیاں ہے۔ افسوس میں اس صفحہ کا عکس یہاں پیش نہیں کر رہا۔

اسی کتاب خانہ احترام الدین جے پور میں ایک اور مخطوطہ "تاریخ محمود شاہی" کا ہے جس کے آخیر صفحہ پر کتابخانہ میں داخل ہونے کی تاریخ وغیرہ کو یوں لکھا ہے، جو ۹۹۷ھ کو ہوئی۔

"چہار دھم شہر رمضان المبارک سنہ سبع و تسعین و تسع مائۃ سجل شدہ
داخل کتاب خانہ شد عمل حبیب احمد۔
ملاحظہ کردہ شد عبدالرحیم۔"

یعنی یہ کتاب بصورتِ مخطوطہ ۹۹۷ھ میں کتاب خانہ میں داخل ہوئی جس کا مہتمم اعلیٰ "عبدالرحیم" تھا ممکن ہے یہ "عبدالرحیم، خان خاناں" کی طرف اشارہ ہو کیونکہ گجرات کی فتح (۹۹۴ھ) عبدالرحیم خانخاناں کی کوششوں کا نتیجہ تھی مگر یہ تمام مخطوطہ خطِ خفی، کسی قدر نستعلیق طرز میں لکھا ہے اور "عبدالرحیم" کا نام اعلیٰ طرز نستعلیق میں لکھا ہے۔ نیز عبدالرحیم خان خاناں نے ہمیشہ اپنے نام کے ہمراہ اپنی ولدیت کو اس طرح لکھا ہے۔ "عبدالرحیم بن محمد بیرم"۔ چنانچہ یہ عبدالرحیم سرکاری کتاب خانہ ہی سے متعلق تھا، زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ آئینِ اکبری میں جہاں کاتبوں کا ذکر ہے وہاں "عبدالرحیم" کا ذکر ضرور ہے اور اسی طرح "مآثرِ رحیمی" کے مطالعہ سے واضح ہے کہ "خواجہ حسین ثنائی" نے اپنے دو قصیدے لکھوا کر خان خاناں کے کتاب خانہ میں پیش کیے تھے۔ ویسے ہم نے عبدالرحیم نام کے کاتبوں کا ذکر یہاں گزشتہ صفحات میں کیا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ایک نسخہ "نفحات الانس" مولینا جامی کا لاہور میں مولوی شمس الدین کی دکان میں دیکھا تھا جس کا ترقیمہ یہ ہے:

"کتبہ العبد الفقیر عبدالرحیم بن مولانا محمد بکری بتاریخ ہشتم شہر ربیع الاول ۱۰۳۰ھ"

اسی طرح میں نے اتفاق سے اوکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں ایک البم دیکھی تھی جس میں ایک قطعۂ خطاطی پر محض "از فقیر عبدالرحیم" لکھا تھا۔ ویسے اس البم کے قطعات کو "محمد شریف" کاتب نے ۱۰۳۹ھ میں لکھا ہے غرضیکہ عبدالرحیم نام کے بے شمار کاتب ملتے ہیں۔

عبدالرحیم کاتب سے متعلق متذکرہ بالا تمام تفصیلات کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عبدالرحیم بذاتِ خود

ایک متمیز شخص ضرور ہے جن سے وہ مشخص ہو جاتا ہے کیونکہ خمسہ نظامی کے متذکرہ بالا ترقیمہ میں عبدالرحیم نے اپنے آپ کو "قدیم فقیر الحقیر" لکھا ہے۔ اسی طرح ایک عبدالرحیم نے اوّل "الھروی" لکھا جس کے بعد اس نے "عنبرین قلم" کا خطاب ملنے کے بعد ہر دو "الھروی اور عنبرین قلم" اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں اور ان حالات میں مجھے "عبدالرحیم روشن قلم" کا کہیں متذکرہ بالا کے علاوہ اور حوالہ نہیں ملا۔ جسے مَیں نے قدیم عبدالرحیم تصور کیا ہے۔ دیگر اس نام کے ماہرین سے متعلق عرض ہے کہ وہ اعلیٰ کاتب ہونے کے علاوہ مہتمم کتاب خانہ بھی تھے۔ اسی طرح ہم یہاں ایک اور عبدالرحیم ناگوری بعہد اکبر کا ذکر کر رہے ہیں۔

ماہرین نستعلیق خطاط ایران و توران

بعض اعلیٰ فن کار ایران و توران سے یہاں کے حکمرانوں کی سرپرستی حاصل کرنے کے خیال سے اپنے ہمراہ علمی مخطوطے لائے اور ان کو یہاں کے درباروں میں پیش کیا ان میں زیادہ تر سعدی کی گلستان و بوستان کے نسخے ہیں چنانچہ اس قسم کا ایک مخطوطہ "بوستانِ" سعدی، نیشنل میوزیم نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۵۸ء میں دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کا ترقیمہ یہ ہے:

"تمت الکتاب بعون الملک الوھاب کتبہ شہسوار الکاتب مورخ ۵ ا ربیع الثانی ۹۰۸ھ عفر ذنوبہ"

جس کے ابتدائی ورق کے باہر لکھا ہے:

"برسم خزانہ سلطان الاعظم الاکمال ذوالاکرم مالک الرقاب والامم ابوالفتح عبدالقادر ناصر شاہ بن غیاث شاہ بن محمود شاہ الخلجی خلد ملکہ"

اور اس مخطوطہ کی بیالیس ایرانی یا وسط ایشیائی طرز مشرقی مصوری دبستان بہزاد کی تصاویر کو ایک غیر ہندی مصوّر، "حاجی محمود" نے اپنے ملک کے ماحول کے مطابق بنایا ہے جس کا نام تصاویر پر بلفظ "تصویر و تذہیب بعمل حاجی محمود" بھی لکھا ہے یعنی یہ نسخہ شیر شادیا آباد (مانڈو) میں بادشاہ ابوالفتح عبدالقادر ناصر شاہ کی کتاب سے متعلق ہے جیسا کہ متذکرہ بالا الفاظ سے واضح ہے سلطان ناصر شاہ ۲۴ ربیع الثانی ۹۰۶ھ کو تخت نشین ہوا تھا مگر اس مخطوطہ کی اہمیت ان تاریخی تحریروں سے زیادہ ہے جو بعد میں اس پر عہدِ اکبری میں لکھی گئی ہیں اور آئندہ

واضح ہے کہ یہ نسخہ دراصل سلطنت احمد نگر دکن میں بھی رہا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل تحریر سے واضح ہے:

"در ایام محاصرہ احمد نگر بی بی چاند بطرق پیش کش آوردہ تاریخ تحریر اواسط خور داد ماہ الٰہی ۴۵ و اواخر ذی قعدہ ۱۰۰۸ھ"

اسی طرح منجملہ اور تحریروں و مہروں کے شاہ جہان و اورنگ زیب کے عہد کی چار مہریں بھی ہیں اور اکثر دستخط بھی ان کے کتابداروں کے ہیں جن کے توسط سے یہ شاہی کتابخانہ میں محفوظ تھا یعنی یہ نسخہ گلستان جو دراصل شادیا آباد (مانڈو) کے سلاطین کے کتب خانہ میں کبھی تھا جیسا کہ مندرجہ بالا مصوّر نسخہ بوستان سلطان ابوالفتح عبدالقادر ناصر شاہ کے دربار میں کاتب شہسوار کا لکھا ہوا شہر مانڈو میں شاہی کتاب خانہ کی زینت ہوا۔ اس کے بعد احمد نگر اور مالوہ کے سلاطین کے درمیان چپقلش شروع ہوئی جو ایک الگ طویل داستان ہے تو یہ نسخہ وہاں سے احمد نگر چلا گیا اور جب اکبر کے زمانے میں شہزادہ دانیال کے زیر قیادت ایک مہم احمد نگر کے خلاف ارسال کی گئی اور چاند سلطانہ نے مغلوں کا مقابلہ کیا تھا تو یہ نسخہ اس وقت بھی باعث صلح وصفائی بنا تھا یعنی اس کے بعد یہ نسخہ مغلیہ کتابخانہ میں آکر محفوظ ہو گیا جیسا کہ متذکرہ بالا شواہد سے بھی واضح ہے۔

مَیں نے اس نسخے کا خود مشاہدہ اور مطالعہ کیا ہے۔ اس کی بعض تصاویر کا عکس بھی اپنی کتاب "مصوری بعہد سلطنت" میں دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ دراصل ہرات سے یہ نسخہ تیار کر کے اس کا کاتب یا مصوّر خود لے کر مالوہ میں حاضر ہوا اور سلطان کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ بدقسمتی سے کاتب شہسوار کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ البتہ یہ مصوّر نسخہ اپنی فنی خوبیوں کے اعتبار سے بے مثال ہے اور لکھنے والے کی عظمتِ فن کو ظاہر کرتا ہے۔

گلستان کا ایک نسخہ کتاب خانہ سعیدیہ، حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے جو متوسط سائز کے ۱۳۷۔ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا خط بہت اعلیٰ نستعلیق ہے:

"کاتب حسن الشریف بن حسین الشریف الحسینی المشہدی مورخ ۹۸۶ھ"

اس میں چھ تصاویر ہیں جو دلبستانِ شیراز سے متعلق ہیں۔ یہ ایک اعلیٰ مذہّب شدہ نسخہ ہے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ منقش اور زرفشاں کیا ہوا ہے۔

بوستان کا ایک نسخہ نہایت عمدہ جلی نستعلیق میں لکھا ہوا ریاست الور (انڈیا) میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ

بھی دسویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا کاتب "محمد بن اسحاق" ہے اور اس میں مغلیہ عہد یا اکبری عہد کی دس تصاویر بھی ہیں۔

گلستان کا ایک نسخہ بنارس یونیورسٹی کے کتاب خانہ میں بھی ہے۔ جو دسویں صدی ہجری کا معلوم ہوتا ہے اور اسے کاتب "محمد باقر" نے لکھا ہے۔ اس پر "شاہجہان بادشاہ" کی ایک مہر بھی ہے۔ اس کو نہایت عمدگی سے مذہّب و مطلا کیا گیا ہے اور بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں نے یہ نسخہ داراشکوہ کو خود ہدیہ کیا ہے اس میں عہد مغلیہ کی اعلےٰ تصاویر ہیں جس کے نقش و نگار زیادہ تر گل و بوٹے اور حیوانوں پر مشتمل ہیں۔

مجھے طہران میں کتابخانہ مجلسِ ایران میں ایک دیوان جامی دیکھنے کا اتفاق ہُوا جس کا ترقیمہ یہ تھا:

"تمت الکتاب بعون الملک الوهاب علی ید عبد الضعیف محمد حسین بن خواجه سیف الدین علی ستر عیوبه" بدار السلطنة سمرقند حمیت عن آفات و البلیات فی تاریخ شهر ذی الحجه سنه ۹۷۴"

ایک اور نسخہ "یوسف زلیخا" جس کا ترقیمہ یہ تھا:

"تمت الکتاب بعون الملک الوهّاب فی شهور سنه تسع و خمسین و تسعمائة کتبه العبد الداعی شاه محمود المشهدی"

ایک اور نسخہ خمسہ "تمرنامہ ہاتفی" دیکھا جس کا ترقیمہ یہ تھا:

"الٰہی چو این نقش فرخ نهاد   بآخر رسید اخرش خیر باد

تمت هذا الکتاب بتوفیق الملک الوهاب علی ید العبد الفقیر دوست محمد بن شاه یوسف الخفاجی سنه ۹۵۷ھ۔"

یہ نسخہ لمبے سائز کا ہے۔ کتابت بہت عمدہ، زیادہ قدیم معلوم ہوتی ہے اور خواجو کرمانی کے خمسہ کے ایک نسخے کا ترقیمہ یہ ہے:

"علی ید العبد علی بن لطف الله معاذ الحسینی السبزواری فی شهور سنه ۹۷۰ھ اللهم اغفره و والدیه"

ہنر و مردم شمارہ ہفتاد و چہارم و ہفتاد و پنجم

میر محمد باقر بن میر علی الکاتب

ہم نے اس سے پیشتر میر علی الکاتب کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا ہے اور آئینِ اکبری کے بیان کے مطابق اس کا لڑکا میر محمد باقر اکبر کے دربار سے منسلک تھا جس کی لکھی ہوئی کئی کتابیں وغیرہ اکثر لائبریریوں میں موجود ہیں جس پر صاف لکھا ہے: (شکل ۳۶)

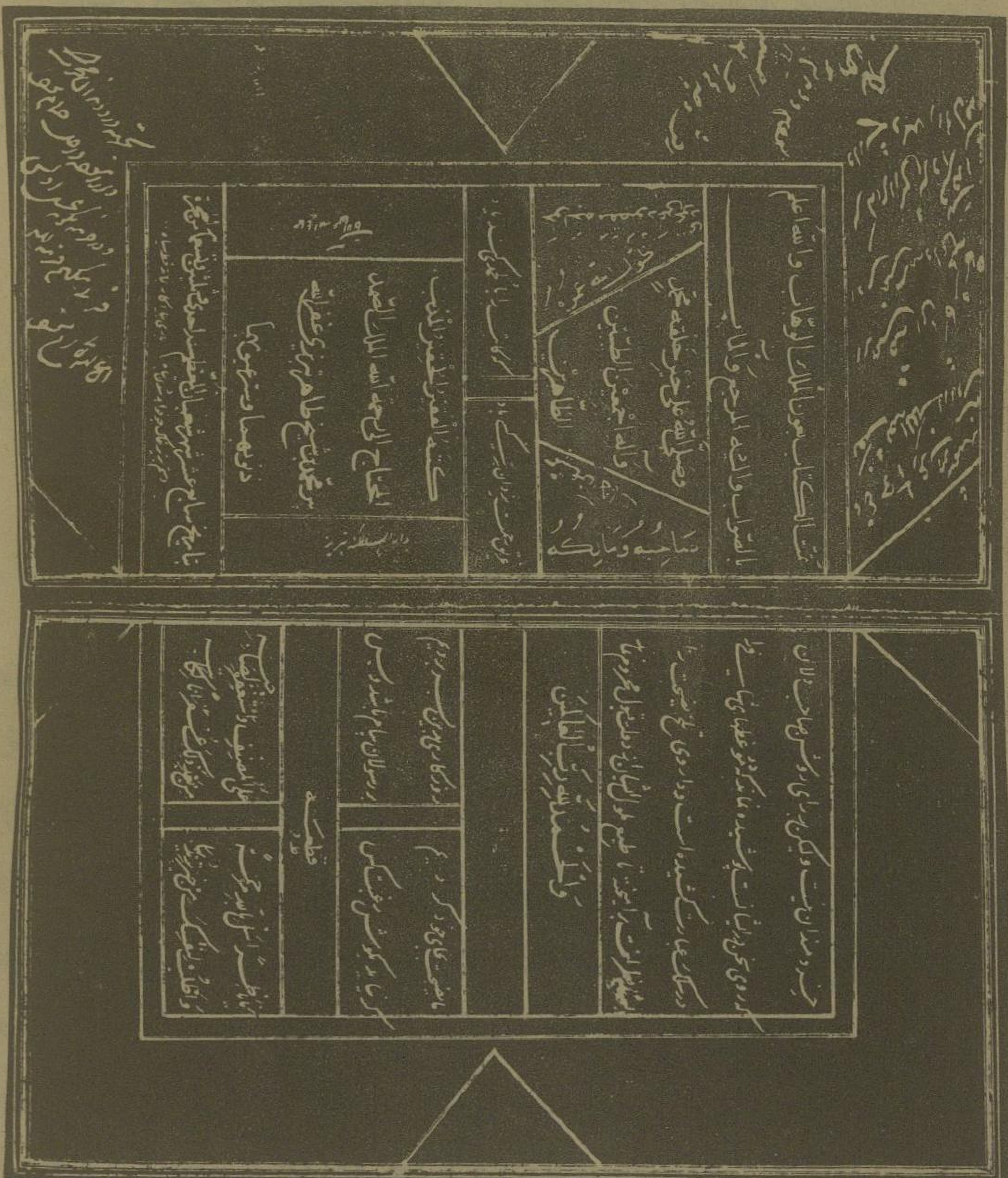
"الفقیر المذنب محمد باقر بن میر علی الکاتب عفر ذنوبہما وستر عیوبہما
فی سنہ ۹۶۱ھ"

اسی طرح میر علی نے کئی کتابیں لکھی ہیں جس کے آخیر میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے لڑکے محمد باقر کے لیے لکھی ہیں۔ (شکل ۳۸)۔

"تمت علی ید افقر الکاتبین علی الحسینی ستر اللہ عیوبہ فی شہور سنہ ثلث وثلثین وتسعمائۃ الھجریہ النبویہ بمدینۃ الھراۃ بہر فرزند محمد باقر طول اللہ عمرہٗ۔"

محمد باقر اکبر کے دربار سے منسلک رہا۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں مرزا کو کلتاش کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت عرش آشیانی یعنی اکبر بادشاہ مرزا کو کلتاش کو بہت عزیز رکھتے تھے اور فرزندوں کی طرح اس کے ناز اٹھاتے تھے۔ فنِ سیر اور علم و تاریخ میں مرزا کو کمال مہارت تھی۔ تحریر و تقریر میں بے بدل تھا۔ خطِ نستعلیق کے لکھنے میں اعلیٰ مہارت رکھتا تھا کیونکہ وہ مرزا باقر بن ملا میر علی کا شاگرد تھا۔ جو باتفاق استادی فن مدعانویسی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا بلکہ توزک سے ہمیں اس امر کی بھی شہادت ملتی ہے کہ عبدالرحیم خانخاناں نے ایک مرتبہ ایک قلمی نسخہ "یوسف زلیخا" جسے میر علی الکاتب ہروی نے سنہ ۹۳۰ھ میں ہرات میں لکھا تھا۔ ۲ محرم روز دوشنبہ ۱۰۱۹ھ میں جہانگیر کی خدمت میں دارالخلافہ آگرہ میں پیش کرنے کے لیے ارسال کیا تھا۔ اس نسخے کی قیمت ہزار مہر تھی جس کو جہانگیر نے خود بھی توزک میں پانچویں سال جلوس کے واقعات میں یوں لکھا ہے:

"در روز دوشنبہ دوم محرم سنہ ہزار و نوزدہ دارالخلافت اکبر آباد بسایہ چتر آسمان پایہ آرائش پذیرفت۔ و دریں روز یوسف زلیخای بخط ملا میر علی مصور و مذہب کہ ہزار مہر قیمت داشت۔ سپہ سالار



خرد مندان نیست ولیکن برای روشن صاحب دلان
که روی سخن در ایشانست پوشیده نماند که موعظهای شافی را
در سلک عبارت کشیده است و داروی تلخ نصیحت را
بشهد ظرافت برآمیخته تا طبع ملول ایشان از دولت قبول محروم نماند
والحمد لله رب العالمین

ما نصیحت بجای خود کردیم	روزگاری درین بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس	بر رسولان پیام باشد و بس

قطعه

یا ناظرا فیه سل بالله مرحمة	علی المصنف واستغفر لصاحبه
واطلب لنفسک من خیر تریدُ بها	من بعد ذلک غفرانا لکاتبه

تمت الکتاب بعون الملک الوهاب والله اعلم
بالصواب والیه المرجع والمآب
وصلی الله علی خیر خلقه محمد
وآله اجمعین الطیبین
الطاهرین

کتبه العبد الفقیر الحقیر المذنب
المحتاج الی رحمة الله الملک الصمد
میر محمد بن شیخ طاهر تبریزی غفر الله
ذنوبهما وستر عیوبهما
بتاریخ سابع عشر شهر شعبان المعظم سنه احدی وثلثین وتسعمائة هجریه

خانخانان بطریق پیش کش دو سال داشتہ بود معروض گردید"

حسنِ اتفاق سے یہ نسخہ "یوسف زلیخا" جسے میر علی نے لکھا ہے اور منقش جدولوں میں نستعلیق خفی طرز میں لکھا گیا ہے آج بھی کتاب خانہ خدا بخش یعنی اورنٹیل لائبریری پٹنہ (انڈیا) میں موجود ہے۔ راقم نے اسے خوب دیکھا ہے اور اس سے مغل بادشاہوں کی فن کی سرپرستی بھی عیاں ہے۔ اس کے علاوہ ویسے یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ "میر علی کاتب" کا باپ "ذوالکمال" پہلے ہی ہندوستان آگیا تھا اور یہیں اس کا انتقال ہُوا تھا اور وہ بھی کئی کتابوں کا مصنف و مؤلف تھا۔

کاتب پیر محمد

تاریخ کے مطالعہ اور تلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے دربار میں رزم نامہ (مہابھارت) کے علاوہ اور نسخے بھی مصوّر تیار ہوئے تھے۔ ایک نسخہ سرکاری طور پر شعبہ وراقت وصحافت میں تیار ہُوا جسے عنایت اللہ نے لکھا تھا جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ ایک مصوّر نسخہ تین جلدوں میں مَیں نے شملہ میں ۱۹۳۵ء میں ایک جوہری کے ہاں دیکھا تھا جس میں اسی طرح درباری مصوروں کی بنائی ہوئی تصاویر تھیں اور ان پر مصوروں کے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔ ان میں میر سید علی تبریزی کی تصاویر بھی تھیں۔ اس نسخہ کو کاتب ملا پیر محمد بن محمد حافظ کاتب نے اعلیٰ نستعلیق طرز میں ۱۰۱۴ھ میں لکھا تھا۔ کاتب پیر محمد کا ذکر آئینِ اکبری میں بھی ملتا ہے۔ اسی طرح ایک اور نسخہ تحفۃ الاحرار جامی بھی اسی کاتب نے ۱۵ رمضان المبارک ۹۷۳ھ میں لکھا ہے جو آج بھی لاہور میں شیرانی مجموعۂ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر مہدی بیانی نے ایک نسخہ خمسہ نظامی کا ذکر سپہ سالار کتابخانہ طہران کے ضمن میں ذکر کیا ہے جسے پیر محمد نے ۱۰۰۶ھ میں لکھا ہے۔

بعض نمونوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک کاتب پیر محمد بن عبدالرحیم عنبریں قلم بھی تھا جس نے ایک گلستان ۱۰۳۶ھ میں لکھی۔ یہ نسخہ کابل کے سرکاری کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔

مجھے اتفاق سے ۱۹۵۷ء میں امریکہ میں ییل یونیورسٹی میں چند مخطوطات دیکھنے کا اتفاق ہُوا ان میں سے ایک نسخہ گلستان کے ہر دو آخیر صفحات کے عکس کو مَیں یہاں پیش کر رہا ہوں۔ جسے کاتب پیر محمد بن شیخ طاہر تبریزی نے ۱۷ شعبان ۹۳ھ کو خواجہ مقصود علی بجودی کے لیے لکھا ہے۔ کاتب پیر محمد ہر دو نستعلیق و فارسی اور نسخ (عربی) لکھنے میں ماہر تھا۔

ملّا موزون

ملّا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ "منتخب التواریخ" میں شعراء کے زمرہ میں ایک شاعر "موزون" مع اس کے والد شیخ پیر آگرہ کے باشندہ کا ذکر کیا ہے جو ہفت قلم میں خوب لکھتے تھے۔ ملّا بدایونی نے ان کو پشاور میں "سلیم شاہ سوری" کے عہد میں لکھا تھا اور اس کا لڑکا جوان تھا جو معمار خط میں معتد و توف رکھتا تھا۔ شطرنج بھی کھیلتا تھا۔ اپنی کتاب میں بدایونی نے اس کے اشعار بھی دیے ہیں۔ مَیں نے ایک مخطوطہ اتفاق سے دیکھا تھا جس کے آخیر یوں لکھا تھا:

"تمت الکتاب بعون الملک الوھاب فی شھور سنہ خمس و ثمانین و تسعمائۃ
مشقہ العبد الفقیر موزون ستر عیوبہ و غفر ذنوبہ"

بہرحال اس نسخہ سے ملّا بدایونی کے بیان کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ وہ کاتب تھا۔[۱]

نستعلیق کتابہ نویس بعہد اکبر

سلطان محمد سمرقندی:

اب ہم ذیل میں ان چند کاتبوں کے کارناموں کا ذکر کرتے ہیں جن کا نام اگرچہ تاریخ میں نہیں ملتا مگر انہوں نے اہم کردار ادا کیا ہے اور ان کے کارنامے بہت مشہور مقامات پر آج بھی شاہی عمارتوں پر بصورتِ کتیبات زینت ہیں۔ مرحوم ڈاکٹر تاج محمد بلوچ پرنسپل گورنمنٹ کالج ملتان نے مجھے ملتان میں اپنے دفتر میں بسبیلِ تذکرہ فرمایا کہ رہتک شہر کے باہر ایک پرانی عمارت کی دیوار بصورت گھاٹ بنی ہوئی تھی جسے عام طور پر گنوکرن تالاب کہا جاتا تھا، اِس کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد سنگِ زرد کی تراشی ہوئی سِلوں سے بنی ہُوئی تھی اور اسی قسم کے تراشے ہوتے سنگِ زرد کی ایک باولی شہر کے مشرقی طرف قلعہ کہنہ کے پاس سول ہسپتال کے نواح میں تھی۔ ہم سیر کرتے ہوئے جب اس مسجد کے پاس پہنچے تو اس کی قدیم تعمیر سے متاثر ہو کر مجھے وہاں لگے ہوئے کتیبہ کے پڑھنے کا شوق ہُوا جو مسجد کی پیشانی پر نصب تھا اگرچہ وہ بہت اونچا تھا مگر اسے پانی وغیرہ سے صاف کیا گیا تو مندرجہ ذیل کتیبہ عہد اکبر نستعلیق طرز میں اشعار میں پڑھنے کا اتفاق ہُوا:

مست جان، درویش شہر مکرمت　　　گشتہ از جان بندہَ فرمانِ حق
کردہ از جان بقعہ خیر الامور　　　شد ازاں او قابل احسانِ حق

---

[۱] بدایونی ج ۲ صفحہ ۳۳۸ - ۳۳۹

سوی آن مسجد سرآن کس رفت شد　　عزق مسجد لطف بے پایان حق
زاہدی تاریخ این مسجد نوشت　　گفت بر گو معبد خاصان حق
۹۶۶ھ

قائلہ وکاتبہ سلطان محمد سمرقندی

اِس کتیبہ کی ہر سطر میں تین مصرعے اور حاشیہ پر چاروں طرف آیۃ الکرسی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے درمیان میں لکھا ہُوا تھا۔ "در دور محمد جلال الدین اکبر" اُبھرے ہوئے حروف میں اسے کندہ کیا گیا ہے۔

مَیں نے ۱۹۳۹ء میں ناگور کے کچھ کتیبہ جات کو گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمۂ آثارِ قدیمہ کے لیے مرتب کرکے دیا تھا جو قیامِ پاکستان کے بعد وہاں طبع ہوئے۔ اِن میں اتفاق سے تین کتیبات عہدِ اکبر سے متعلق تھے جو بہت ہی اعلیٰ خطِ نستعلیق میں رقم تھے۔ مَیں نے یہاں ناگور سے میر وردی کاتب الملک کا لکھا ہُوا ایک کتیبہ اوپر ہم نے ناگور سے پہلے بیان کیا ہے۔ بہر حال ان تین کتیبہ جات کی مختصر کیفیت یہاں درج کی ہے۔

درویش محمد الحاجی

جانب محراب سنگ مرمر کی سِل پر کندہ کیا ہوا نصب ہے اور یہ شاندار کتیبہ قریب پانچ فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا ہے جو نہایت اعلےٰ خوبصورت طریق سے نستعلیق طرز میں نظم میں کندہ ہے۔ اس کے اشعار ملاحظہ ہوں

در زمان ولی والیٔ عہد　　شاہ اکبر شہ بحق وصول
خان مقبول دل حسین قلی　　کہ بنا شد چو او بحسن قبول
مسجدے ہمچو کعبہ کرد بنا　　کہ بود قبلہ فروغ و اصول
منزل جملہ پاک دنیا نیست　　ہمہ پاکاں در کنند نزول
جست تاریخ او وصالی گفت　　بیت کل تقی حدیث رسول

(مشقہ العبد المذنب الراجی درویش محمد الحاجی المشتہر بالرمزی)

اس کتیبہ سے واضح ہے کہ اسے درویش محمد الحاجی کاتب نے جو "رمزی" نام سے مشہور ہے، لکھا ہے۔ (شکل ۶۶) کتیبہ کے اشعار کو کسی شاعر وصالی نے کہا جو خراسان کا باشندہ تھا۔ اس کا پُورا نام میر علاؤ الدین تھا۔ اس کا انتقال ۹۹۸ھ میں ہُوا تھا۔ جس مسجد کی تعمیر کا ذکر اس کتیبہ میں ملتا ہے اسے حسین قلی خاں نے ۹۷۲ھ میں اکبر بادشاہ

کے عہد میں تعمیر کیا تھا۔ طبقاتِ اکبری اور اکبر نامہ کے بیان کے مطابق حسین قلی خاں کو اکبر نے اُودے پُور اور کوسلمیر میں رانا کے ہاں ارسال کیا تھا اور جب وہ وہاں سے کامیاب واپس آیا تو ناگور میں اپنے بھائی اسمٰعیل خاں کے ہمراہ رہا مگر ۹۷۶ھ میں اسے محمد خاں کلاں کی بجائے والیٔ پنجاب مقرر کیا گیا۔ حسین قلی خاں نے اکبر کے ہمراہ رنتھمبور کے قلعے کی فتح میں اپنی بہادری اور جاں نثاری کا ثبوت دیا۔ اس وجہ سے اسے خان جہان کا خطاب دیا گیا۔ اسی طرح اس نے دوسرے موقعوں پر بھی بہادری اور وفاداری کا ثبوت دیا۔ بہرحال کتیبہ کے آخیر مصرع میں الفاظ "بیت کلِ تقی" سے ۹۷۲ھ سال بنا مسجد نکلتے ہیں اور اس قطعہ کو شاعر متخلص "وصالی" نے کہا ہے۔ یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ "وصالی" شاعر تھا۔ ویسے ہندوستان میں ایک قصیدہ بنام "مامقیمان" کو کسی شاعر وصالی نے لکھا تھا جو ہندوستان میں بہت مقبول ہوا۔

عبدالرحیم رحیمی ناگوری و جان محمد

علاقہ راجستھان کے قدیم قصبہ دیڈوانہ (ڈینڈوانہ) سے، جو ناگور سے کوئی زیادہ دور نہیں ہے، میں نے تکیہ مسجد پر عین قدیم بند مسجد کے عقب میں ایک محراب پر مندرجہ ذیل کتیبہ دیکھا جو بہت اعلیٰ خطِ نستعلیق میں کاتب اور شاعر عبدالرحیم ناگوری نے لکھا ہے:

در دور شاہ اکبر غازی لعون او — بنیاد بست مسجد نیکو بنا یکے
آن میر محسن کہ بانواع مکرمت — اراست معبد و عجائب صفا یکے
تاریخ سال مسجد اگر بشنو ز من — آمد ندا ز غیب کہ خوش جا یکے یکے

اس کتیبہ کو عبدالرحیم باشندۂ ناگور نے لکھا تھا جو اپنے تخلص "رحیمی" کی وجہ سے مشہور تھا اور یہ شخص بعہدِ اکبر غزنین سے یہاں آیا تھا جیسا کہ تذکرہ "روز روشن" میں لکھا ہے۔ میر محسن بانی مسجد اس عہد میں مشہور آدمی تھا جسے اکبر نے ۹۸۱ھ میں احمد نگر کی حکومت میں سفارت پر ارسال کیا تھا۔

یہیں موضع ڈینڈوانہ میں تکیہ مسجد کے قریب ایک ستون نما سا پیل پایہ کھڑا ہے جس سے واضح ہے کہ یہاں کوئی شاندار عمارت تھی جس کے دروازہ کا یہ حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اس پہ ایک بہت بڑا کتیبہ سنگِ مرمر پر قریب تین فٹ لمبا اور ڈیڑھ فٹ چوڑا نہایت اعلےٰ نستعلیق خط میں نظم میں، لگا ہے جسے نعمت اللہ شاعر نے

نظم کیا ہے اور کاتب جان محمد نے اسے لکھا ہے - اس کے دس اشعار ہیں - جس میں چند ضروری یہاں درج کیے جاتے ہیں :

سرور شاہاں جلال الدین محمد اکبر انکہ ۴ نہ فلک از آفتاب طالعش پرنور باد

حضرت قاضی عماد الملک آن دریائے جود ۵ نام ہا کشں درجہاں از مہر و مہ مشہور باد

ساخت این قلعہ مستحکم وحصن حصین ۶ چشم حاسد زین حصار چرخ آسا دور باد

نونہال سلطنت آں میرزا عبداللطیف ۷ دولت و اقبال و جاہ و حشمتش موفور باد

قائلہٗ نعمت اللہ و کاتبہٗ جان محمد

اس کتیبہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں ناگور میں ایک قلعہ "قاضی عماد الملک" نے سنہ ۱۰۰۱ھ میں زیر نگرانی مرزا عبداللطیف قزوینی تعمیر کیا تھا اور یہ شخص ایران سے آیا تھا - اسی علاقہ مقام ناگور میں ہمیں کاتب الملک دوری کے لکھے ہوئے متذکرہ بالا کتیبہ ہائے ملتے ہیں، یہ شخص بھی ایران آیا ہے

عہد اکبر کے چند گم نام کاتب

اکبر کے اکثر خطاطوں کا ذکر اس عہد کی تاریخوں میں ملتا ہے مگر ان کے خط کے نمونے میسر نہیں ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے طالعی یزدی خوش خط نستعلیق نویس صحافی، باشندہ آگرہ کا ذکر کیا ہے جو شاعر بھی تھا۔ مولانا علی احمد ولد مولینا حسین نقشی دھلوی مہر کن تھا۔ شاعری میں "نشانی" تخلص کرتا تھا مگر فن کے اعتبار سے نقش نگیں مشہور زمانہ تھا۔ تمام اقسام کے خطوط لکھنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ان کے والد حسین نقشی بھی خط لکھنے میں مشہور تھے۔ نقشی کا ایک عربی کتیبہ نسخ رسم الخط میں عام طور پر پیش کیا جاتا ہے جو آپ نے شیخ الاسلام عبدالنبی نعمانی کی مسجد کا لکھا تھا۔ اس کے آخیر میں آپ نے محض "کتبہ، نقشی" لکھا ہے۔ یہ مسجد دہلی میں "خیر البقاع" کے مطابق سنہ ۹۸۳ھ میں تیار ہوئی تھی۔ یہ اصل کتیبہ آج دہلی کے لال قلعہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ ملا بدایونی نے اپنی تاریخ میں مفصل حالات دیے ہیں۔

آئین اکبری کے مطابق نور اللہ اور میر حسین کلنگی بھی اکبر کے دربار میں نستعلیق لکھنے والوں میں ماہر تھے۔ تذکرہ نگار عام طور پر نور اللہ کو شیخ نور اللہ بیان کرتے ہیں اور ان کے نمونے بصورت وصلیاں بھی ملتے ہیں مگر

ان پر تاریخ یا کوئی اور اطلاع میسّر نہیں آئی۔ بہر حال یہ لکھّا ہے کہ شیخ نور اللہ شاگردانِ عبدالرحیم میں سے تھا اور ابتدا ہی میں اس بزرگ سے استفادہ کیا اور مشقِ خط میں کاتبان ہم سبق سے سبقت حاصل کرلی۔ مَیں نے اکثر نمونے آپ کے دستخط سے اعلےٰ نستعلیق میں دیکھے ہیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ آپ کے بعد دوسرے اور خطاط بھی جو لکھنؤ وغیرہ میں ہوئے ہیں اسی نام کے تھے مگر یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچا ہے کہ شیخ نور اللہ خوش نویسان ہندوستان میں سے یکتائے روزگار تھے اور عبدالرحیم فرمان نویس کے شاگرد تھے اور اسی طرح نظامی قزوینی جسے آئینِ اکبری میں بیان کیا گیا ہے کوئی نمونہ نہیں ملتا۔

سلطان ٹیپو کی لائبریری میں بے شمار علمی نوادر تھے جن کی فہرست مرتب ہو چکی ہے۔ اس ذخیرۂ کتب کو لنڈن میں لاکر محفوظ کر دیا گیا تھا۔ اس میں ایک گلستانِ سعدی کا نسخہ تھا جسے میاں محمد بن سید عبداللہ الحسینی الملتانی نے ۹۹۴ھ میں ٹھٹہ میں لکھّا تھا۔ سندھ کی تاریخ میں واقعات کے اعتبار سے ۹۹۴ھ کا سال بہت اہمیت رکھتا ہے اس کے فوراً بعد یہاں مغلوں کا مکمل قبضہ ہو گیا تھا

اسی عہد کے، نستعلیق خطاطی کے چند اور نمونے دکن کے اکثر حصّوں میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کلیانی کے قلعے میں جو نواب صاحب کا کتب خانہ ہے اُس میں (29B) ایک نمونہ ہے، جس پر لکھّا ہے "مشقہ سید علی بخاری" اور ایک اور نمونہ ہے، جس پر لکھّا ہے۔ "مشقہ العبد الغریب باقی محمد بن امیر محمد الحادی فی شہر شوال سنہ خمس وستین وتسعمائۃ۔

عجائب گھر بیجا پور میں مَیں نے چند قلمی نسخے دیکھے جن میں سے نسخہ "صفت ایمان" قابلِ دید ہے جسے محمد باقر بن محمد اسحاق ساکن اکبر آباد نے نستعلیق طرزِ خط میں لکھّا ہے اگرچہ اس پر تاریخ درج نہیں ہے مگر یہ قدیم نسخہ عہدِ اکبر کا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح نسخہ "مطلع الانوار" مصنّفہ امیر خسروؒ جو مطلّا و مذہب ہے ہر لحاظ سے قابلِ دید ہے اس کا ترقیمہ یہ ہے۔

" تم الکتاب الصواب الموسوم بشیرین خسرو فی رابع وعشرین فی شہر رجب المرجب ۹۹۹ھ علے ید العبد درویش علے الانصاری غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولمن قال آمین آمین آمین"

اسی طرح مَیں نے "ہمایوں نامہ" مصنفہ گلبدن بیگم کا ایک نسخہ میچیگن یونیورسٹی لائبریری (امریکہ) میں

مطالعہ کیا تھا، جسے درویش محمد اخلاقی نامی ایک کاتب نے سنہ ۹۸۵ھ میں لکھا تھا، مگر اس پہ کوئی اور وضاحت نہیں تھی۔ بوستانِ سعدی کا ایک اعلیٰ نسخہ نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے مجموعۂ کتب مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں موجود ہے جسے اسحاق خطاط نے لکھا ہے اور وہ اسی ابتدائی عہدِ مغلیہ کا لکھا ہوا ہے۔ غالباً متذکرہ بالا محمد باقر اسی اسحاق خطاط کا لڑکا تھا۔ اس طرح اور کاتب بھی منظرِ عام پر آسکتے ہیں۔

کشمیر میں خطِ نستعلیق

جغرافیائی اعتبار سے کشمیر کا علاقہ وسط ایشیا کا حصہ جہاں خطِ اسلامی نے ابتدا سے اپنا مستقل مقام پیدا کیا۔ اگرچہ کشمیر کی لسانی کیفیت کا صحیح جائزہ بھی عہدِ اسلامی کے انعقاد سے ہوتا ہے جبکہ کشمیر کی اپنی مقامی زبان بھی ایک الگ زبان ہے جس پر فارسی کا غلبہ ہے یعنی ابتدا سے ہی یہاں اسلامی رسم الخط کا رواج ہے جبکہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان زین العابدین متوفی [illegible] نے وسط ایشیا سے کئی ماہر خطاط کشمیر لاکر آباد کیے۔ اور بھوج پتر کی بجائے کاغذ کا استعمال شروع کیا جو وسط ایشیا سے لایا گیا تھا۔ مگر طرزِ نستعلیق کی ابتدا مغلوں کے غلبہ کے بعد ہوئی جس کے لیے بادشاہ بابر کا زمانہ تصوّر کرنا ہوگا۔ مرزا حیدر دوغلات، امیر کاشغر۔ کشمیر و بدخشان دراصل بابر کا عزیز تھا اور ہمایوں کا معاصر تھا یعنی کشمیر کے تعلقات وسط ایشیا سے تھے۔ جہاں تک طرزِ نستعلیق کا کشمیر میں اختیار کرنے کا تعلق ہے اسے عہدِ مغل شاہاں کا تصور کرنا ہوگا۔ جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ بے شمار وسط ایشیائی ہنرمند کشمیر میں آکر آباد ہو گئے چنانچہ کشمیر کی شال۔ لکڑی کا کام، حکاکی، کاغذ۔ مصوّری۔ موسیقی۔ خطاطی وغیرہ اپنی خاص نوعیت کی وجہ سے مشہور ہیں اور زائرین ہمیشہ کشمیر سے ان صنعتوں کے تحفے وہاں سے لاتے ہیں۔ حصوصاً خطاطی میں عام طور پر "کشمیر قلم" کہتے ہیں۔ یہاں خاص طرز کے قرآن کریم کے قلمی نسخے کشمیری کاغذ پر مطلّا و مذہّب زائرین و سیاحوں کے ہاتھ بیچے جاتے ہیں اور فوراً پہچانے جاتے ہیں۔

ہمارا موضوع نستعلیق طرزِ خط ہے جسکا استعمال کشمیر میں شاہانِ مغل کے زمانہ سے ہوا۔ اگرچہ سب سے پہلے اکبر بادشاہ نے کشمیر کو باقاعدہ ۱۶۔ ذی قعدہ سنہ ۹۹۴ھ کو فتح کیا تھا اور کشمیر شاہانِ مغل کی سلطنت کا حصہ اخیر تک

عجائب گھر رجسٹر نمبر ۴۶۴ و ۲۶۴

رہا مگر متذکرہ بالا مخطوطہ گلستانِ سعدی جسے محمد حسین کشمیری نے ۹۹۰ھ میں بعہدِ اکبر مقام فتح پور سیکری یعنی فتحِ کشمیر سے پہلے لکھا۔ یہ ماہرِ خطِ نستعلیق کشمیر سے آئے تھے اور مغل دربار یعنی اکبر کے دربار میں رسائی حاصل کر لی تھی۔ اکبر نے اسے زرین قلم کا خطاب دیا تھا۔ اس کے بعد بھی مزید کشمیری خطاط ماہرِ خطِ نستعلیق مغل دربار میں آتے رہے جنکا ذکر مِل سکتا ہے۔ یعنی یہ طرزِ خط پہلے ہی میرزا حیدر کے زمانے سے کشمیر میں موجود تھی۔

اِن شاہانِ مغلیہ نے بے شمار اعلیٰ عمارات کشمیر میں بنائی تھیں اور خاص کر عہدِ اکبر میں خواجہ حسین کابلی میر عمارت کی زیرِ قیادت کوہ ماراں پر تعمیر ہوئی تھیں۔ اسی طرح بعہدِ جہانگیر اور شاہ جہان بے شمار عمارات تیار ہوئیں جن پر نستعلیق طرزِ خط میں اعلیٰ کتیبات بھی لکھے گئے تھے جن کو کشمیری یا غیر کشمیری خطاطوں نے لکھا جن میں سے اکثر کے اسماء ہمیں آج نہیں ملتے۔

مجھے ۱۱ مئی ۱۹۶۸ء کو مظفر آباد (آزاد کشمیر) جانے کا اتفاق ہُوا۔ وہاں مَیں نے بعض قدیم عمارتیں بطورِ یادگار ملتف بھی دیکھیں مگر ان پر کتیبات وغیرہ نہیں تھے اور ایک صاحب جناب ایم عبدالرحیم افغانی نے کسی سرکاری دفتر میں محفوظ کیا ہُوا، کشمیر سے متعلق، عہدِ جہانگیر کا ایک کتیبہ دکھایا، جو معمولی نستعلیق میں تھا، اس کے بعد مرحوم افغانی صاحب نے مندرجہ ذیل مراسلہ مع تین کتبات بھی ارسال کیے جن کو یہاں درج کیا جاتا ہے:

"پیر علاؤالدین کے مزار سے راقم کو ایک بڑی وزنی پتھر کی سِل دستیاب ہوئی جس کے پانچ ٹکڑے ہیں جب جوڑے گئے تو درج ذیل اشعار پڑھے":

شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ — آں شہنشاہے کہ باشد رہنمائے خاص و عام

ملکہا گیرد چو اسکندر بروز رزم تیغ — گنجہا بخشد چو اسکندر بروز بزم بام

سرِیر از ہند در کشمیر چوں می شد بذوق — صد بہشت جاودانی دید در ہر نیم گام

نیرِ اکبر فروزاں گشت در برجِ شرف — نیرِ اعظم سرِیر افروز شد دریں مقام

پانزدہ سال از جلوس بود کہ حکمش مدیر — ایں نشیمن در سرِیر گنبدِ فیروزہ خام

آسمان بعد از زمین بود از پئے تاریخ گفت — باد سنندہ گاہ پر نوری جہانگیری مدام

راقم نے اِس سل پر مزید تحقیق کی ۔ شاہ جہانگیر نے پندرھواں جشن یہاں (مظفر آباد) منایا اور یہ سل بطور یادگار یہاں نصب کی گئی یعنی اپنا حاصلِ مطالعہ آثارِ قدیمہ کے افسر کے علاوہ مقامی دانشوروں اور ریڈیو پر بھی پیش کیا۔
مَیں نے خود بھی اس کتیبہ کو افغانی صاحب کی معرفت مظفر آباد میں دیکھا تھا، ویسے تزکِ جہانگیری اور اقبال نامہ جہانگیری میں پندرھویں سال جلوس (۱۰۲۹ھ) کے حالات میں جہانگیر کے سفرِ کشمیر کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور ملک کشمیر کے طُول کو دریائے کشن گنگا سے فرو تر تک ایک سو بیس کوس سے ایک سو تیس یا پچیس کوس تک لکھا ہے اسی طرح حدود کشمیر قائم کیے ہیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں بعض منتشر کتیباتِ کشمیر ملتے ہیں جو اعلیٰ خطِ نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں اگرچہ ان پر نامِ کاتب نہیں ہے ۔

خطاطی کے نمونوں بصورتِ کتیبات کے مطالعہ سے بعض اوقات اس زمانہ کی تاریخ کی بہت اہم گم شدہ اور صحیح اطلاعات بھی میسر آجاتی ہیں جو ہمیں اس عہد کی تاریخی کتب سے بھی میسر نہیں آتیں۔ اِس لیے ہمیں ان کی روشنی میں بعض اوقات ذرا طویل اور بے محل برائے وضاحت تفصیل لکھنا پڑتا ہے تاکہ اس عہد کا صحیح تاریخی پس منظر بھی سامنے آجائے۔ چنانچہ جہانگیر اپنے زمانہ بادشاہت میں اقبال نامہ جہانگیری مصنفہ معتمد خاں کے مطابق جہانگیر کشمیر چھ مرتبہ گیا۔ ان میں سے ۱۰۲۹ھ میں جب وہ کشمیر گیا تھا تو اس نے وہاں متذکرہ بالا کتبہ کے مطابق اپنے حکم سے ایک گنبددار نشیمن بھی تعمیر کروایا تھا۔ میرے خیال میں یہ کتیبہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں جب پاکستان ظہور میں آیا تو کوئی مہاجر اپنے ہمراہ لے آیا اور اسے لا کر مظفر آباد میں محفوظ کر دیا۔ یہ کتبہ اپنے اصل مقام سے پہلے ہی الگ ہو چکا تھا تاہم یہ محفوظ رہا اور واقعاتِ مندرجہ کتبہ ھٰذا مظفر آباد سے متعلق نہیں۔ اِسی زمانہ میں جہانگیر نے چشمہ ویری ناگ پر اپنی آمد کو بصورتِ کتبہ تحریر میں محفوظ کیا۔

چنانچہ اس کتیبہ کی عبارت یہ ہے :

"بادشاہ ہفت کشور شہنشاہ عدالت گستر ابو المظفر نور الدین جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ غازی بتاریخ ۱۵ جلوس درین سرچشمہ فیض آئین نزول اجلال فرمودند این عمارت بحکم آنحضرت صورت اتمام یافت از جہانگیر شاہ اکبر شاہ این بنا سر کشیدہ بہ افلاک بانی عقل یافت تاریخش

قصر آباد چشمہ ورناگ - ۱۰۲۹ ہجری؂

اِن ہر دو کتیبات سے واضح ہے کہ جہانگیر نے یہاں پندرہویں سال جلوس میں سرچشمہ فیض آثار پر نزول اجلال فرمایا اور اس عمارت کی تعمیر کا حکم دیا اور ہر دو تاریخوں سے سنہ ۱۰۲۹ھ سال برآمد ہوتے ہیں۔

اِس ضمن میں ممکن ہے کشمیر کے بعض علمی خزانوں میں کچھ مزید کتابات بصورت کتابت نستعلیق کے نمونے بصورت مخطوطات بھی میسر آجائیں جن کو کشمیر کے بہترین کتّاب نے لکھا ہے اور ان کے علاوہ کشمیر کی عمارات کے وہ کتابات بھی موجود ہوں جن کو کشمیر کے اعلےٰ کاتبوں نے انجام دیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس قسم کے مواد سے کشمیر کی تاریخ کی بعض گم شدہ کڑیاں بھی میسر آجائیں۔ بہرحال جب جہانگیر یہاں سنہ ۱۰۳۶ھ میں آیا تو اس نے ایک ہشت پہلو حوض تعمیر کروایا جس پر اعلیٰ نستعلیق طرز میں یہ کتبہ بھی لگایا گیا جس کا آخری مصرع یہ ہے ؏

"از چشمۂ بہشت بیروں آمدہ دست جوی"

جس سے سنہ ۱۰۳۶ھ برآمد ہوتے ہیں اس کے بعد جب جہانگیر کشمیر سے لاہور جا رہا تھا تو راستہ ہی میں اس کا

شاہی کتاب خانہ میں مخطوطات

انتقال بمقام راجوری ہو گیا اور اسے لاہور میں ہی دفن کیا گیا۔

کتاب ہٰذا کے عنوان اور اس کی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن مخطوطات کو اعلےٰ کاتبوں نے لکھا اور ضرورت کے مطابق ان کو مطلا اور مذہب کرنے کے علاوہ ان کو ضروری تصاویر سے بھی بعض اوقات مصوّر کیا گیا تو اس سے واضح ہے کہ شاہانِ اسلام کو محض اعلیٰ کتب کے مطالعہ کا شوق ہی نہ تھا بلکہ ان مخطوطات کو اپنے کتابخانہ میں علیحدگی سے محفوظ کرنے کا تصوّر بھی تھا۔ کیونکہ عہدِ مغلیہ سے خطِ نستعلیق کی یہاں ابتدا ہوئی۔ جب بابر بادشاہ نے ہندوستان کو سنہ ۹۳۲ھ میں فتح کیا تھا اس لیے ہم اس ضمن میں یہاں شاہی کتابخانہ میں ان مخطوطات کا ذکر مختصر طور پر بابر کے عہد سے کرتے ہیں۔

بابر جب یہاں ہند میں آیا تو اس کے ہمراہ اپنے ذوق کے مطابق ضروری کتب خانہ بھی تھا چنانچہ وہ خود توزک میں بعض کتب کا ذکر کرتے ہوئے مصوّر بہزاد اور کاتب سلطان علی مشہدی کے کارناموں پر تنقید بھی کرتا

ہے اور خاص کر لاہور کے قریب جب غازی خاں سے تصادم ہُوا اور وہ مغلوب ہوگیا تو بابر اس کے کتبخانہ پر قبضہ کر کے بہت خوش ہُوا اور خود کتب خانہ میں گیا جہاں سے کتابیں اس کے ہاتھ آئی تھیں ان میں سے کچھ کتابیں بابر نے ہمایوں کو دی تھیں اور کچھ کامران کو بھیجی تھیں مگر ان میں ملّاؤں کے مطلب کی زیادہ کتابیں تھیں اور بابر کے اپنے مذاق کی کم نکلی تھیں۔ ہمایوں کے ضمن میں یہ وضاحت موجُود ہے کہ وہ سفر وحضر میں ہر وقت کُتب خانہ اپنے ہمراہ رکھتا تھا اور اس کے کتب خانہ کا مہتمم محمد منجھو والد سکندر منشی مصنف مراۃ سکندری تھا، وہ ایک دفعہ احمد آباد کے قریب کھنبایت کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ تو رات کے وقت چوروں نے اس کے خیمہ پر ڈاکہ ڈال دیا اور اس سے وہ تیمور نامہ از ملا یزدی کا مصوّر نسخہ لے گئے جس کی تصاویر بہزاد نے بنائی تھیں اور اس کی کتابت سُلطان علی نے کی تھی۔ جب وہ ایران گیا تو شاہ طہماسپ صفوی نے بھی اس کی مہمانداری میں بہترین کتب ہی اس کے مشغلہ کے لیے مہیا کی تھیں اور جب وہ ایران سے واپس آیا تو اپنے ہمراہ دو مشہور مصوّر اور کاتب سید میر علی تبریزی اور خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کو ہمراہ لایا تھا جنھوں نے اکبر کے عہد میں یعنی مغل دربار میں ایرانی روایات پر مصوّری کی بنا رکھی تھی اور اس طرح اعلیٰ کتاب خانہ کی عہدِ مغلیہ میں ابتدا ہوئی تھی۔

اکبر کے عہد میں قلعہ آگرہ میں مثمن برج میں کتب خانہ تھا اور وہیں سب مغل عہد کی کتابیں جمع تھیں۔ اہلِ قلم بھی یہاں شاہی کتاب خانہ میں اپنی تصنیفات ارسال کرتے تھے یعنی فتوحاتِ اکبری کی بدولت خزانۂ عامرہ کا کتاب خانہ ترقی کرتا رہا فتح گجرات سے کافی کتابیں ملی تھیں جو اعتماد خاں کے توسط سے حاصل ہوئی تھیں اِس طرح اکبر کے کتاب خانہ میں چوبیس ہزار کتابیں تھیں۔ اکبر کے عہد میں امرا کے ہاں مثلاً ابوالفضل وعبدالرحیم خان خاناں وعزیز کوکہ وغیرہ کے ہاں کتابیں بصورت کتاب خانہ موجُود تھیں جو اعلےٰ کاتبوں وغیرہ کی لکھی ہوئی تھیں۔

جہانگیر کے عہد میں ایک عظیم الشّان کتاب خانہ جمع تھا۔ مکتوب خان اس کا مہتمم کتابخانہ تھا اور وہ سفر وحضر میں بھی کتاب خانہ اپنے ہمراہ رکھتا تھا۔ اسی طرح عہدِ شاہجہانی میں اکثر خطّاط بھی مہتمم کتاب خانہ کے فرائض انجام دیتے تھے جن میں رشید دیلمی بھی شامل ہیں البتہ عہدِ عالم گیر میں یہ شعبہ بہت پھیل گیا تھا اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی بہت بدل گیا تھا۔

متذکرہ بالا تفصیل تیاری مخطوطہ رزم نامہ اسی ترقیمہ کا بہت اہم حصہ ہے۔ جس میں بہت سے امور درج ہیں جن کو عام طور تحریر نہیں کیا جاتا۔ اول تو ہم نے اوپر ان تمام اہل کاران شاہی کتاب خانہ کا ذکر کر دیا ہے جن کی تحویل میں یہ لائبریری یا مخطوطہ رہا۔ بہر حال نیچے حاشیہ میں کتاب رزم نامہ کے مخطوطہ کے خرچ کی تفصیل بھی دی ہے اس میں سب سے اول کاتب عنایت اللہ شیرازی کا ذکر ہے جس نے اس مخطوطہ کو لکھا۔ اگرچہ اس کا نام ترقیمہ میں درج نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے نام کے ہمراہ دیگر اسباب اور اس پر جو خرچ آیا، درج ہے۔

ہم نے متذکرہ بالا نمونے جو خطاطی کے پیش کیے ہیں ان میں شکل ۶۷ بھی شامل ہے۔ یہ ترقیمہ نسخہ دیوان "طالب آملی" کا ہے اور یہ نسخہ ایک نجی کتب خانہ شیخ محمد دین میں شامل ہے اور اسے "محمد حسین مراد یدقلم" نے نوم ماہ محرم الحرام ۱۰۴۲ھ کو لکھا یعنی یہ نسخہ شاہجہان کے پانچویں یا چھٹے سال جلوس میں لکھا گیا ہے جو اسکے ترقیمہ سے واضح ہے، اس مخطوطہ پر بھی متذکرہ بالا مخطوطہ "رزم نامہ" کی طرح تفصیل خرچ نسخہ ترقیمہ میں پوری طرح درج ہے اور اس پر لکھا ہے :

مطابق فرمائش حضرت بادشاہ عالم پناہ

اور ملا صبوری مشہدی کا قطعہ تاریخ وفات "طالب آملی" بھی یہاں ترقیمہ میں درج ہے :

از چرخ بگوی زرفتن طالب داد — کامروز ادای نظم از پا افتاد

تاریخ وفاتش از خرد جستم گفت — حشرش بعلی ابن ابی طالب باد

جس سے ۱۰۳۵ھ برآمد ہوتے ہیں اگرچہ تذکرہ نویسوں نے طالب آملی کا سال وفات عام طور پر ۱۰۳۶ھ بیان کیا ہے اور اس نسخہ پر کل خرچ مارلوصہ یعنی یکصد انسٹھ (۱۵۹) روپے ہے۔ اسی طرح بعض دیگر اطلاعات بھی یہاں درج ہیں۔

شکل ۱۴، ۱۵ میں دو صفحات مخطوطہ ظفر نامہ شرف الدین علی یزدی کے ابتدائی صفحہ اور آخیر ترقیمہ کے پیش کیے ہیں جن کو مختصراً پہلے بیان بھی کیا ہے مگر کتاب خانہ پادشاہی دستور العمل کو مدنظر رکھ کر اگر ہم ان اشکال کا بغور مطالعہ کریں تو کئی امور انتظام کتاب خانہ کے ضمن میں سامنے آئیں گے۔ یہ نایاب نسخہ ظفر نامہ دراصل مغل دربار میں بعہد اکبر بادشاہ بخط شیر علی بتوسط میر جمال الدین آنجو دکن سے آیا جس کا مکمل اندراج شکل ۱۴ میں

اکبر کے زمانہ کے ضمن میں درج ہے۔ جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو اُسی روز یہ نسخہ ظفر نامہ مہتمم کتاب خانہ نے بادشاہ کے روبرو پیش کیا جس کی اپنی کلاہ یا ناشپاتی نما مہر اس پر ہے اگرچہ جہانگیر کے عہد کے ابتدائی یوم کی تفصیل مخطوطہ کے اندر کسی اور جگہ درج ہے مگر اس کے ابتدائی صفحہ پر شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کی یہ مہریں یہاں دیکھی جاسکتی ہیں اور یہ مہریں صرف روزِ تاج پوشی پر لگائی جاتی تھیں۔ بادشاہ اپنے ہاتھ سے تاریخ روز تاج پوشی وغیرہ اس پر درج کرتا تھا اور اس کے بعد وہ مہر سب ایسی کتب پر اسی روز لگاکر اور بعد اندراج کے اسے ختم کردیا جاتا تھا یعنی یہ مہر محض ایسے موقعوں پر ہی بروئے کار تصوّر کی جاتی تھی۔

جو مخطوطہ شاہی کتاب خانہ میں ایک دفعہ محفوظ ہوجاتا تھا تو اس کا معیار ہر حال میں ایک خاص تصوّر ہوتا تھا بلکہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر مخطوطہ اپنے خاص کوائف کے ضمن میں ایک خاص حیثیت بھی رکھتا ہے۔

شاہانہ سرپرستی بعہد جہانگیر بادشاہ

نورالدین جہانگیر بادشاہ اپنے باپ اکبر بادشاہ کی وفات کے بعد ۸ رجمادی الاخریٰ ۱۰۱۴ھ مطابق اکتوبر ۱۶۰۵ء کو ۳۸ برس کی عمر میں آگرہ میں تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوا۔ ابوالمظفر نورالدین جہانگیر بادشاہ لقب و نام رکھا۔ اسی نیک ساعت پر سونے اور چاندی کے مختلف الوزن سکّے مسکوک کیے گئے اور ہر ایک کا جُداگانہ نام رکھا گیا۔ مہروں پر یہ شعر خط نستعلیق میں لکھا گیا؎

بخط نور بر زر کلک تقدیر رقم زد شاہ نورالدین جہانگیر

اس کے دوسری طرف تاریخی بیت، ذیل لکھّا گیا۔

شد چو نور زیں سکہ نورانی جہاں آفتاب مملکت تاریخ آں

دونوں مصرعوں کے درمیان مقام ضرب و سنہ ھجری و سنہ جلوس لکھے گئے۔ مکتوب خاں داروغہ کتاب خانہ و نقاشی خانہ نے تاریخ جلوس مندرجہ ذیل لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی جو بہت پسند آئی:

صاحب قراں ثانی شاہنشاہ جہانگیر باعدل وداد بنشست بر تخت کامرانی

اقبال و بخت و دولت فتح و شکوہ و نصرت پیشش کمر بخدمت بستہ بشادمانی

سال جلوس شاہی تاریخ شد چو بنہاد اقبال سر بپائے صاحب قران ثانی

یعنی جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے سکّوں پر بھی خطِ نستعلیق میں اشعار وغیرہ کا اندراج کر کے اس طرزِ خط کی سرپرستی کی اور خواجہ شریف پسر خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کو جو بذاتِ خود بہت بڑا ماہرِ خطِ نستعلیق تھا، اور عہدِ اکبر میں مہتمم کتاب خانہ بھی تھا جیسا کہ مندرجہ بالا ترقیمہ رزم نامہ اور خمسہ نظامی سے عیاں ہے۔ جہانگیر نے اسے امیر الامرا کے خطاب اور وکالت کے جلیل القدر منصب پر سرفراز فرمایا تھا بلکہ مہر اشرف اوزک کو جواہر قیمتی سے آراستہ کر کے خود اس کے دستِ مبارک سے پہنچی تھی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم ایران سے ہمایوں کے ہمراہ یہاں آیا تھا۔

اکبر کے عہد کے کاتبوں مثلاً محمد حسین کشمیری زریں قلم۔ عبداللہ مشکیں قلم اور عبدالرحیم الہروی وغیرہ نے گراں قدر خدمات انجام دی تھیں اور وہ جہانگیر کے عہد میں بھی موجود تھے مگر جہانگیر کے عہد میں کاتب محمد شریف خاص ذکر کا مستحق ہے جس کے بے شمار کارنامے ہم خود مشاہدہ کر چکے ہیں وہ جہانگیر کا اپنی ہمہ گیر قابلیت کی وجہ سے ندیم خاص تھا، جہانگیر نے اس کو معتمد خاں کا خطاب دیا تھا اور وہ ہمیشہ اسی خطاب سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ اسی شخص نے دراصل "تُوزکِ جہانگیری" کی تدوین میں گرانقدر خدمات انجام دی تھیں جس کے متعلق یوں لکھا ہے [1]

بدور شاہ جہانگیر خانی ارزاں شد　　شریفہ بانوی مارفت و معتمد خاں شد

تُوزک کے سترھویں۔ اٹھارھویں اور انیسویں سالِ جلوس کے واقعات بھی کم و بیش اسی نے لکھے تھے۔ بلکہ اس نے اقبال نامہ جہانگیری کے نام سے عہدِ مغلیہ کی تاریخ بھی لکھ دی جو آج میسّر ہے۔ راقم نے اکثر کتابت کے نمونے اور بعض مخطوطات بھی اس کی قلم کے دیکھے ہیں۔ اگرچہ ان میں زیادہ تر خط ثلث اور نسخ میں ہیں۔ وہ میر حملہ کی جگہ عرض مکرر اور اسلام خاں کے تغیر پر بخشی گیری کے فرائض اور پھر میر بخشی گیری پر فائز ہوا۔ اس کا ایک بھائی محمد اشرف بھی وصفِ کتابت سے آراستہ تھا۔ جس نے لکھنؤ میں عمارات عالیہ تعمیر کی تھیں۔ اور ایک سرائے بنائی تھی جس کا نام اشرف آباد تھا۔ نیز ایک باغ بنام بوستانِ دوستان بنایا تھا۔ ان ہر دو برادر

---

(۱) تُوزک جہانگیری

کے لکھے ہوئے نمونے راقم نے پٹنہ میں مشہور مجموعہ مسٹر مانک میں دیکھے ہیں۔ معتمد خاں کا انتقال ۱۰۴۹ھ میں ہوا۔ لاہور میں مسجد وزیر خاں بہت مشہور تاریخی عمارت ہے جو ۱۰۴۵ھ کی تعمیر ہے۔ اس میں بے شمار کتیبات عربی و فارسی لکھے ہوئے ہیں، اور تمام کاشی کاری سے آراستہ ہے۔ اس کے ایوان کے ماتھے کی درمیانی کمان کی سرول پر جو آیۃ الکرسی خط ثلث میں لکھی ہے اس پر کاتب کا نام "محمد شریف" لکھا ہے۔ اگرچہ تاریخ سے یہ تعین نہیں ہوتا کہ یہ محمد شریف کون تھا۔؟

ہم نے اوپر میر عبداللہ مشکیں قلم کا ذکر بعہد اکبر کیا ہے اور آپ کے کارناموں میں ایک دیوان" امیر حسن سجزی" کا ذکر بھی کیا ہے جو اس نے مقامِ الٰہ آباد میں بعہدِ اکبر ۱۰۱۱ھ میں لکھا تھا اور وہیں مقیم بھی تھا جبکہ اکبر بادشاہ کا انتقال ۱۰۱۴ھ میں ہو گیا تھا اور عبداللہ مشکیں قلم وہیں الٰہ آباد میں مقیم رہا چنانچہ الٰہ آباد کے قلعہ میں ایک پتھر کا لاٹ نما مینار بھی ہے جس کے گردے کے درمیانی پتھر پر عبداللہ مشکین قلم نے ایک کتیبہ ابتدائی بعہدِ جہانگیر لکھتے ہوئے اس پر جہانگیر کا شجرۂ نسب سلطان ابوسعید گورگانی تک لکھ دیا ہے۔ یہ اس کاتب کا بہت بڑا کارنامہ ہے اس کتیبہ کو جو خطِ نستعلیق میں ہے مندرجہ ذیل کے مطابق ختم کیا ہے:

احد شہریور ماہ الٰہی موافق ربیع الثانی ۱۰۱۴ھ

نور الدین جہانگیر بن اکبر ——— ابن سلطان ابوسعید

کتبہ عبداللہ مشکین قلم

جو غالباً جہانگیر کی تخت نشینی پر لکھا گیا تھا یعنی عبداللہ مشکین قلم نے عہدِ جہانگیر میں بھی الٰہ آباد میں قیام رکھا اور شاہی ملازمت میں رہا۔ یہیں خسرو باغ میں شہزادہ خسرو کی والدہ کے مقبرہ کے گنبد میں چاروں طرف ایک طویل کتیبہ خطِ نستعلیق میں نصب ہے جس میں مرحومہ سے متعلق مرثیہ لکھا ہے جس کا اقتباس درج ذیل ہے:

آہ افسوس اسماندا سیرت پیدا شد | آری آری کار چوں ظلم آمد داد شد
چاک پیراہن شد از خار قضا در باغ عمر | ہم زمیں بگریست ہم از آسماں فریاد شد
شد تبار خاست مردم خبار ماتمش | شاہ حسر دارا لسوی خلد خوار شد

سلمیٰ ارشد خویش فیض لائق باکو   صفہ حینت زجان پاک او بادشہ

کتبہ سلطان سرہند

اسی طرح اس باغ میں جو مقبرہ لاڈلی بیگم یا لیلیٰ بنت نورجہاں کا ہے۔ اس کے اندر بھی اشعار اعلیٰ خطِ نستعلیق میں لکھے ہیں مگر ان پر کسی کاتب کا نام نہیں ہے۔ افسوس کاتب "سلطان سرہند" کا بھی ذکر کہیں نہیں ملا غرضیکہ اس باغ خسرو الہ آباد میں عمارات پر متذکرہ بالا کتیبات عہدِ جہانگیر سے متعلق ہیں اور بہترین خطِ نستعلیق میں ہیں اسی وجہ سے ان کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ میر عبداللہ مشکیں قلم کے دو صاحبزادے میر محمد صالح اور میر مومن کا ذکر ہم ذیل میں بعہدِ شاہ جہاں کریں گے۔

توزکِ جہانگیری میں جہانگیر نے خود لکھا ہے کہ منگل کے دن جہانگیر پورہ (موجودہ شیخوپورہ) میں پڑاؤ ڈالا یہ موضع میری مقررہ شکار گاہ ہے اس موضع کے حوالی میں منسراج نامی ہرن کی قبر بھی ہے (یعنی موجودہ ہرن مینار) میرے حکم سے اس پر ایک مینار تیار کیا گیا۔ اس مینار کے ایک پتھر پر "ملا محمد حسین کشمیری" نے جو اس زمانہ میں سر برآوردہ خوش نویسوں میں ہے یہ درجِ ذیل نثر لکھی:

"دریں فضاے دلکش آہوے بدام جہاندار خدا آگاہ نور الدین جہانگیر بادشاہ آمدہ درعرض یکماہ از وحشت صحرایت برامدہ سرآمد آہوان خاصہ گشت۔"

میں نے حکم دیا کہ اس کی قبر کے پتھر کو ہرن کی شکل میں تراشا جائے اور سکندر معین کو حکم دیا کہ جہانگیر پورہ کو ایک مضبوط قلعہ بنائے۔"

غرضیکہ محمد حسین زریں قلم نے عہدِ جہانگیری میں بھی بہت کارہائے نمایاں انجام دیئے ویسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جہانگیر نے ہی عبدالرحیم الہروی کو "عنبریں قلم" کا خطاب دیا تھا۔ اس کا ذکر عہدِ اکبر میں کیا گیا ہے۔

ایرانی اساتذہ کی قدردانی

ہم نے ان صفحات میں قبلۃ الکتاب سلطان علی مشہدی کے بعد استاد میر علی ہروی کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جس کی روش کتابت نے توران۔ ایران و ہند میں بھی قدردان پیدا ہی نہیں کیئے بلکہ اس روش کو اختیار کر کے کاتبوں نے اُسے عام رواج بھی دیا اور میر کے نزدیک اس شخص کی پیدا کی ہوئی روش طرز نستعلیق نے پاک و ہند ایک استحکام بخشا بلکہ یہی تمام دنیا میں رائج ہوگئی۔ اور اس طرز خط نستعلیق نے اپنا ایک مقام پیدا کیا اگرچہ ہم متذکرہ بالا بیان محمد حسین زریں قلم میں بھی پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ بھی میر علی کی روش پر لکھتا تھا مگر جہانگیر کے عہد میں اس روش کو استحکام مزید ہوا اور اس کے لیئے جہانگیر نے خود اس کے نمونوں کو نامعلوم کن کن ذرائع سے ایک کثیر تعداد میں حاصل کر کے ان نمونوں کے گرد اعلیٰ حواشی بنوا کر اور مزید منقش کر کے ان کو بصورت مُرقع محفوظ کیا جس کے بے شمار نمونے اور حصے کئی مجموعوں میں موجود ہیں۔

اقبال نامہ جہانگیری میں معتمد خان نے جہانگیر کے عہد کے انیسویں سال کے واقعات کے عہد میں جہانگیر کے کشمیر سے لاہور میں وارد ہونے پر جو آپ کو خان اعظم مرزا کی وفات کی اطلاع ملی تو اس کے اوصاف میں یہ بھی لکھا کہ وہ خط نستعلیق بہت اچھا لکھتا تھا اور میرزا محمد باقر پسر ملا میر علی ہروی کا شاگرد تھا جس پر ارباب استعداد کا اتفاق تھا کہ اس کا قلم مشہور استادوں کے خط سے کسی طرح کم نہ تھا اور مدعا نویسی میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔ لیکن عربی سے ناآشنا تھا اور اس کا قول تھا کہ میں عربی میں ایک غریب دیہاتی کی مثال رکھتا ہوں۔ یعنی وہ نسخ نہیں لکھتا تھا۔ اتفاق سے توزک جہانگیری میں محمد باقر بن میر علی کا اس طرح ذکر واضح کرتا ہے کہ عہد مغلیہ میں لوگوں کو نستعلیق کی تعلیم دیتا تھا اس واقعے کو جہانگیر نے اپنی توزک میں خواجہ حسین کوکہ کا ذکر کرتے ہوئے خود لکھا ہے کہ حضرت معین الدین چشتی کی اولاد سے ہیں خرچ شش ماہے ہزار روپیہ دیئے اور کتاب یوسف زلیخا بخط ملا میر علی جو مصور اور مذہب ہے اور جو غایت درجہ میر تعلق مجلہ مجلد ہے جس کی قیمت ہزار اشرفی تھی، عبدالرحیم خانخانان سے بطریق پیشکش ارسال کی۔ خواجہ حسین کے وکیل معصوم نے لاکر نذر گذاری۔ توزک جہانگیری کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

یوسف زلیخا بخط ملا میر علی مصور و مذہب جلد طلا در غایت تکلف و صفا کہ ہزار مہر قیمت داشت خان خانان پیشکش فرستادہ بود معصوم وکیل او آوردہ گذرانید۔

اسی طرح انیسویں سال جلوس کے ضمن میں خان اعظم کی وفات کے تحت تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ وہ خط نستعلیق میں خوب لکھتا تھا اور وہ مرزا باقر پسر ملا علی کا شاگرد تھا۔

"...... نستعلیق خوب می نوشت شاگرد مرزا باقر پسر ملا علی است ...."

اگرچہ ملا میر علی الاہروی اور اس کے لڑکے میر باقر کا ذکر آئین اکبری میں بھی دیا ہے یعنے اس کی شہرت کی وجہ سے عبدالرحیم خانخاناں نے ملا میر علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب "یوسف زلیخا" جو سطلا و مذہب تھی جہانگیر کو اس کا ذوق دیکھتے ہوئے بطور تحفہ پیش کی۔

غرضیکہ جہانگیر کے شعبہ کتابت اور مصوری میں فن کاروں کا ماحول زیادہ تر ایرانی تھا اور ان کے سامنے ایرانی نمونے بھی تھے جن کی وہ اکثر نقل بھی کرتے تھے ہم دیکھتے ہیں کہ جہانگیر کے عہد کے اکثر خطاطی کے نمونے جو ایران و توران سے تعلق رکھتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح نقل کئے جاتے ہیں اور ماہرین ان کے مطابق تیار کرتے ہیں میں نے اکثر نمونے دنیا کے مجامع میں دیکھے ہیں۔ خاصکر پونا میں مسٹر اروشر کے مجموعہ میں مرقع جہانگیر کے قریب پچاس اوراق مطالعہ کئے تھے جن میں سے اکثر اس میر علی الکاتب کے تھے، اس کے بعد تہران میں کتابخانہ ملی میں مرقع گلشن میں نیویارک امریکہ کے میٹرو پولیٹن عجائب گھر میں کئی اوراق محفوظ ہیں۔ جرمنی کے ڈاکٹر کوہنل نے مرقع جہانگیر کے عنوان سے چھاپ دیا ہے جس میں اس میر علی کے بیشمار نمونے ہیں۔ ان سب کے مشاہدہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جہانگیر کے دربار میں ان سب نمونوں کو از سر نو سطلا و مذہب اور منقش کیا گیا تھا یہ سب جہانگیر کے اپنے جمالیات سے فنون لطیفہ کے ضمن میں شغف کا نتیجہ ہے۔ غرضیکہ میر علی نے اور اس کے خاندان نے فن خطاطی میں اس عہد میں بھی گراں قدر کردار ادا کیا ہے۔

عبداللہ الحسینی

جہانگیر کے عہد میں بھی لاہور علوم و فنون کا مرکز تھا۔ جس وجہ سے اہل ہند بھی یہاں بس گئے تھے۔ اکثر کارنامے یہاں نشو و نما پائے۔ چنانچہ اتفاق سے چوک لاہوری منڈی میں بھی کوئی پرانی مسجد تھی جو آج یہاں موجود نہیں ہے۔ البتہ اب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مسجد خراسیاں جو لوہاری منڈی کے چوک میں آج ایک آباد مسجد موجود ہے غالباً اس قدیم مسجد کی جگہ پر آباد ہے جو جدید معلوم ہوتی ہے۔ اتفاق سے چوک لوہاری منڈی میں کبھی کوئی



پرانی مسجد تھی جو بذات خود تو قائم نہ رہی۔ البتہ اسی جگہ آج بھی ایک عظیم الشان مسجد "در خراسیاں" کے نام سے آباد ہے جو بہ ظاہر جدید معلوم ہوتی ہے جب ہم مسجد کے دروازہ سے اُوپر جاتے ہیں تو سیڑھیوں میں ایک عظیم الشان کتبہ متعلق مسجد محفوظ کر دیا گیا ہے یہ دراصل صدر جہاں کی مسجد تھی جس کا متن یہ ہے :۔

الله اکبر

کریمی سیدی صدر جہانی ملجاء عالم ‏— کہ در عہد جہانگیر شدہ ایں بقعہ را بانی

خلیل آسا بتوفیق خدا اندر عجم کردہ ‏— بناء خانہ دیں بہر ترویج مسلمانی

خوشا کعبہ دارد مسجد بہر تار بخشش ‏— مکن عیبم اگر گویم بنا شد کعبہ ثانی

بانیہ و قائلہ، یک ہزار چہار ہجری، کاتبہ عبداللہ الحسینی

اس کتبہ کی پیمائش تیئیس انچ ضرب چوبیس انچ ہے اور سنگ خارا سرخ کی بھاری سل پر ابھرے ہوئے اعلیٰ طرز نستعلیق میں تین سطور میں کندہ ہے اور اس کے اُوپر ابتدا میں نقش و نگار منبت کئے

ہوئے عہد اکبر کے طرز پر ہیں اس عہد کے مشہور خطاط عبداللہ الحسینی نے جس کا نام وغیرہ عبداللہ الحسینی ۱۰۱۵ء لکھے ہیں جن سے عہد جہانگیری کا دوسرا سال واضح ہے۔ بانی حضرت میراں سید صدر جہاں پہانی ملجا عالم نے عہد جہانگیر میں اس بقعہ یعنی مسجد کو سطور کعبہ اس طرح تعمیر کیا جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے "خانہ دین" یعنی خانہ کعبہ برائے ترویج اسلام تعمیر کیا۔ تاریخ عہد جہانگیری میں یہ کتبہ بہت اہم ہے۔ میران صدر جہاں اکبر عہد سے مفتی اعظم کے عہدہ پر فائض تھے۔ آپ اکبر کے عہد ہی میں لاہور میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ جب جہانگیر کا زمانہ آیا تو اس نے بھی آپ کے اس عہدۂ جلیلہ کو برقرار رکھا۔ جہاں گیر خود اپنی توزک میں دوسرے سال کے واقعات میں بیان کرتا ہے۔ جب میں کابل جا رہا تھا تو میں نے نیک ساعت سات ذوالحجہ ۱۰۱۵ھ کو قلعہ لاہور سے رخصت ہو کر باغ دلا امیز میں قیام کیا جہاں شگوفے کھلے تھے اور کابل جانے سے پیشتر قلیچ خاں میراں صدر جہاں اور میر شریف عاملی کو سلطنت کے معاملات کو بدستور چلانے کی تاکید کی یعنی کتبہ مسجد موجود نہیں ہے۔ اتفاق سے مجھے نستعلیق کتابت میں اس کاتب عبداللہ الحسینی کا ایک اور کتبہ مطالعہ کرنے کا موقع ملا جسے میں درج کرتا ہوں۔

هوالخافض

آئینہ صنع پادشاہی مائیم	صندوق جواہر الٰہی مائیم
از ماہ گرفتند باہماہی مائیم	با این ہمہ در عشق الٰہی مائیم
الٰہی آئینہ جمال شاہی کہ توئی	وے نسخہ تاسہ الٰہی توئی
بہر حال ز تو ہست ہر چہ در عالم ہست	از خود مطلب بر آنچہ خواہی کہ توئی
برائے نواب چین قلیچ خاں	المذنب الفقیر عبداللہ الحسینی غفر ذنوبہ

دستخط عیو بہہ ۱۰۱۸ ہے

عبداللہ الحسینی نے یہ قطعہ ۱۰۱۸ھ میں برائے نواب چین قلیچ خاں لکھا ہے۔ یہ قلیچ خاں وہی شخص ہے جس کا ہم نے اوپر میراں صدر جہاں کے ذکر میں کیا ہے جو ان کے ہمراہ جہانگیر کے جلو میں شامل تھے۔ تاریخ سے واضح ہے کہ قلیچ خاں لاہور کے گورنر تھے اور انہوں نے لاہور میں باغات اور کئی عمارتیں بھی بنوائی تھیں جیسا

کہ داراشکوہ نے سکینۃ الاولیا میں بھی بیان کیا ہے۔ عبداللہ الحسینی کا ایک قطعہ مرقع داراشکوہ میں انڈیا آفس لائبریری میں اس پر بھی یہی ۱۰۱۸ھ ہے۔ بہرحال اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عبداللہ الحسینی اس وقت لاہور میں مقیم تھا اُسے درباری سرپرستی حاصل تھی اور یہ سرپرستی فن خطاطی کی وجہ سے اُسے حاصل تھی عبداللہ الحسینی کو میر عبداللہ مشکین سے مختلف شخص تصور کرنا ہوگا کیونکہ بعضوں نے ہر دو کو ایک ہی شخص میر عبداللہ مشکین قلم تصور کر لیا ہے۔ جو غلط ہے عبداللہ الحسینی نام کے ممکن ہے اور کاتب بھی مل جائیں مگر اس کاتب عبداللہ الحسینی کے چند قطعات مرقع جہانگیر میں بھی موجود ہیں جو کئی مجموعوں میں بکھرے ہوئے ہیں چنانچہ میں نے خود پونا میں مجموعہ مسٹر اردشیر میں کئی نمونے اعلیٰ نستعلیق طرز میں دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک پر خط شکستہ میں یوں لکھا ہے۔

"عنایت نامہ افادی ونقابت پناہ امیر سید عبداللہ در وقت مرا از دارالخلافہ آگرہ لاہور حسب الحکم اشرف قدس اعلیٰ فی شہور ۱۰۱۴ھ ـــــــــ"

میں اس سے یہ اخذ کرتا ہوں کہ عبدالحسینی ایران وتوران سے بارگاہ جہانگیر میں اوّل ۱۰۱۴ھ میں لاہور میں ہی آیا تھا اور یہیں وہ باریاب ہو کر دربار سے منسلک ہوا اور لاہور تک ہی محدود رہا۔ ہم لاہور میں ہی اس کے خط کے نمونے ۱۰۱۵ھ اور اس کے بعد دیکھتے ہیں اس کی کتابت کے نمونے بصورت خفی کتابخانہ ملی طہران میں بھی ہیں۔ جہانگیر بادشاہ میران صدر جہاں پنہانی بانی مسجد لاہور کی بہت عزت کرتا تھا۔ جب آپ دربار اکبر میں آتے تو آپ کو شیخ عبدالحسینی صدر سے چہل حدیث پڑھتا تھا تو میران صدر جہاں نے آپ کے خلیفہ کے فرائض انجام دیئے۔ اس طرح شہزادہ آپ کو بہت چاہتا تھا۔ ایک روز شہزادہ نے سید صدر جہاں سے وعدہ کیا اگر وہ بادشاہ ہوگیا تو وہ اُسے اس کی مرضی کے مطابق عہدہ دے گا۔ چنانچہ جہانگیر نے بادشاہ ہونے کے بعد اس کا اختیار میراں صدر جہاں پر چھوڑ دیا تھا۔ ان پر قرضہ تھا جو ادا کروا دیا گیا تھا۔

کاتب عبداللہ

اجمیر کے قلعہ تاراگڑھ کے مغرب میں خوبصورت وادی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت معین الدین چشتی کی لڑکی بی بی حافظ جمال کبھی یہاں رہتی تھی۔ اس مقام پر راؤ مالدیو مارواڑ نے ایک خوبصورت عمارت بنوائی تھی جسے شیر شاہ نے شکست دی تھی اس مقام کو اس وجہ سے چشمہ حافظ جمال بھی کہتے ہیں۔ یہاں ایک لمبی سنگ گر

کی سل ہے جس کی پیمائش چودہ فٹ آٹھ انچ لمبی اور اٹھارہ انچ چوڑی ہے اور چھبیس فٹ لمبی مہر لگی ہوئی ہے اس پر مندرجہ ذیل ایک نہایت اعلیٰ نستعلیق طرز میں کتبہ تین چوکھٹوں میں کنندہ ہے۔ اس کتبہ کے کاتب کا نام "عبداللہ" آخر میں ایک طرف کنندہ ہے۔ اس کتبہ سے واضح ہے کہ جہانگیر نے اپنے دسویں سال جلوس میں اس عمارت کو بطور "چشمہ نور" بنوایا تھا۔ اس اہم تاریخی کتبہ کا متن یہ ہے۔

۱۔ بلند اقبال شاہ ہفت کشور	کہ وصف او نمیگنجد بتقریر
۲۔ فروغ خاندان شاہ اکبر	شہنشاہ زمان شاہ جہانگیر
۳۔ بدیں سرچشمہ چو آمد ز فیضش	روا شد آب و فاکش گشت اکسیر
۴۔ شہنشہ کرد ناش چشمہ نور	شدہ آب خضر زو چاشنی گیر
۵۔ دہم سال از جلوس شاہ غازی	بحکم بادشاہ نیک تدبیر
۶۔ بطرف چشمہ نور ایں عمارت	جہاں آرای شد ردی تقدیر
۷۔ خرد تاریخ اتماش رقم زد	محل شاہ نورالدین جہانگیر

کتبہ عبداللہ

اس اہم تاریخی کتبہ میں کئی امور قابل توجہ ہیں۔ اوّل مسئلہ تو کاتب کا ہے جو میرے نزدیک متذکرہ بالا کاتبوں جن کے اسماء میں عبداللہ ہیں سے مختلف ہے۔ کیونکہ ہر آدمی اپنی حیثیت خاندان وغیرہ کو تاریخی طور پر محفوظ رکھتا ہے۔ جس طرح ہم نے مندرجہ بالا سطور میں میر عبداللہ مشکین قلم اور عبدالحیُمیٰ کے متعلق لکھا ہے مگر اس سے انکار نہیں کہ یہ کاتب بنام عبداللہ جس نے اجمیر میں مندرجہ بالا کتبہ لکھا ہے، فن کتابت میں استاد ضرور ہے مگر اس کا خط ان سے مختلف ہے اس لئے یہ مختلف شخص ہے۔ دوسرا اہم امر یہ ہے کہ اس چشمہ نور کی تعمیر بعہد جہانگیر ۱۰۲۴ھ میں ہوئی جس کا ذکر توزک جہانگیری میں یوں ملتا ہے۔

"_____ درحوالی اجمیر درۂ واقع است در نہایت صفا و در انتہا ایں چشمہ ظاہر شد _____ ایں چشمہ بحافظ جمال معروف و مشہور است چوں عبور دریں مقام واقع شد فرمودم کہ عمارتے درخور ایں جا مبا زند _____ غوضے چہل گز درچہل گز ساختہ بودند و آب

چشمہ را بہ فوارہ دریں حوض جاری ساختہ اند فوارہ دہ درّاز دہ گز میجہد و برکنار ایں حوض نشیمنہا عمارت یافتہ ______ و دلکش و آرامگاہ ہائے خاطر پسند بعضے ازاں مصور و منقش بہ عمل اوستاداں ماہر و نقاشاں چابکدست ساختہ و پرداختہ اند چو خواستم کہ نام آن را چشمہ نور نہادم ______ سعیدائے گیلانی زرگر باشی ایں مصرعہ را کم ؎

محل شاہ نورالدین جہانگیر

تاریخ یافت۔ خوب نوشت فرمودم کہ بہ بالائے ایوان عمارت پایان آں قطعہ بر سنگ نقش کردہ نصب کنند"

توزک میں یہ قطعہ پورا نہیں ہے مگر خوش قسمتی سے دیوار عمارت پر آج بھی بصورت کتبہ محفوظ ہے۔ اور متذکرہ بالا الفاظ توزک سے جن میں تفصیل عمارت اور مقام موجود ہیں اس کی پوری تصدیق ہوجاتی ہے۔ کہ اوّل اس مقام کا نام چشمہ حافظ جمال تھا اور بعد میں جہانگیر کے نام نورالدین پر اس کا نام چشمہ نور مقرر کیا گیا۔ اس کتبے سے اہمیت مکان کے علاوہ کاتب عبداللہ کی بھی عظمت اس کے اپنے اعلیٰ نستعلیق خط سے واضح ہے

کاتب شریف

اس طرح جہانگیر کے عہد کے چند اور تاریخی کتبات ہیں جو تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہیں اور ان کو اعلیٰ نستعلیق لکھا گیا ہے۔ ان میں سے ایک کتبہ دہلی کے قلعہ میں محفوظ ہے جس میں دراصل تعمیر پُل سلیم گڑھ کی تاریخ تعمیر کا قطعہ ہے۔ اسے "کاتب شریف" نے لکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ شخص امیرالامراء خواجہ محمد شریف ہیں خواجہ عبدالصمد شیریں قلم ہے یا یہ وہی محمد شریف ہے جس نے لاہور میں مسجد وزیر خاں کے کتبات بعہد شاہ جہاں بطرز ثلث لکھے تھے یا کوئی اور ہے۔ میں نے اسے عرصہ ہوا مطالعہ و مشاہدہ کیا تھا۔ اس کا متن یہ ہے

بحکم بادشاہِ صفت کشور	شہنشاہ بعدل و داد و تدبیر
جہانگیر ایں شاہنشاہ اکبر	کہ شمشیرش جہاں را کرد تسخیر
چوں ایں پل گشت در دہلی مرتب	کہ وصفش را نشاید کرد تحریر
پی تاریخ اتمامش خرد گفت	پل شاہنشہ دہلی جہانگیر

باہتمام حسین علی کتبہ شریف۔

"سال تاریخش مبارک آں صراط المستقیم" ۱۰۲۱ھ۔

جہانگیر بذات خود ان فنون مستظرفہ کو خوب سمجھتا تھا اس کے عہد کے پندرہویں سال جلوس کے آخیر میں لکھا ہے کہ جب وہ لاہور سے آگرہ کی طرف تشریف لے جارہا تھا اور باغ کرانہ کی سیر کرنے کے بعد پالم میں تشریف لایا تو وہاں آقا بیگ اور محب علی بیگ۔ جن کو شاہ ایران نے ارسال کیا تھا زمین بوسی سے ان کو سرفراز کیا گیا۔ شاہ عباس کا مکتوب محبت آمیز الفاظ میں با کلغی بطریق نظر اشرف جہانگیر کی خدمت اقدس میں پیش ہوا۔ اس میں ایک لعل بارہ مثقال وزن کا میرزا الغ بیگ خلف میرزا شاہ رخ کے خزانہ کا تھا جو مرور زمانہ سے سلسلہ صفویہ میں منتقل ہوگیا تھا۔ اس لعل پر خط نسخ سے "الغ بیگ بن میرزا شاہ رخ بہادر ابن امیر تیمور گورگاں کندہ تھا۔ مگر اس لعل کے دوسرے گوشہ میں شاہ والاشکوہ کے حکم سے خط نستعلیق میں یہ عبارت منقوش تھی۔

شاہ ولایت پناہ عباس ایں لعل را در پر خانہ جیغہ نشانید بجہت مناسبت با آراستہ بود"

بندہ شاہ ولایت عباس، خانہ جیغہ میں بٹھا کر کئی مناسبتوں کے لحاظ سے ارسال فرمایا تھا چونکہ حضرت شہنشاہ جہانگیر کے اجداد کا نام اس لعل پر ثبت تھا تو تمیناً اور تبرکاً اپنے لئے مبارک جان کر داروغہ زرخانہ کو حکم دیا کہ اس کے دوسرے گوشہ میں "جہانگیر ابن اکبر شاہ تاریخ حال" لکھ دو اس تاریخی واقعہ سے واضح ہو گیا کہ جہانگیر کے دربار میں خط نستعلیق شاہانہ طور پر بھی رائج تھا یعنی اس پر جو نام الغ بیگ بن میرزا شاہ رخ وغیرہ جو نام تھے وہ جہانگیر کے خاندان اجداد تھے۔ جن کے ساتھ اس کے نام کا بھی اس سے اضافہ کر دیا گیا۔

لاہور میں جہانگیر کے عہد کی عمارات موجود ہیں اور ان پر کتبات بھی موجود ہیں۔ یعنی اول عمارت جہانگیر کی اپنی بیوی صاحب جمال کی ہے جسے عام طور پر عوام آج مقبرہ "انارکلی" غلطی سے پکارتے ہیں یعنی جہانگیر کی ایک بیوی خواجہ حسن کی لڑکی تھی جو دراصل زین خان کوکہ کا چچا تھا اور اس کا نام جمال تھا یہ عورت شہزادہ پرویز کی والدہ تھی جس کی پیدائش ۹۹۷ھ میں ہوئی تھی اس عورت کا انتقال اکبر نامہ کے بیان کے مطابق ۱۵ ماہ ستمبر ۱۰۰۸ھ کو ہوا تھا اور یہ واقعہ لاہور میں ہوا تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ شادی اکبر کی رضامندی سے نہیں ہوئی تھی جہانگیر نے یہ مقبرہ اپنی بیوی کا تخت نشین ہونے کے بعد عالی شان بنوایا تھا اور اس کے سنگ مرمر کے

کے تعویذ پر مندرجہ ذیل کتبات اعلیٰ خط نستعلیق میں کندہ ہیں۔ تعویذ پر ننانویں اسماء الحسنیٰ یعنی اسماء اللہ کندہ ہیں اور تعویذ کے مغرب کی طرف کندہ ہے:۔

آہ گر یاز بینم رو تے یار خویش را

مجنون سلیم اکبر

مشرق کی طرف:

تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را

۱۰۰۸ھ

شمال کی طرف: "اللہ اکبر"

جنوب کی طرف: فی شہور سنہ ۱۰۲۴ھ

میرے خیال میں یہ کتابت بطرز نستعلیق دراصل روضہ اکبر سے آئی جو آگرہ میں جہانگیر کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ مگر لاہور میں یہ روضہ صاحب جمال ۱۰۲۴ھ میں تعمیر ہوا۔

اس طرح دوسری تعمیر عہد جہانگیر کی لاہور میں اس کی اپنی والدہ مریم زمانی کی مسجد ہے جسے اس نے ۱۰۳۳ھ میں تعمیر کیا تھا جسے کئی طرز کی کتابت آیات مقدسہ اور اشعار سے مرصع کیا گیا لاہور میں یہ عمارت قلعہ لاہور کے مشرقی دروازہ کے باہر اور لاہور کے مستی دروازہ کے اندر واقع ہے اس کے ہر دو جنوبی اور مشرقی دروازہ پر فارسی اشعار خط نستعلیق میں کندہ ہیں افسوس کہ کسی کاتب کا نام نہیں ہے۔ بہر حال مشرقی دروازہ پر مندرجہ ذیل شعر کندہ ہے ؎

شاہ عالم گیر نورالدین محمد بادشاہ

بادیارب درجہاں روشن چو نور و ماہ

ہم نے جہانگیر کے عہد میں اُوپر عبداللہ الحسینی کاتب کا ذکر کیا ہے جس نے صدر جہاں کی مسجد کا کتبہ لکھا تھا جو لاہور میں جہانگیر کے عہد میں دوم سال جلوس میں تعمیر ہوئی تھی:۔

نستعلیق خط بعہد شاہجہاں

ہماری تاریخ اور ثقافت اسلامی کے فروغ کے ضمن میں عہد شاہجہاں بہت ہی اہم شمار ہوتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں فنون لطیفہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ یعنی تاج محل آگرہ اس عہد میں سب سے بڑا شاہکار فن تعمیر ملکہ ممتاز الزمانی کی یاد میں دریائے جمنا کے کنارے ۱۰۴۱ھ سے شروع ہوکر ۱۰۸۷ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا تمام سفید سنگ مرمر کا یہ مقبرہ دنیا بھر میں اپنی تعمیری خوبیوں کی وجہ سے دنیا کی سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے اس پر تمام کتبات جو آیات قرآنی پر مشتمل ہیں خطاطی کی طرز ثلث میں اندر اور باہر امانت خاں شیرازی جس کا نام اندرونی گنبد کمان پر لکھا ہوا آج بھی ملتا ہے۔ یہ شخص خاندانی اعتبار سے شیراز کا باشندہ تھا اور اس کے باپ کا نام محمد قاسم شیرازی تھا جو عہد اکبر میں شیراز سے آکر کتابدار مقرر ہوا تھا ویسے امانت خاں کا اصل نام عبدالحق تھا۔ جب بادشاہ جہانگیر نے اپنے باپ اکبر بادشاہ کا روضہ سکندرا آگرہ میں تعمیر کیا تو اس شخص اس کے تمام کتبات کو لکھا اس کا پورا نام اس روضہ کے دروازہ پر لکھا ملتا ہے ویسے یہ شخص خط بطرز نستعلیق لکھنے میں بھی ماہر تھا اس نے اکبر کے روضہ کے اوپر جو سنگ مرمر کا تعویذ ہے اس پر نود ونہ، اسماء باری تعالیٰ خاص کر خط نستعلیق میں لکھے تھے اور اس کے علاوہ دالانوں کی محرابوں پہ اندر اور باہر بخط نستعلیق اشعار کندہ کیے تھے۔ جب شاہ جہاں کا زمانہ آیا تو اسی شخص نے تاج محل کے کتبات طرز ثلث میں لکھے تھے۔ اس وقت شاہ جہاں نے اسے "امانت خاں" کے خطاب و انعامات سے سرفراز کیا تھا جب یہ شخص شاہ جہاں کی ملازمت سے سبکدوش ہوا تو شاہ جہاں نے اسے لاہور کے قریب جاگیر عطا کی جہاں اس نے سکونت اختیار کی اور وہاں ایک عالیشان سرائے تعمیر کی جسے آج تک اس کے نام پہ سرائے امانت خان کے نام سے پکارتے ہیں موجودہ امرتسر کا تمام علاقہ "سرائے امانت خاں" کے نام سے بھی مشہور تھا۔ یہ تمام مظاہرہ ایک خطاط کی عظمت اور شاہانہ سرپرستی خط اسلامی کا ہے

حکیم رکنا کاشی

مجھے لندن میں مشہور مجموعہ مخطوطات مسٹر چیسٹر اسے بیٹی میں ایک مصور قلمی نسخہ گلستان سعدی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا یہ اعلیٰ مجلد نسخہ گلستان سعدی ۱۵ × ۱۰½ انچ کئی لحاظ سے ہماری ثقافتی جدوجہد پہ روشنی

ڈالتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک نسخہ بوستان سعدی برٹش میوزیم میں ہے جو بالکل اسی طرح نسخہ گلستان سعدی کے مطابق ہے، اور دونوں کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم رکنا کاشی نے ان کو یکے بعد دیگرے لکھا ہے۔ ہم ذیل میں گلستان کا ترجمہ شائع کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بتاریخ شہر جمید الاول سال ہزار دسی وہشت در دارالخلافہ آگرہ حماھم اللہ عن الآفات بدستیاری قلم کمترین ذرات عالم حکیم رکن الدین مسعود مشہور بحکیم رکنا سمت اختتام پذیرفت رب ارحم لکاتبہ بحق محمد علیہ افضل الصلوات آمین یارب العالمین تحت بالخیر والسعادہ

بوستان کا نسخہ برٹش میوزیم ۲۶، ربیع الاول ۱۰۳۹ھ کا لکھا ہوا ہے اور اس کا ترجمہ بھی اسی طرح گلستان کے ترجمہ کے مطابق ہے۔ اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں یہ شاہ جہاں کا ابتدائی زمانہ تھا۔ ہر دو نسخے نہایت اعلیٰ سمرقندی کاغذ پر لکھے گئے ہیں اور ہر صفحہ پر سنہری حاشیہ دار اور زر فشاں کیا ہوا ہے۔ بہت ہی شاندار مجالد ہیں۔ گلستان میں قریب دس پورے صفحہ پر تصاویر ہیں اور اسی طرح دس تصاویر بوستان میں ہیں یہ سب تصویریں عہد مغلیہ بعہد شاہ جہاں کی معاصر ثقافت اور ماحول کو پیش کرتی ہیں، جو دوسرے ایسے مصور مخطوطات سے بہت کم میسر ہے۔ گلستان کے نسخہ کی اہمیت اس سے بھی عیاں ہے کہ شاہجہاں نے اس نسخے کو ۱۰۴۸ھ میں بادشاہ انگلستان کی خدمت اقدس میں لطور تحفہ ارسال کیا تھا ہم یہاں شاہ جہاں کے ذیل میں وہ تحریر پیش کرتے ہیں جو بذات خود نستعلیق خطاطی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

اللہ اکبر

بتاریخ ۷، ا شہر صفر بالخیر والظفر ۱۱ سنہ مطابق ۱۰۴۸ھ مجدی ایں نسخہ نفیسہ گلستان را کہ بانی گلشن رضواں و بخط زیبای نادر الزماں مولانا حکیم رکنا است بر سبیل تحفہ وارمغان محبت اعلحضرت کیوان حشمت دیجاہ عزت و رفعت مالکاہ بادشاہ ممالک انگلستان ارسال نمود حررہ شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ ابن نوار الدین جہانگیر بادشاہ ابن جلال الدین اکبر بادشاہ۔

چونکہ ہمارا موضوع خط نستعلیق ہے اس لئے ہم اسی حد میں رہ کر بیان کرتے ہیں یہ نمونہ کتابت نستعلیق اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت ہی بلند، عجیب وغریب اور نایاب ہے عمل صالح میں لکھا ہے کہ

حکیم رکنا کاشی بحیثیت شاعر 'مسیح' تخلص کرتا تھا۔ اس نے شاہ جہاں کی تخت نشینی پر تاریخی قطعہ کہا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں

بادشاہ زمانہ شاہ جہاں — خرم و شاد کامران باشد
بہر سال جلوس شہ گفتم — در جہاں بادتا جہاں باشد

آپ کو ملکہ نواب ممتاز الزمانی کی سفارش پر منصب بیست و چہار ہزار سالیانہ مقرر ہوا تھا۔ پھر پانچویں سال جلوس شاہ جہانی کے واقعات کے تحت لکھا ہے کہ آپ کو بروز جمعہ سلخ ربیع الاول ۱۰۴۰ھ کو پانچ ہزار روپیہ نوازش فرما کر آپ کی التماس کے مطابق آپ کو مشہد مقدس روانہ کیا گیا۔ حکمار عہد شاہ جہانی کے ضمن میں الگ لکھا کہ آپ کو علم طب و معالجات میں نصیبۂ کامل حاصل تھا۔ اس کا علاج سر درد و بیماری میں کارگر ہوتا تھا اور پریشان بیماروں کے دل کو تسکین بخشتا تھا۔ آپ نے ضعیفی کی وجہ سے بادشاہ کے وطن مالوف واپس جانے کی درخواست کی تھی تو بادشاہ نے از راہ مہربانی اجازت عنایت کر دی تھی۔ وہ بذات خود اعلےٰ شاعر تھا جس کا نمونہ بصورت کتابت خود ترقیمہ گلستان سے بھی واضح ہے بہرحال یہ ہر دو متذکرہ بالا نسخے حکیم رکنا نے مشہد مقدس جانے سے پیشتر یہاں لکھے تھے۔

حکیم رکنا کا ذکر بحیثیت کاتب ہمیں گلستان ہند قاضی احمد میں ملتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد مشہور حکمار تھے۔ آپ کا ذکر مجمع الشعرا و المناقب الفضلا میں ملتا ہے کہ آپ نے کچھ وقت شاہ عباس کے ہاں ہی بحیثیت حکیم گذارا۔ جب شاہ عباس کی صحت میں کچھ فرق آگیا تو حکیم رکنا کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا اور آپ سے تمام تنخواہ بھی واپس کر لی گئی۔ آپ کو کچھ عرصے کے لئے اپنی جائیداد کو بھی رہن رکھنا پڑا اور کاشان جیسے لگام میں حکمت سے گذارا۔ کیا حکیم رکنا زیارت کے لئے مشہد آگیا جہاں شاہ نے کوئی توجہ نہ دی تو حکیم رکنا معہ اہل و عیال ہندوستان آگیا۔ عالم آرائے عباسی میں آپ کی شاعری کا نمونہ دیا گیا ہے۔ اب کی شاعری کے نمونے ویسے بھی اکثر تذکروں میں آئے ہیں۔ متذکرہ بالا دو اہم مصور نسخے گلستان اور بوستان سعدی فن خطاطی میں آپ کے بلند مقام کا زندہ ثبوت ہیں۔

رشید دیلمی

عہد شاہ جہاں میں سب سے بڑا کاتب جو اس وقت نستعلیق لکھتے تھے مشہور و معروف تھا، وہ عبدالرشید دیلمی تھا جو ایران سے آکر اس دربار سے منسلک ہوگیا تھا۔ وہ دراصل مشہور خطاط میر عماد الحسینی قنروینی کا خواہرزادہ شاگرد تھا۔ وہ امیر عماد کے قتل کے فوراً بعد یہاں ہندوستان میں آگیا تھا اور آتے ہی آپ کو شاہزادگان کی تعلیم خوشنویسی پر تعین کیا گیا۔ شہزادہ داراشکوہ اور جہاں آرا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے زیادہ استفادہ کیا دیگر جملہ کتابداری خاصہ سلطنت میں بھی آپ ممتاز تھے۔ اتفاق سے کتابخانہ سلطنتی طہران میں ایک نسخہ گلشن جو عرض "دیدہ شد" ہے (یعنی بادشاہ کی نظر سے گذرا ہوتا ہے) اس کا ترقیمہ یہ ہے۔

"بندہ شاہ جہاں عبدالرشید دیلمی ۱۰۴۰ھ"

اس متذکرہ بالا ترقیمہ سے ہم سال ۱۰۴۰ھ کو آپ کی مغل دربار سے وابستگی قرار دے سکتے ہیں عمل صالح میں بارہویں سال جلوس کے واقعات کے تحت لکھا ہے کہ آپ کو داردگی کتابخانہ کی خدمت پر عبدالرحمٰن اور راحی ریان دیانت رائے کے تغیر سے تعین کیا گیا اور آپ کا منصب نہ صدی ہشتاد سوار تھا۔ اتفاق سے ایک نسخہ ترکی دیوان کلام سلطان حسین میرزا بالقرار استنبول یونیورسٹی میں محفوظ ہے جو نہایت اعلیٰ مطالہ مذہب ہے اسے سلطان علی مشہدی نے ۹۰۰ھ میں لکھا ہے اس پر اس کے دستخط موجود ہیں یہ نسخہ سلاطین مغلیہ کے کتب خانہ میں بھی رہا ہے اس پر شاہ جہاں بادشاہ کی اپنی ایک مندرہ ذیل تحریر ہے۔

"الحمد للہ الذی انزل علی عبدہٖ الکتاب۔

حررہ شاہ جہاں ابن جہانگیر شاہ بن اکبر بادشاہ

اس نسخہ پر بے شمار تحریریں اور مہریں کتابداروں اور مہتموں کی ہیں۔ ان میں سے ایک گول عبدالرشید دیلمی کی بھی ہے جس پر لکھا ہے (شکل ۱۷)

"عبدالرشید الدیلمی بندہ شاہ جہان۔"

اور مغل دربار میں بوڑھے ہوئے اور یہیں بعہد اورنگ زیب غالباً ۱۰۸۵ھ میں بمقام آگرہ انتقال ہوا آپ نہایت معزز طور پر شاہی دربار سے وابستہ رہے۔ اکبر آباد میں آپ کی عمارات عالی سرا اور رباط تھے جہاں آپ کو



دفن کیا گیا تھا۔ دوسرے خطاطوں پر آپ کو فوقیت حاصل تھی۔ آپ کے تلامذہ میں سے علاوہ شہزادگان کے خواجہ محمد اشرف خواجہ سرا سعدای اشرف۔ عبدالرحمٰن، میر حاجی وغیرہ تھے اور شاعری میں آپ کے تلامذہ میں سے میرزا صائب تھے۔ نواب زیب النسا کی استدعا پر آپ کے فوت ہونے پر قطعہ رحلت کیا تھا۔ جو مندرجہ ذیل ہے

کردہ بود ایزد عنایت خوشنویس شاعری ‌ ‌ کز وجود ہر دو کردی افتخار ایام ما
بود اسم درسم آن عبدالرشید دیلمی ‌ ‌ بود نام این علی بیگ و تخلص صائبا
آن پسر ہمشیرہ و سید عماد خوشنویس ‌ ‌ ایں برادر شمس الحق شریں ادا
شہر قزدیں است از اقبال آن دار الکمال ‌ ‌ کشور تبریز بود از لبنت ایں عرش سا
آن ہندوستان نمودی خوشنویس را علم ‌ ‌ ایں بہ ایراں داشتی رسم سخندانی بپا
آن یکی در خط آن چشم جہاندار داشتی ‌ ‌ نسخہ ہائے شعر ایں دلہای عالم را دوا
از جرمیر کلک آن آوازہ صورت بلند ‌ ‌ از ستون خامہ ایں خانہ معنی بپا
آن ہندوستان صورت صاحب سیف و قلم ‌ ‌ ایں در ایران معانی صاحب کوس ولوا
آن ز ہفت اقلیم خط کلکش قلمرو داشتی ‌ ‌ دین ز اصناف سخن بودی ضمیرش بادشا
داشتی از خامہ آن چہرہ خط آب و رنگ ‌ ‌ یافتی از کلک ایں آئینہ معنی جلد
سطر ہای آن بکرسی بودی از روی نسق ‌ ‌ حرفہای ایں بکرسی بود از روی ادا
ہر دو بودندی بہم چون صورت و معنی قرین ‌ ‌ ہر دو بودندی بہم چون لفظ مضمون آشنا
اتفاقاً ہر دو دریکسال باہم متفق ‌ ‌ رخت بربستند از اینجا جانب دار البقا
گشت از حرمان آن اقلیم خط زیر و زبر ‌ ‌ اوفتاد از رفتن ایں ملک معنی از صفا
از برای آن قلم گردید از شق سینہ چاک ‌ ‌ بہر ایں اوراق دیوان کردن پیراہن قبا
تختہ گشت از خوت آن خط را دکان دستگہ ‌ ‌ اوفتاد از مرگ ایں گفتار از برگ و نوا
سورش و غوغا فتاد از مرگ ایشان در جہاں ‌ ‌ باخبر شد چونکہ پیر عقل از ایں ماجرا
روی بامن کرد و گفت اشرف بگو تاریخ آں ‌ ‌ چوں ترا بودند ایشاں اوستاد و پیشوا

گفتم از ارشاد پیر عقل در تاریخ آں ۔۔۔۔ بود با ہم مردن آقا رشید و صائبا

آپ کے متعلق شاہزادی شاہ جہاں آرا بیگم نے ایک فرمان جاری کیا تھا جس کی رُو سے آپ کو اکبر آباد شاہجہاں آباد (دہلی) اور لاہور میں حویلیاں عطا کی گئی تھیں اس فرمان کا متن یہ ہے

خسرسان قضا حریان حریم وقت رابعہ عفت جہاں آرا بیگم ہندی شاہ جہاں بادشاہ کہ بدستخط خاص آقا عبدالرشید بتحریر کشید مرقوم قلم اختصاص میگردد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : شرافت تاب لائق عنایت واحسان قابل برحمت بیکراں آقا عبدالرشید بعنایت والتفات علیہ العالیہ سرفراز گشتہ میداند : عرض داشتے کہ درینولا ارسال داشتہ بود رسید انچہ درباب ہرکہ حویلی خود کہ در اکبر آباد و شاہ جہاں آباد و دارالسلطنۃ لاہور معروض استدعا فرمان عالیشان قضا حریان نمودہ بود معلوم شد مضمون معروضہ آن لائق العنایت بعرض مقدس معلے برسانیدہا شدا زرہ گذر فضل وکرم بموجب التماس اودرجہ پذیرائی یافت فرمان قضا حریان قدر تواسان فرستادہ شد خواہد رسید حدا جمیلۃ الملکی بداخیر وند کہ فرمان عالیشان راموافق مطالب نوشتہ است بتوجہ مارا شامل حال خود داند بتاریخ بسم اشہر ربیع الاول سنہ تلمی شد۔

تاریخ خوشنویسی یہ ایک بے مثال واقعہ ہے کہ ایک خطاط کو بادشاہ کی طرف سے اس طرح مراعات عطا کی گئی ہوں۔ ہم نے اوپر امانت خاں شیرازی کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ اسے شاہ جہاں نے ہاتھی اور جائیداد انعام دیئے اور آج بھی سرائے امانت خاں شیرازی کے نام سے امرتسر کے قریب واقع ہے جو اس نے سبکدوش ہو کر تعمیر کی تھی عرض یہ تھی مغلیہ عہد میں ہنر کی قدر دانی۔ ویسے عبدالرشید اپنے زمانہ میں بہترین نستعلیق نگار تھا بلکہ وہ عربی خط کو بھی اسی طرز نستعلیق میں لکھتا تھا۔ ہم یہاں اس کے لکھے ہوئے دو نمونے شائع کرتے ہیں ایک تو اس نے اعتقاداً شیعہ ہونے کی وجہ سے مشہور شیعی تحریر "ناد علیا" لکھا ہے اور دوسری عبارت بہت اہم ہے جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں (شکل ۳۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وکیل امور الٰہی وبرگزیدہ حضرت بادشاہی برساند از سواہب نعم نامتناہی از خزانہ مثل الدین ینفقون

لہم فی سبیل اللہ در وجہ من جار بالحسنتہ فلہ عشر امثالھا ماعنہ کم ینفد وعند اللہ باق از معاملہ من
ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً بقول آن احتم لا لعکم تسلیم سائل واما السائل فلا تنھر تا بوقت محاسبہ
حساباً یسیرا در دیوان فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ در تاریخ یوما کان مقدارہ خمسین الف سنتا
در روز یوم لاینفع مال ولا بنون کردد حررہ عبدالرشید

مگر عبدالرشید کے کارناموں میں وہ نمونے بھی ملتے ہیں جو اس نے ہندوستان آنے سے پیشتر ایران میں لکھے تھے۔ جن پر اس نے لکھا ہے "بتاریخ جمادی الاخر سنہ الف بدار العباد یزد مرقوم شد۔ کتبہ العبد المذنب عبدالرشید عفرو توبہ" اور بدار السلطنۃ اصفہان صدرت تحریر یافت۔ ۱۰۴۳ھ اس نے ہندوستان میں بھی اکثر نمونوں پر اسی طرح " در سنہ یک ہزار و شصت وچہار بمستقر الخلافہ اکبر آباد تحریر یافت المذنب عبدالرشید عفرنہ۔ لکھا ہے۔

میر محمد صالح اور میر محمد مومن

پسران میر عبداللہ مشکین قلم تھے۔ جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اور یہ بھائی اعلیٰ نستعلیق لکھنے میں ماہر تھے دونوں عہد شاہ جہانی میں دربار شاہ جہاں سے منسلک تھے۔ ہر دو صاحب طبع تھے۔ خوب شعر کہتے تھے میر محمد صالح سخنوری بھی فارسی اشعار کے لئے کشفی اور ہندی اشعار کے لئے سجانی تخلص کرتا تھا۔ اسی طرح میر محمد بھی شاعری میں عرشی تخلص رکھتا تھا۔ دونوں کو ہندی موسیقی میں بھی دخل تھا۔ اسی وجہ سے مشہور بھی تھے۔ احباب کی مجالس میں دف کے خوب نواز تھے اور بیت القصیدہ خوب باندھتے تھے میر محمد صالح کی تالیف مجموعہ راز اور اعجاز یا مناقب مصطفوی وغیرہ خوب مشہور ہیں ان میں اعجاز مصطفوی (مطبوعہ راقم نے بھی دیکھی ہیں۔ اس کا انتقال ۱۰۶۱ھ میں ہوا اور میر محمد مومن عرشی کا انتقال ۱۰۹۱ھ میں ہو لبعہد اورنگ ہوا۔ میر صالح کی تاریخ وفات یوں بیان ہوئی ہے ؎

"میر صالح برفت از عالم"

دونوں بھائی اعلیٰ کاتب تھے اور خاص کر نستعلیق خوب لکھتے تھے شاہی دربار میں فریضہ کتابداری پر متعین تھے۔ میر محمد مومن کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے چند قطعات میر علی الکاتب ہروی کے نقل کئے

اوران کو شہزادہ شاہ شجاع کی خدمت میں پیش کئے جس پر شہزادہ نے آپ کو شہزادہ نے دو ہزار روپیہ انعام اسی وجہ سے دیئے یہ قطعات واقعی میر علی کے ہیں۔ مگر بعد میں یہ راز افشا ہو گیا۔ شہزادہ سلیمان شکوہ کی تعلیم خط کے لئے آپ کو مقرر کیا تھا۔ آپ کی تاریخ وفات کو سید عرشیاں امیر مومن "سے ۱۰۹۱ھ نکالتے ہیں۔ میر محمد صالح کا ذکر عمل صالح میں بھی ملتا ہے کہ آپ فرمان نویس بعہد شاہ جہاں تھے۔ آپ منصب پانچ صدی بیست سوار سے سرفراز تھے۔ عمل صالح میں چوبیسویں سال جلوس کے تحت یوں ملتا ہے۔

" چہار دہم شعبان سال ہزار وشصت دار دغگی کتابخانہ ونقاش خانہ از انتقال میر محمد صالح خوشنویس کہ پنجم ماہ مذکور سر یہ خط اجل نہاد نقش مہاتش از صفحہ روزگار محو شدہ بود امتیاز یافت "

میں نے کتب خانوں میں اکثر مخطوطے دیکھے ہیں جن پر ان ہر دو بھائیوں کے ہاتھ کی تحریریں ہیں اور اکثر کتب کو ان ہر دو نے لکھا بھی ہے۔ غرضکہ یہ اپنے زمانہ میں بہت مشہور خطاط تھے۔ یہاں ایک امر واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ امرائے عہد شاہ جہانی میں دو بھائی میر محمد صالح و میر صالح ولد میر عبداللہ تھے اور ایک امیر رشید اخوشنویس تھے جن کو نہ صدی دو صد اور نہ صدی یکصد سوار کا منصب حاصل تھا پھر آگے چل کر عمل صالح میں لکھا ہے۔ میر صالح فرمان نویس پانصدی سی صد سوار کے منصب سے سرفراز تھا جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس نام کے اس وقت تین کاتب تھے۔

محمد مراد کشمیری شیریں قلم

عہد شاہ جہاں میں ماہرین نستعلیق میں ایک خاص امتیاز رکھتا تھا۔ اس کے لکھے ہوئے بیشمار قطعات ملتے ہیں۔ عمل صالح میں بھی آپ کا خاص تذکرہ ملتا ہے۔ آپ کے خط کو عام طور پر ملا محمد حسین کشمیری کے خط کے قریب بیان کیا جاتا ہے اور انھیں سحر طراز و جادو رقم لکھا جاتا ہے۔ آپ کو نستعلیق خط کے دوائر کے حروف حلقہ بندی میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ آپ کو خط خفی اور جلی لکھنے میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ آپ کو خط حسن اور پختگی کے آپ کو ثانی میر علی اور سلطان علی کہتے تھے۔

عہد شاہ جہانی میں شرف الدین عبداللہ کو بھی کُتّاب میں شمار کیا جاتا ہے۔ مگر آپ زیادہ تر مہروں اور پتھروں پر لکھتے تھے۔ پھر یہ بھی واضح ہے کہ وہ زیادہ تر نسخ وغیرہ لکھتے تھے۔ اسی طرح میر علی تبریزی بھی

خط کی زیبائش میں مشہور تھے مگر ان کے لکھے ہوئے نسخ اور شکستہ نمونے ملتے ہیں۔ عہد شاہ جہانی میں خط شکستہ میں میرزا محمد جعفری طب بہ کفایت خاں اور جلال الدین یوسف بھی شکستہ میں ماہر تھے۔ غلام محمد ہفت قلمی نے تذکرہ خوش نویساں میں لکھا ہے کہ .... یہ شخص خط شکستہ اور نستعلیق میں اپنے زمانہ میں کسی سے کم نہ تھا۔

میر محمد شریف

ہمشیرہ زادہ میر عبداللہ مشکیں قلم خط نستعلیق خوب لکھتا تھا اسے حضرت جنت آشیانی سے خطاب کاتب السلطانی ملا تھا اور میر عبداللہ اسے اپنے فرزند کے برابر جانتا تھا اور اپنی وفات پر اُسے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ مگر میر محمد شریف نے پیشہ کتابت کو ہمیشہ گمنامی سے ہی کیا۔ فقط روزگار میں نام آوری پیدا کی اور اپنی روزی ہمیشہ کسب حلال سے پیدا کرتا تھا۔ اس کا انتقال ۱۰۵۴ھ میں ہوا۔ ممکن ہے یہ شخص وہی محمد شریف ہو جس نے مسجد وزیر خاں لاہور پر عربی کتبات خط ثلث میں لکھے تھے۔

لاہور کو ایک خاص فضیلت کا امتیاز دوسرے شہروں پر یہ ہے کہ یہاں عہد مغلیہ کی کافی یادگاریں اکبر کے زمانہ سے ہیں جن پر کتبات بھی اتفاق سے ہیں مگر طرز نستعلیق میں کتبات ہمیں یہاں عہد شاہ جہاں سے اتفاق سے قلعہ لاہور اور مسجد وزیر خاں پر ملتے ہیں جن میں سے ہم یہاں دو کتبات اس قسم کے شکل ۶۹، ۷۰) پیش کر رہے ہیں اور شکل ۶۹ پر کاتب کا نام "محمد علی" بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ امر قابل بیان ہے کہ اس مسجد وزیر خاں پر جو کتبات علاوہ طرز نستعلیق کے ہیں ان پر بھی کاتبوں: محمد شریف، حاجی یوسف کشمیری اور حسین کے اسماء ان پر درج ہیں مگر محمد علی جو اتفاق سے نستعلیق خوب لکھتا تھا وہ دراصل سلسلہ قادریہ میں حضرت میاں میر صاحب کا مرید بھی تھا۔ اس طرح ہمیں دوسرے مقامات سے بھی بعض کتبات عہد شاہجہانی میسر آسکتے ہیں مگر لاہور میں یہ کتبات کاشی کاری پر ہیں اور نہایت اعلیٰ لکھے ہیں۔ جیسا کہ یہاں شائع کردہ اشکال سے واضح ہے اور اسے سکینۃ اولیاء[۱] میں ملا محمد علی ولد شیخ حسن سرہندی خوشنویس لکھا ہے۔ تلاش سے ہمیں اور کتبات بھی میسر آسکتے ہیں مگر اسماء کاتب شاید میسر نہ آئیں۔

---

۱) سکینۃ الاولیا (داراشکوہ)، (اردو ترجمہ)، مطبوعہ لاہور ص ۲۷

خاندان مولانا منیر لاہوری

مولانا ابوالبرکات منیر لاہوری عہد شاہ جہاں کی علمی شخصیتوں میں امتیاز خاص رکھتے تھے جس طرح مغل عہد میں دیگر علمی حضرات کی حیثیت تھی اسی طرح ان کے اپنے کارنامے علمی دنیا میں بصورت انشا، اشعار، مثنویاں ملتی ہیں۔ آپ نے دراصل میرزا صفی مخاطب بسیف خان ناظم الہ آباد کے ہاں زندگی بسر کی سیف خاں دراصل مرزا ابوالحسن مخاطب بہ آصف خاں بن میرزا غیاث بیگ اعتماد الدولہ یعنی ہم زلف شاہ جہاں تھے مولانا منیر بعد میں اعتقاد خاں حاکم جونپور کے ہاں بھی رہے۔ ۱۰۵۴ھ میں آگرہ میں انتقال کیا مگر آپ کو آپ کے وطن مالوف لاہور میں سپرد خاک کیا گیا۔ محمد صالح نے عمل صالح میں بیان کیا ہے کہ آپ کے والد عبدالجلیل ابن حافظ ابوالحق لاہور کے رہنے والے تھے۔ فن خوشنویسی میں تمام ہندوستان میں مشہور تھے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ کے دربار میں خوشنویس کے زمرے میں ملازم تھے۔ اکبر نامہ کے مسودات انہی بزرگ نے ابوالفضل کے سامنے بیٹھکر سب سے پیشتر تعوید کئے ہیں۔ مولانا منیر کے دو اور بھائی تھے ایک نام ابولفیض متخلص بہ فیض تھا۔ فیضا کے لقب سے زیادہ مشہور تھے۔ ان کا ایک دیوان یادگار ہے خط نستعلیق نہایت پاکیزہ لکھتے تھے۔ تمام عمر لاہور میں رہے ان کا ۱۰۷۰ھ میں لاہور میں انتقال ہوا۔ دوسرا بھائی جسکا نام ابوالفتح اور تخلص ضمیر تھا۔ وہ بھی خطاط تھے مگر اتنے مشہور نہیں تھے۔ منیر کے ہمراہ بنگالا میں رہے اور وہیں وفات پائی۔ افسوس مولانا منیر حین شباب میں ہی چھتیس سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئے۔ غرضیکہ مولانا منیر لاہوری کا خاندان نستعلیق کے ہنرمندوں کا تھا۔ منیر خود بھی بہت عمدہ لکھتا تھا اس نے خود انشاء منیر میں ایک مکتوب (ص۴۶) میں، جو فن خطاطی کے ضمن میں بہت اہم ہے خط کے مختلف پہلوؤں پر فنی حیثیت سے اپنے رنگ میں بحث بھی کی ہے، جسے میں یہاں ذیل میں درج کرتا ہوں۔ غرضیکہ خط نستعلیق کا یہ مرحلہ بھی عہد شاہ جہاں ہی طے پایا۔ اس میں خط کے ضمن میں کافی امور اور مصطلحات آگئے ہیں۔ ہموارہ فیض نور الانوار مخصوص آں چشم وچراغ دودہ معانی باد عمر ہست کہ ایں خاکسار ساحل دار لب تشنۂ فیض صحبت آں بحر فضائل ست پیدا است کہ بحر چوں از موج خیزی بسوی ساحل رواں

انشای منیر (مطبع محمدی) قدیم ص۴۶

آب بر روئے کار می آید و از شکوہ بحر یک قطرہ نمی کاہد۔ بنا بریں مقدمہ اگر صبا ہنگام طلوع خورشید بقدوم نورانی آں اختر اوج سعادت منزل ایں ہرگزیں چوں منزل ما فروغ اندوز مشرف گردد نوالتفات سامی کہ مانند ہر نو آفتاب نسبت بجمہور فیض گیران چہ عام وچہ خاص است بعید نخواہد بود۔ وفردا رہی بایں امید برشاہراہ انتظار تشنۂ پردہ چشم را با انداز خواہد ساخت وجان را از بحر استقبال روان خواہد کرد۔ قطعہ

اے کہ از یمن آشنائے تو | با دلم گشتہ آشنا معنی
چہ شود گر بود ز مقدم تو | کلبۂ بندہ بیت با معنے

رباعی :۔ اے ز ظلمت نور تجلی زدہ سر | وی از خط خورشید خطت روشن تر
گشتہ بتماشای خط روشن تو | چشم آیت نور وحشرہ زیر وزبر

چوں درینجا یک قلم سیاہی خوب بہم نمی رسد وبیاہی بد قلم را نیل رسوائی بر پیشانی کشیدن چہل مرکب ناچار ازاں ثنا سائی راز سپیدی وسیاہی کہ کاغذ پیش آورد سفید ناتوان گردید۔ وقلم برسوی او چشم سیاہ نتواند شد۔ التماس مخودہ می آید کہ ازیں راہ گزر دوات را بخدمت گرامی فرستادہ شد امید کہ درون آں چین نژاد کہ از لیفہ بیرون نافہ می نماید۔ بسیاہی بہ آہو مشک آگیں سازند و دیگر آں کہ چوں دریں ایام پسر خواندہ ایں شکستہ بمقتدائے سرنوشت کاغذ دار در بند خط افتادہ است۔ وقلم کردار سر بر خط مشق نہادہ و متحقق است۔ کہ تا سر مشق مد نظر نباشد خط از ہیچ رو بدست نمی آید۔ اگر نخستین سر مشق مفردات نستعلیق از نوشتہای قلم جادو رقم آں فرمان روای قلمرو خطہ خط کہ خط غالیہ ہریان را از رشک آں موئے بر تن خاستہ دست دہد احسانی ست کہ شرح آں از اندازہ تحریر بیرون ست۔

رباعی — ای اختر بخت تو شد اوج پذیر | دریاب کہ از مہر توام نیست گریز
تو ماہی و من منیر چوں زان منی | شاید کہ ز مہر خوانمت ماہ منیر

بندۂ منیر بعد از طی منازل بایں شہر سعادت بہر رسیدہ و از صبح تا ایں ہنگام در جستجوی منزل

آں ماہ منزلت بودہ آتا بحکم الغریب کالاعمی پی باں بیت الشرف نبردہ چوں شوق ایں ہرگزیں

نقل از "انشاء منیر"، مطبع نامی نول کشور ۱۸۸۵ء ص ۳۶ - ۳۷ مکتوب چہل و ششم

برآں خورشید رواں روشن است ۔ ہر گاہ اشارہ شود شرف اتصال دریابد و اختر خویش و اسپاس گزاری کند ۔

بیت :۔ من و فیروزی بخت ہمایوں بکام من فلک گردید اکنون ۔ تا آرائش بیاض صبح از مطلع خورشید ست ۔ درجہ آں ماہ پیہر معانی بلند باد ۔

مورخین عہد شاہ جہان سے اس عہد کے بعض خطاطوں کا ذکر خاص طور پر کیا ہے چنانچہ محمد مراد کشمیری شیرین قلم ۔ آقا رشید دیلمی، میر محمد صالح و میر محمد مومن پسران میر عبداللہ مشکیں رقم ریاقلم شرف الدین عبداللہ میر سید علی تبریزی ان میں سے نستعلیق نویسوں کا ذکر ہم نے اُوپر کر دیا ہے ۔

خط نستعلیق بعہد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ

جب فنون لطیفہ سے متعلق بعہد اورنگ زیب لکھنے والے اپنی قلم کو جنبش دیتے ہیں تو حالات بدلے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ اس عہد میں فنون دربار کی قیود سے ایک طرح آزاد ہو گئے تھے اور ہر فن کار جس طرح چاہتا خود آزادانہ اپنے اظہار فن کا مظاہرہ کرتا مگر اس سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ بادشاہ میں خود ادراک فن نہیں تھا ۔ خاص کر خط کے ضمن میں اورنگ زیب بذات خود ید طولیٰ رکھتا تھا اور سید علی خان الحسینی جواہر رقم اور عبدالباقی حداد یعنے مولانا عبداللہ اس کے ضمن میں معلم تھے اس کے عہد کا مورخ منشی کاظم مصنف عالمگیر نامہ لکھتا ہے ۔

"۔۔۔۔۔ خط نستعلیق آنحضرت سے شائبہ اطرای مدح طرازی و اغراق نکتہ پردازی دراں رتبہ است کہ قطعہای کہ درعین ایام زدق و سہر گزی مشق رقم پذیر خامہ اشرف گشتہ بقطعہای خوب استاداں کہ عمر گراں مابہ حرف تحصیل آں سرمایہ ساختہ تکمیل امر سے دیگر پرداختہ اند در نظر خط شناساں مبصر مشتبہ می شود ۔۔۔۔۔"

بختاور خان نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ہی اپنی مشہور کتاب "مراۃ العالم" کی تھی جس میں ایک مستقل باب "در ذکر خطاطاں" مرتب کیا ہے اس باب میں سب قسم کے خطاطوں کا ذکر ہے ۔ راقم نے فنون لطیفہ بعہد اورنگ کے عنوان پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں اس ضمن میں مفصل بحث آگئی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اورنگ زیب کو اعلیٰ خط بہت محبوب تھا اور خود بھی خوب لکھتا تھا ۔ کہا کرتا تھا اور سمجھتا تھا

ادبوا اولادکم محسن الخط خانہ — اپنی اولاد کو اچھے خط کی تعلیم دو
من مفاتیح الرزق .... — کیونکہ یہ رزق کی کلید ہے

اورنگ زیب نے تمام شہزادگان کا خود پڑھنا لکھنا اور اپنی اولاد کو اس سے آراستہ کرنا ایک فرض سمجھا خود اس نے رشید ویلمی جیسوں سے خط کی تعلیم حاصل کی تھی اور سید علی خان الحسینی جواہر رقم متوفی ۱۰۹۴ھ سے براہ راست خط لکھنا سیکھا تھا جو میرے نزدیک زیادہ تر خط نسخ تک محدود رہا۔ تذکرہ خوشنویسان غلام ہفت قلمی نے لکھا ہے کہ سید علی خاں جواہر رقم الحسینی کا والد آقا مقیم کا علم خط میں تلمیذ تھا اور وہ میر عماد کی روش کا مقلد تھا۔ وہ اورنگ عالمگیر کے ابتدا عہد میں یہاں آیا تھا۔ اس کا خط ماضی کے گیردوں کی طرح اور نقش میں وہ بہزاد تھا۔ ویسے سیاہ قلم خوب کارکرتا تھا۔ عالمگیر نے اسے شہزادگان کی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا آہستہ آہستہ ترقی کر کے دلو وغیرہ کتابخانہ ہو گیا تھا۔ مراۃ العالم کے مطالعہ سے یہ بھی ملتا ہے کہ میر سید علی خاں جواہر رقم صاحب قرآن ثانی کے عہد میں ہندوستان میں آگیا تھا۔ اس کو جواہر رقم کا خطاب عطا ہوا تھا۔ اور خاص کر شہزادہ اورنگ کو تعلیم خط دینے کے لئے مقرر ہوا تھا۔ سید علی خاں جواہر رقم کی وفات کے بعد اس کے لڑکے شمس الدین علی خاں کو بھی اس خطاب جواہر رقم سے سرفراز کیا گیا تھا۔ منشی کاظم اپنے "عالمگیر نامہ" میں خط کے ضمن میں لکھتا ہے ؛ از رتبہ خط وحسن تحریر آں شاہنشاہ فلاطوں خطنت سکندر نظیر کہ صفحات اور گارو اوراق دفاتر لیل ونہار از آں زینت پذیر است۔ خامہ نکتہ پرداز جادو فن راچہ یارائے دم زدن بقدرت کلک بدائع آثار معنی استاد سحر نگاری راچناں بر کرسی نشاندہ کہ دست استاداں اقالیم سعبہ بداں نتواند رسید۔"

خط نستعلیق :۔ آں حضرت سے شائبہ اطرائے مدح طرازی واعراق نکتہ پردازی دراں رسنتہ است کہ قطعہائے کہ درعین ایام ذوق وسرگرمی شق رقم پذیرہ خامہ اشرف گشتہ بقطعہائے خوب استاداں کہ عمر گرانمایہ صرف تحصیل آں سرمایہ ساختہ بتکمیل امرے دیگر پرداختہ اند درنظر خط شناساں مبصر مشتبہ مے شود وشکستہ نستعلیق درغایت مفرداری وصفا ومتانت وپختگی مے نویسند۔

یہ بات عام مشہور ہے کہ اورنگ زیب نے قرآن کریم کے چند نسخے خود لکھے جس سے اس کے اپنے اعلئے خطاط ہونے کی دلیل ملتی ہے مگر اس نے خود ان پر اپنا نام وتاریخ نہیں لکھا کیونکہ اس نے ان کو اپنے نقطہ نگاہ کے مطابق رضا الٰہی حاصل کرنے کے لئے لکھا تھا۔

اس عہد کے نسخ لکھنے والوں میں عبداللہ مشتہر بہ عبدالباقی اور محمد عارف المخاطب بہ یاقوت رقم از شاگردان عبدالباقی حداد تھے خط نستعلیق کے ضمن میں اورنگ زیب نے خاص کر لڑکوں کی تعلیم کے لئے ہدائیت اللہ زریں قلم کو مقرر کیا تھا جو اکثر محمد حسین کشمیری زریں قلم کی طرز پر لکھتا تھا۔ اگرچہ بعد میں اس نے سید علی خاں جواہر رقم کا خط اختیار کر لیا جس کا ذکر ہم نے اُوپر کیا ہے۔ ان کے تلامذہ میں شہزادہ کام بخش خاص طور پر قابل ذکر ہیں بادشاہ نے آپ کو فرمان دیا تھا کہ اپنی قلم سے محمد کام بخش کی بیاض ہیں۔ مندرجہ ذیل رباعی درج کر دو۔

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش۔ من خور زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش کش دشمن من نیست منم دشمن خویش۔ اے وائے من و دوست من و دامن خویش اس سے اورنگ۔ کا اپنا ذاتی حسن انتخاب اور مذاق ملاحظہ ہو۔ ہدائیت اللہ کا انتقال ۱۰۸۰ھ میں بمقام احمد نگر ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ نہایت منکسر المزاج ہو رہے دہلی کے عجائب خانہ آثار قدیمہ میں اس عہد کے اکثر نمونے محفوظ ہیں۔ خاص کر بیاض بختاور خاں ہیں اس کے نمونے کافی ہیں ان میں قابل ذکر نمبر ۱۰ از سید علی جواہر رقم ہے اور محمد امین مشہدی کی قلم سے بھی مندرجہ ذیل نمونہ مورخہ ۱۰۸۲ھ کا ہے۔

ہوالعزیز

این طرفہ بیاض من سواد اعظم — مجموعہ واردات اہل علم
دیں بر عجم کہ گفت بختاور خاں — تاریخ بیاض خود سواد اعظم

ایک نمونہ دہلی میوزیم میں محمد باقر کی قلم سے۔ یہ شخص درباری خوشنویس تھا۔ بادشاہ آپ کے خط کو بہت پسند کرتے تھے اس بیاض میں الگ ایک قطعہ تاریخ متعلق بیاض ہذا مورخہ ۱۰۸۳ھ از قلم محمد اسمٰعیل عاقل کا ہے جو غالباً حاجی اسمٰعیل کے نام سے بھی معروف تھا جو اورنگ زیب کے پروانے خط نستعلیق میں لکھتا تھا اسے ۱۰۹۶ھ میں "روشن رقم" کا لقب بھی ملا تھا۔

اسی طرح اس بیاض میں ایک قطع از نواب اشرف بھی ہے۔ یہ شخص اس اشرف خاں سے مختلف تھا جو عہد اکبری میں تھا جس کے متعلق ہم نے اُوپر اکبر کے تحت بیان کیا ہے۔ یہ شخص شاہ جہاں اورنگ زیب کے عہد میں "اشرف خاں" کے لقب سے مشہور رہا اس کا انتقال ۱۰۹۷ھ میں ہوا اس کا ایک تلمیذ نورالدین محمد تھا جن کا ایک قطعہ مورخہ ۱۰۸۱ھ بھی اسی بیاض میں ہے۔ دو اور قطعات از سید احمد اور مرزا معزالدین

محمد فطرت کے بھی ہیں۔ اورنگ زیب کی اولاد میں شہزادی زیب النسا علوم و فن میں سب پر سبقت لے گئی تھی اس کی کتابت کے اکثر نمونے بیان کئے جاتے ہیں۔ اورنگ کے عہد میں آقا عبدالرشید دیلمی کا انتقال ۱۰۸۱ھ میں ہوا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کے تلامذہ میں سے کافی خطاط تھے اورنگ زیب کے عہد کے بعض فرمان اعلیٰ خط نستعلیق میں نہایت خوبصورت لکھتے ہیں جن کو غالباً حافظ نوراللہ اور نوراللہ تلمیذ عبدالرحیم لکھتے تھے اسی طرح عنایت اللہ خاں ولد مرزا شکراللہ کشمیری مؤلف کلمات طیبات" بھی کتاب عالمگیر میں سے تھا اس کی والدہ حافظہ مریم بہت اعلی التعلیم یافتہ تھی اسے شہزادی زیب النساء کی اتالیق ہونے کا فخر حاصل تھا۔ عنایت اللہ بذات خود انشاءاللہ والدہ کے کمالات سے پیراستہ تھا اس کا انتقال ۱۱۳۹ھ میں ہوا تھا۔ ہم نے اپنے تذکرہ بالا بیان خط نستعلیق بعہد اورنگ زیب میں دوسرے انواع خطوط کے ذکر سے احتراز کیا ہے۔

اورنگ زیب کے عہد میں ہدایت اللہ زریں قلم مشہور و معروف کاتب ماہر خط نستعلیق تھا یہ شخص بقول مصنف تذکرہ خوشنویساں[1] اوّل محمد حسین کشمیری کی روش پر لکھتا رہا بعد ازاں سید علی خاں جواہر رقم کی طرز کو اختیار کیا اور داروغہ کتابخانہ عالم گیر ہو گیا اس نے دیوان حافظ کے نسخے لکھے شہزادہ کام بخش بھی اس کا تلمیذ تھا اور شہزادہ محمد اعظم شاہ بھی اس کا تلمیذ تھا اس کا ذکر رقعات عالم گیری میں اس طرح ملتا ہے۔

بہدایت اللہ زریں قلم بگوید ایں رباعی در بیاضکہ بیاد شاہزادہ کام بخش مرحمت مشہور بخط خود بنویسند رباعی آتش بدو دست خویش در خرمن خویش۔ من خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش کس دشمن من نیست دشمن خویش۔ ای وای من دوست من و دامن خویش را متذکرہ بالا بیاض میں ایک وصلی ہدایت اللہ زریں قلم کی ہے جس پر ۱۱۱۲ھ درج ہے

نتیجہ

ہم نے ان صفحات متذکرہ بالا میں اسلامی خط کی طرز نستعلیق کی مختصر سرگزشت آٹھویں صدی ہجری

نمبر ۱ تذکرہ خوشنویساں۔ کلکتہ ص ۵۸ - ۵۹ ۲ رقعات عالم گیر، کانپور ۱۳۰۷ھ ص ۱۴۳ رقعہ ۱۷۱

کے آخیر سے لے کر گیارہویں صدی ہجری تک بیان کی ہے اور اس ضمن میں بعض مشہور خطاط اور ان کے کارناموں کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے اس طرز نستعلیق نے زیادہ تر توران۔ ایران و پاک و ہند میں اپنا فروغ قائم رکھا اور ان ملکوں میں سرکاری زبان بھی فارسی رہی اس خط سے ایک طرح عربی رسم الخط نسخ سے بھی امتیاز قائم رکھا اگرچہ ہر دو عربی اور فارسی زبانیں ایک ہی اسلامی عربی حروف میں لکھی جاتی ہیں مگر ہر دو زبانوں کی صرف و نحو الگ الگ ہے اس وجہ سے بھی اس طرز نستعلیق نے آٹھویں صدی ہجری سے ایک طرح اپنا امتیاز فارسی زبان تک محدود رکھا اور اس سے امتیاز کی ایک سہولت بھی میسر آگئی اور ان ہر دو زبانوں میں اس طرز نستعلیق سے ایک ظاہرہ امتیاز بھی میسر آگیا۔

خط نستعلیق میں لکھنے والے ہر دور میں آٹھویں صدی سے لیکر آج تک لاکھوں ماہرین گذرے ہوں گے۔ مگر ان میں بعض نے امتیاز بھی حاصل کیا ہے اور ان ماہرین خطاط کی بدولت اس خط میں ایک جمالیاتی جھلک بھی آگئی ہے اور اس طرح اسلامی خطاطی کو فنون لطیفہ کا درجہ بھی میسر آگیا ہے اور یہ امتیاز اتفاق سے کسی اور زبان کے رسم الخط کو حاصل نہیں ہے اور یہ سب کچھ خط اسلامی کی بدولت ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے کہ اس طرز نستعلیق کے نمونے میر علی تبریزی کے زمانہ ۷۹۸ھ سے لے کر آج تک مسلسل بیشمار محفوظ ہیں اور نظر آتا ہے کہ اس طرز کو ایک خاص مقبولیت اور استحکام بزمانہ سلاطین تیموریہ زیادہ ہوا جنھوں نے ماہرین کو خاص مراعات بھی عطا کیں چنانچہ ۹۱۱ھ ہجری کے بعد جب کہ سلطان حسین مرزا بائقرا ہرات کا انتقال ہوا تو اس کے دربار کے ماہرین طرز نستعلیق توران و ایران و دیگر شہروں میں پھیل گئے۔ جس وجہ سے بھی اس طرز کو مزید شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی ۹۳۲ھ میں بابر نے ہندوستان کو فتح کر کے سلطنت مغلیہ کی بنا رکھی جو ۱۲۷۰ھ تک رہی۔ اس طرح یہ طرز نستعلیق پاک و ہند میں مستحکم ہو گئی اور اسے فروغ حاصل ہوا اور پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کی اپنی زبان بھی فارسی تھی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی خط کی طرز نستعلیق نے اپنے جمالیاتی کیفیت سے بھی ایک یکساں ثقافت اسلام کا ماحول توران۔ ایران و ہند میں یعنی تمام ایشیا میں قائم کر دیا اور اس تمام ماحول میں یہ ایک یکساں ثقافتی کیفیت حرکت کرتی نظر آتی ہے۔

[۲ جھور ل]

تصنیفات ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

۱- The Badshahi Masjid, History and Architecture
صفحات تقریباً ۷۰ بڑا سائز۔ ۲۶ صفحات پلیٹ (۲۲ × ۲۹/۴)
۲- بادشاہی مسجد لاہور (۱۸ × ۲۳/۴) (اردو) تصاویر ۱۳ -
۳- تاریخ نقش نگار، (۲۰ × ۳۰/۸) ایک سو سے زائد صفحات اور تصاویر ۶۵ صفحات پلیٹ -
۴- تاج محل آگرہ Le Tadj Mahal d'Agra (French) Brusselles. 1938. (۲۰ × ۳۰/۸) ۱۸۴ صفحات و ۶۵ تصاویر - اردو اشاعت -
۵- Painting during the Sultanate Period —1963 -
۶- بابا فرید شکر گنج، درگاہ پاک پٹن - (انگریزی) Pakpattan and Baba Farid Ganj-i-Shakar -
۷- لاہور میں موجود قدیم ترین اسلامی عمارت - (انگریزی) The Oldest Extant - مع تصاویر (۲۰ × ۲۶/۸) Muslim Architectural Relic at Lahore -
۸- سیرۃ حضرت بلال رضؓ - (۲۰ × ۲۶/۸) دو پلیٹ تصاویر و صفحات ۱۹۲ اعلیٰ کپڑے کی جلد -
۹- مغربی آرٹ کی مختصر تاریخ (۲۰ × ۲۶/۸) ۶۱ صفحات -
۱۰- فنون لطیفہ بعہد اورنگ زیب عالم گیر (۱۷ × ۲۷/۸) -
۱۱- جہانگیر کا ذوق مصوری - (۲۰ × ۲۶/۸) صفحات ۳۰ -
۱۲- حالات ہنروراں - تصنیف دوست محمد کتابدار ۹۵۲ھ (۱۷ × ۲۷/۸) تذکرہ خطاطاں و نقاشاں -
۱۳- ریحان نستعلیق - ۹۸۹ھ (۱۷ × ۲۷/۸) فن خط و تذکرہ -
۱۴- قوانین خطوط - مصنف محمود بن محمد - ۹۹۰ھ تاریخ خط -
۱۵- علم الکتابت - مصنفہ ابو حیان توحیدی متوفی ۴۱۴ھ تاریخ خط (۲۰ × ۲۶/۸) تین پلیٹ تصاویر -
۱۶- رسالہ میر علی تبریزی خط نستعلیق (۲۰ × ۳۰/۱۶) -
۱۷- علم پروری و ہنر شناسی - حالات و کیفیت مصنفین -
۱۸- کھٹو - راجستھان کی ایک تاریخی بستی (۱۸ × ۲۳/۸) -
۱۹- سودھرہ - پنجاب کی قدیم تاریخی بستی (۲۰ × ۲۶/۸) -
۲۰- تاریخ مظفر شاہی معرکہ گجرات و مالوہ ۹۲۰ھ از قانعی -
۲۱- ملحق - سیرالاخبار - از شیخ محمد بیگ نقشبندی برہانپوری - ۱۱۰۱ھ عربی زبان میں تاریخ ہندوستان -
۲۲- لاہور کی کہانی آثار کی زبانی -
۲۳- تاریخی آثار - گرد انجینیرنگ یونیورسٹی لاہور مع چند تصاویر -
۲۴- مسجد نبوی - مدینہ منورہ - مصور (۱۸ × ۲۳/۴) -
۲۵- مساجد عالم پر مبسوط مقدمہ اور تاریخی مساجد لاہور -
۲۶- سرگذشت خط نستعلیق مع ۴۵ پلیٹ بے شمار خط کے نمونے -
۲۷- لاہور سکھوں کے عہد میں - (۲۰ × ۳۰/۱۶) مع ۲ تصاویر قدیم مسجد شہید گنج -
۲۸- ظفر خان اور اس کا مصور کلام - (۲۰ × ۳۰/۸) مع چند اہم تصاویر عہد شاہجہان از مصور بشنداس -
۲۹- پنجاب میں مصوری کی ایکصدی - (انگریزی)
۳۰- وقائع سیالکوٹ مصنفہ محمد مقیم بن رحمۃ اللہ ۱۰۷۱ھ -
۳۱- اسلامی مصوری - ترمیم شدہ اشاعت (۱۷ × ۲۷/۸) -
۳۲- اسلامی کوزہ گری - (۱۷ × ۲۷/۸) مصور -
۳۳- نمائش اسلامی ثقافت ۱۹۵۸ء (۲۰ × ۲۶/۸) (انگریزی) -
۳۴- احمد معمار لاہوری اور اس کا خاندان -
۳۵- علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی - لاہور کی علمی مجالس -
۳۶- طبقات ناصری : (فارسی) طبقات متعلق تاریخ ہند -
۳۷- سید سلیمان ندوی اور ان کے چند خطوط (۲۰ × ۳۰/۸) -
۳۸- مثنوی نل دمن فیضی - نسخہ - ۴ تصاویر - (۱۸ × ۲۳/۴)
۳۹- محمد بن تغلق سلطان - (انگریزی ترجمہ از عربی -
۴۰- تمدنی - ثقافتی - جغرافیائی - مذہبی اسباب کا اثر ارتقاء فن اسلامی تعمیر پر -
۴۱- واقعات عالم گیری - عاقل خان رازی (۱۱۰۸ھ) فارسی -
۴۲- منظوم تاریخ سلاطین بہمنیہ - ۱۲۰۰ھ اردو -
۴۳- قدیم مساجد ہند و پاکستان اور ان کا فن تعمیر -
۴۴- فن تعمیر (اردو) یونیسکو کے منصوبہ کے تحت لکھا گیا -
۴۵- فتوحات فیروز شاہی (فارسی متن و ترجمہ) (۱۸ × ۲۳/۸) -
۴۶- Miniature—Painting from Pakistan -
پاکستان میں مصوری کی داستان -
۴۷- موسم گل کی یادگار (شالامار باغ) (۱۸ × ۲۳/۴) -
۴۸- اسلامی فن تعمیر ہند و پاک پر ایران و توران کا اثر
۴۹- قرآن کریم میں آثار و تعمیر کا مختصر مطالعہ -
۵۰- قلعہ لاہور کی مختصر تاریخ مع قدیم نقشہ قلعہ -
۵۱- 'اقبال کی صحبت میں' تذکرہ (زیر طبع) -
۵۲- روایات متعلق اقبال از احباب اقبال (زیر طبع) -
۵۳- Some Aspects of Muslim Architecture -
۵۴- آئینہ لاہور (اقتباسات) زیر طباعت - (تاریخ لاہور)
۵۵- تمدن ہند میں دکن کا حصہ، اردو انگریزی ۱۹۳۶ء -
۵۶- مساجد سمرقند - اسلامی فن تعمیر میں ہندوستان کے وسط ایشیا سے تعلقات (انگریزی) The Mosques of Samarqand—Indian links with Centrral Asia in Architecture -
۵۷- The Illustrated Edition of the Razm Nama -
۵۸- ڈکشنری - مصورین ممالک اسلامیہ (انگریزی) A Dictionary of Miniature—Painters from Islamic Countries—(in preparation) (زیر ترتیب) -
۵۹- کمال الدین بہزاد مصور - اردو و انگریزی مع تصاویر -
۶۰- Lahore During the Mediaeval Period (in Press)
۶۱- Lustered Tiles from Samarra in the Ashmolean Museum, Oxford 1933 -
۶۲- Muslim Monuments of Ahmadabad Through their Inscriptions, with several plates, 1940.
۶۳- Nagour a Forgotten Kingdom, 1942.

مکمل فہرست طلب فرمائیں

۱- مسجد وزیر خان لاہور، (انگریزی و اردو مع ۲۶ پلیٹ تصاویر) بڑا سائز
۲- Taxila Revisited with many illustrations
۳- سرگذشت خط نستعلیق (۴۰ صفحات تصاویر و ۲۰۰ صفحات)
۴- ہمارا جمالیاتی سرمایہ (تعمیر - تحریر - تصویر)
۵- ہند و پاک میں اسلامی خط کا تاریخی جائزہ (چالیس صفحات تصاویر و ۲۰۰ صفحات)
۶- تعمیر مساجد کی ابتدائی تاریخ
۷- اسلامی خطاطی - (چند نمونے شامل ہیں)